تتمہ مرغوب المسائل ج:۱

مختلف موضوعات پر لکھے گئے چند فتاوی کا عمدہ مجموعہ، جس میں اکثر فتاوی تفصیل اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں، اکثر فتاوی میں صرف عبارات فقہاء پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ قرآن کریم اور احادیث بھی بطور استدلال ذکر کی گئی ہیں۔ بہت مفید اور کار آمد فتاوی کا بہترین لائق مطالعہ مجموعہ ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

اجمالی فہرست

۱	تکفیر مسلم میں احتیاط کیجئے............	۲۸
۲	میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان رہے	۶۸
۳	آپ ﷺ کا ارشاد: ’’اُمِرتُ أنْ اُقَاتِل النّاس‘‘ کی وضاحت............	۸۱
۴	سفیانی کون ہے؟ اور اس کی کچھ تفصیل............	۸۶
۵	’’مناقب معاویۃ‘‘ کے بجائے لفظ ’’ ذکر معاویۃ‘‘.......	۱۰۰
۶	بکری کے آیت کے اوراق کو کھا جانے سے قرآن کی حفاظت پر اعتراض............	۱۰۷
۷	موجودہ تبلیغی جماعت اور چند قابل غور پہلو............	۱۱۲
۸	بے طلبوں میں محنت............	۱۴۹
۹	مکتب کی اہمیت............	۱۵۷
۱۰	مستحب پر دوام کا حکم............	۱۷۷
۱۱	قبلہ سے انحراف............	۱۹۱

۱۲	اذان واقامت کے چند مسائل اور طریقہ...............	۲۳۳
۱۳	جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور پہلے چار پڑھیں یا دو؟.........................	۲۵۷
۱۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت کی روایت اور اس کی وضاحت........	۲۶۷
۱۵	آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے......	۲۷۱
۱۶	دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟...........	۲۷۶
۱۷	مسافر کے اتمام کا حکم..............................	۲۹۲
۱۸	جنازہ میں کثرت کیا حق کی دلیل ہے؟...............	۳۰۷
۱۹	دوسرے محلّہ میں جنازہ کی نماز ہو تو امامت کا مستحق کون ہوگا؟.	۳۲۰
۲۰	غسل میت کا مسنون طریقہ............................	۳۲۳
۲۱	کفن کا طریقہ اور مسائل..........................	۳۵۱
۲۲	میت کے چند مسائل..............................	۳۸۷
۲۳	پوسٹ مارٹم کا حکم...............................	۴۴۰

فہرست رسالہ ''تکفیر مسلم میں احتیاط کیجئے''

عرض مرتب..	۲۹
اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''تم مؤمن نہیں ہو'' نہ کہو........................	۳۰
چند احادیث..	۳۳
مسلمان کو کافر کہنے والے کی طرف کفر لوٹتا ہے........................	۳۳
مؤمن پر کفر کی تہمت لگانا قتل کرنے کی مثل ہے........................	۳۳
لعنت: لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے........................	۳۴
لعنت کرنے والے پر لعنت واجب ہو جاتی ہے........................	۳۵
بلا قصد کفر کا جملہ نکل جائے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا........................	۳۵
تلوار کی زد میں کلمہ پڑھنے کے باوجود آپ ﷺ کا تعجب فرمانا........................	۳۷
فقہاء کی عبارتیں..	۴۰
یزید کو برا بھلا کہنے کا حکم..	۴۳
یزید و دیگر خلفائے اسلام کے کفر و اسلام کے متعلق........................	۴۴
یزید پر لعنت کا مسئلہ..	۵۰
ایذاء مسلم کی ممانعت..	۵۱
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں........	۵۲
مسلمان کو تکلیف پہنچانے اور دھوکہ دینے پر لعنت........................	۵۲
اہل حق کے خلاف الزامات کی ایک جھلک........................	۵۳
کفر و ایمان کے فتوی کے بارے میں اعتدال کی راہ........................	۵۶

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ........................	۵۶
’’۹۹؍وجوہ تکفیر کی ہوں تو بھی تکفیر نہ کی جائے‘‘ کا مطلب........	۵۸
ضروریات دین کی تعریف........................	۵۹
ضروریات دین اور متواترات میں تاویل بھی کفر ہے........................	۶۰
تارک نماز پر سخت وعید، مگر کفر کا فتوی نہیں لگایا........................	۶۱
تین جمعے چھوڑنے پر سخت وعید، مگر کفر کا فتوی نہیں لگایا........................	۶۱
ہمارے اکابر نے جھوٹی حدیث گھڑنے پر بھی کفر کا فتوی نہیں لگایا........................	۶۲
خاتمہ میں چند باتیں ’’موسوعہ فقہیہ‘‘ سے...... کفر کا شرعی معنی........................	۶۴
مسلمان کی تکفیر سے پہلے اس کے قول یا فعل کی تحقیق کرنا واجب ہے...........	۶۴
مسلمان کی تکفیر کے لئے شرط........................	۶۵
باشعور بچہ اور نشہ والے تکفیر کی میں فقہاء کا اختلاف........................	۶۵
سکران کی تکفیر........................	۶۶

فہرست رسالہ ’’میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان رہے‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ’’میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان رہے‘‘ کی وضاحت	۶۹
جو مسلمان مشرک کے ساتھ رہے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اسی جیسا ہے.......	۷۲
ہندوستان ’’دارالاسلام‘‘ نہیں، مگر وہاں سے ہجرت کو فرض نہیں کہا............	۷۳
غیر مسلم ممالک میں رہائش کا حکم	۷۳
’’دارالحرب‘‘ اور ’’دارالاسلام‘‘ کسے کہتے ہیں	۷۵
دار کی تین قسمیں: دارالاسلام، دارالحرب، دارالامن	۷۷
’’دارالاسلام‘‘ کے احکام	۷۷
’’دارالامن‘‘ کے احکام	۷۸
موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک تقریباً سب ہی ’’دارالامن‘‘ ہیں............	۷۹
کیا غیر مسلم ملک سے ہجرت ضروری ہے؟	۷۹

’’آپ ﷺ کا ارشاد: ’’اُمِرتُ أنْ اُقَاتِل النّاس‘‘ کی وضاحت‘‘

آپ ﷺ کا ارشاد: ’’اُمِرتُ أنْ اُقَاتِل النّاس‘‘ کی وضاحت...............	۸۲

’’سفیانی کون ہے؟ اور اس کی کچھ تفصیل‘‘

سفیانی کون ہے؟ اور اس کی کچھ تفصیل................................	۸۷

فہرست مقالہ ’’مناقب معاویة‘‘ کے بجائے لفظ ’’ذکر معاویة‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ کا ’’مناقب معاویة‘‘ کے بجائے لفظ ’’ذکر معاویة‘‘ باب قائم فرمانا..	۱۰۱
امام بخاری رحمہ اللہ کا دس صحابہ کے بارے میں لفظ ’’ذکر‘‘ سے باب قائم فرمانا	۱۰۱
امام بخاری رحمہ اللہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تین روایتیں لانا..	۱۰۲
امام ترمذی رحمہ اللہ کا ’’مناقب‘‘ کے لفظ سے باب قائم فرمانا.............	۱۰۳
قرآن کریم کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے لفظ ’’ذکر‘‘ بیان کرنا.........	۱۰۴
’’مسلم شریف‘‘ میں حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے لفظ ’’ذکر‘‘ سے باب قائم کرنا..	۱۰۵

بکری کے آیت کے اوراق کو کھا جانے سے قرآن کی حفاظت پر اعتراض

بکری کے آیت کے اوراق کو کھا جانے سے قرآن کی حفاظت پر اعتراض......	۱۰۸

فہرست رسالہ ''موجودہ تبلیغی جماعت''

مقدمہ....................................	۱۱۳
تدریس، تزکیہ، تبلیغ سب دین کے شعبے ہیں....................	۱۱۳
بانی تبلیغ اور دین کے دوسرے شعبے....................	۱۱۳
تبلیغ، دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تعریف اور اس کا حکم..........	۱۱۶
دعوۃ کا معنی اور اس کا حکم....................	۱۱۶
حسبہ اور احتساب....................	۱۱۹
حسبہ کی مشروعیت....................	۱۱۹
شرعی حکم....................	۱۲۰
حسبہ فرض کفایہ ہے اور بعض کے لئے فرض عین ہے....................	۱۲۰
احتساب علماء کا کام ہے ہر ایک نہیں....................	۱۲۱
احتساب دو حالتوں میں حرام، دو حالتوں میں مستحب ہے....................	۱۲۲
کن کن کا احتساب....................	۱۲۳
احتساب کے مراتب....................	۱۲۳
کیا موجودہ تبلیغی کام نبیوں والا کام ہے؟....................	۱۲۵
اس راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ہے؟....................	۱۲۶
چھ نمبروں کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابل قبول نہیں....................	۱۲۶
بیت اللہ شریف پر تبلیغی مراکز کی فضیلت زیادہ ہے....................	۱۲۷

دین کے بقیہ شعبے بے کار ہیں' یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے، ایسوں کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے....................................	۱۲۸
اہل دعوت کا ایک طبقہ حج وعمرہ کے سفر کو بھی اللہ کے راستہ کا سفر نہیں سمجھتا......	۱۲۹
اہل تبلیغ کا مشورہ کے بارے میں غلط نظریہ....................................	۱۳۲
شادی میں لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرنا چاہئے....................................	۱۳۴
کیا بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا اہم ہے؟....................................	۱۳۶
خاتمہ...... چند ضروری باتیں....................................	۱۴۰
کیا خروج اصل ہے؟....................................	۱۴۰
سب علماء اللہ تعالی کے راستہ میں نکلیں....................................	۱۴۰
''سب کو اللہ کے راستہ میں نکلنا چاہئے'' کا نظریہ قرآن کے خلاف ہے......	۱۴۱
ایک غلط جملہ: دعوت تمام شعبوں کو پانی پہنچاتا ہے....................................	۱۴۳
ہر حال میں نکلنے پر اصرار....................................	۱۴۴
گشت کے دن کوئی پروگرام منظور نہیں....................................	۱۴۵
ایک ہی کتاب کے پڑھنے پر حد سے زیادہ اصرار....................................	۱۴۵
درس تفسیر اور درس حدیث سے دین نہیں پھیلتا....................................	۱۴۶
تبلیغ ودعوت میں زبردستی کرنے کی ممانعت....................................	۱۴۶

فہرست مقالہ ”بے طلبوں میں محنت“

کیا بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا دین کی اصل محنت ہے؟......................	۱۵۰
﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ، الخ ﴾ سے اس دعوی کی تردید...............	۱۵۰
حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ سے اس دعوی کی تردید.........	۱۵۱
بے طلبوں کو علم کا خزانہ دینے کی ممانعت..	۱۵۳
ہر بے طلب کو دین سکھانا مضر ہے..	۱۵۴
بہترین عالم وہ ہیں: اگر لوگ چاہے تو علم سکھائے ورنہ بے نیاز رہے..........	۱۵۴
علم اپنے لئے سیکھو...	۱۵۵
ضروری نوٹ..	۱۵۶

فہرست رسالہ ''مکتب کی اہمیت''

مکتب کی اہمیت	۱۵۸
مولانا محمد الیاس صاحب کے نزدیک مکتب کی اہمیت	۱۵۸
علامہ اقبال کا فرمان: ''مکتبوں اور مدرسوں کو رہنے دو''	۱۵۹
عرض مرتب	۱۶۱
بچے کے لئے سب سے پہلا مکتب والدین ہیں	۱۶۱
اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی	۱۶۴
معلم کو نابالغ کے مال سے اجرت دینا جائز ہے	۱۶۴
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں قرآن یاد کرنا	۱۶۴
مدینہ منورہ میں صفہ کے علاوہ مکاتب اور درسگاہیں تھیں	۱۶۶
حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مکان ''دارالقراء'' تھا	۱۶۶
چالیس صدیقین کا ثواب	۱۶۶
مکتب کے بچے ہمارے بعد مرجع ہوں گے	۱۶۷
بچوں کی آواز سے قرآن سن کر کیف وسرور حاصل ہونا	۱۶۷
محدث اسماعیل بن رجاء رحمہ اللہ مکتب کے بچوں کو جمع کر کے حدیث سنانا......	۱۶۷
اسلاف کا بیماری میں مکتب کے بچوں سے دعا کرانا	۱۶۷
بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اللہ تعالی کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے	۱۶۷
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معلموں کے لئے ماہانہ تنخواہ مقرر کرنا	۱۶۸
حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما معلمین وغیرہ کو تنخواہ دیتے تھے........	۱۶۸

بچوں کی تعلیم کے لئے معلم ضروری ہے	۱۶۸
سماع اور اداء حدیث کے لئے عمر کی شرط	۱۶۹
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بلوغت سے پہلے حدیث یاد کرنا	۱۶۹
حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ کا پانچ سال میں حدیث یاد کرنا	۱۷۰
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بچپن میں کمال علم	۱۷۰
سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم کرنا	۱۷۱
بچوں کا روزہ	۱۷۲
بچوں کا حج	۱۷۳
بچوں کے بستر الگ الگ کردو	۱۷۴
''کُونُوا رَبّٰنِیّٖنَ'' کے مصداق مکتب کے اساتذہ ہوسکتے ہیں	۱۷۵
بچپن سے تربیت کے متعلق قرآن کریم کی چند مثالیں	۱۷۶
حضرت یحیی علیہ الصلوۃ والسلام کو بچپن میں دانائی عطا فرمانا	۱۷۶

فہرست رسالہ ''مستحب پر دوام کا حکم''

فقہاء نے مستحب اور مندوب پر اصرار کو منع فرمایا ہے..................	۱۷۸
جو جائز چیز ناجائز تک پہنچا دے وہ بھی ناجائز ہوجاتی ہے..................	۱۷۹
مباح کو سنت سمجھنا مکروہ ہے..................	۱۷۹
مصالح پر مفسدات غالب آجائیں تو ان پر حرمت کا حکم عائد ہوگا..................	۱۸۰
جو چیز شر تک پہنچائے وہ بھی شر ہے..................	۱۸۰
حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کا واجب کے خوف سے منقول اعمال کو کبھی کبھی ترک کرنا..................	۱۸۱
حضرت حسن رحمہ اللہ کا اجتماعی تلاوت اور درود پڑھنے پر نکیر..................	۱۸۱
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر میں اتمام فرمانا	۱۸۲
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتلام والے کپڑے میں صرف دھبوں کو دھونا..................	۱۸۲
حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قربانی نہ فرمانا..................	۱۸۴
حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا قربانی کو لازم نہ سمجھنے کو محبوب فرمانا..................	۱۸۴
حضرت ابو مسعود عقبہ رضی اللہ عنہ کا قربانی ترک کرنے کا ارادہ فرمانا..................	۱۸۵
آپ ﷺ کا مشقت کے خوف ہر وضو کے لئے مسواک کا حکم نہ فرمانا..................	۱۸۶
آپ ﷺ کا مشقت کے خوف سے عشاء کی نماز تاخیر ادا نہ فرمانا..................	۱۸۶
فرض کے خوف سے آپ ﷺ کا تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ فرمانا..................	۱۸۷
شب برأت میں قبرستان جانا..................	۱۸۸
فرض نماز کے دعا مستحب ہے، اس کو لازم سمجھ کر دوام درست نہیں..................	۱۸۹

فہرست رسالہ ''قبلہ سے انحراف''

سمت قبلہ درست ہونی چاہئے یا انحراف کی گنجائش ہے؟..........	۱۹۳
جدید تعمیر میں قبلہ کا انحراف درست نہیں..........	۱۹۳
اکابر کے فتاوی..........	۱۹۴
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتاوی..........	۱۹۴
مسجد قبلہ سے منحرف ہو تو صفیں قبلہ رخ بنائی جائیں..........	۱۹۴
قصداً نو دس درجے کا انحراف بھی نہیں رکھنا چاہئے..........	۱۹۴
۲۷/درجہ انحراف پر بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے..........	۱۹۵
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی..........	۱۹۵
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاوی..........	۱۹۶
۴۵/درجہ انحراف کو بھی صحیح کر لینا ضروری ہے..........	۱۹۶
حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاوی..........	۱۹۶
جان کر قبلہ سے منحرف تعمیر ہرگز نہ کی جائے..........	۱۹۶
۱۸/درجہ انحراف سے بھی بچنا چاہئے..........	۱۹۷
حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہم کا فتوی..........	۱۹۸
نئی مساجد کو صحیح جہت میں تعمیر کرنا چاہئے..........	۱۹۸
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتوی..........	۱۹۹
۲۵/ڈگری یا اس سے زیادہ انحراف ہو تو نماز نہیں ہوگی..........	۱۹۹
حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کا فتوی..........	۱۹۹

مسجد،مصلے کے قبلہ کا رخ بالکل صحیح اور درست ہو........................	۱۹۹
حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کے فتاوی........................	۱۹۹
مسجد کی تعمیر میں لاکھوں کا خرچ مگر قبلہ کی تعیین میں غفلت........................	۲۰۰
ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ........................	۲۰۱
لاؤڈ اسپیکر میں نماز کا مسئلہ........................	۲۰۲
کان میں دوا ڈالنے پر روزہ کا مسئلہ........................	۲۰۳
عبادات میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا واجب ہے........................	۲۰۵
احتیاط پر عمل کی احادیث........................	۲۰۷
صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں........................	۲۰۸
انحراف قلیل بھی حضرات شوافع کے نزدیک جائز نہیں........................	۲۰۹
دوسرے مسلک کے مقتدیوں کی رعایت........................	۲۰۹
نجاست کو باقی رکھتے ہوئے نماز مکروہ ہے........................	۲۱۰
کعبہ کو دیکھ سکتا ہو تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے........................	۲۱۰
دوربین سے رویت ہلال کا مسئلہ........................	۲۱۲
فقہاء کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟........................	۲۱۳
سمت قبلہ کو متعین کرنے کے لئے اسلاف کی سنت........................	۲۱۴
قبلہ کی جہت کو متعین کرنے کے لئے آلات جدیدہ کا استعمال........................	۲۱۵
خاتمہ........................	۲۱۹
دارالافتاء علامہ بنوری ٹاؤن کے فتاوی........................	۲۱۹
مسجد کی نئی تعمیر کے وقت قبلہ سے انحراف کی اجازت نہیں........................	۲۱۹

قبلہ منحرف ہو تو صفیں سیدھی بچھا دی جائیں	۲۲۰
قبلہ منحرف ہو تو صفیں عین قبلہ کے مطابق بچھانا ضروری ہے	۲۲۰
بعض اہل علم کا خدشہ اور اس کا جواب	۲۲۱
سمت قبلہ کے قائل کا عمل اپنے گھر میں قابل تعجب	۲۲۱
عین قبلہ کے قائلین	۲۲۲
امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے	۲۲۳
تائید از: حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب مدظلہ	۲۲۵
مظاہر علوم سارنپور کا فتوی	۲۲۶
تائید وتصدیق از: حضرت مولانا عتیق احمد بستوی دامت برکاتہم	۲۲۷
مجلس الافتاء والبحوث یورپ: کا فتوی	۲۳۰

فہرست رسالہ: ''اذان واقامت کے چند مسائل اور طریقہ''

اذان کے چند ضروری مسائل..........	۲۳۴
بلند جگہ پر اذان دی جائے..........	۲۳۴
کھڑے ہو کر اذان کہی جائے..........	۲۳۵
مسافر سواری پر بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے..........	۲۳۵
قبلہ کی طرف منہ کر کے اذان دی جائے..........	۲۳۵
اذان باوضو دی جائے..........	۲۳۶
اذان بلند آواز سے دی جائے..........	۲۳۶
اذان کہتے ہوئے کانوں کے سوراخ کو شہادت کی انگلیوں سے بند کیا جائے..	۲۳۷
اذان سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں..........	۲۳۹
بہتر ہے کہ اذان اچھی آواز سے دی جائے..........	۲۳۹
اذان کے کلمات کو آخر میں ساکن پڑھا جائے..........	۲۴۰
اذان کے دو کلموں کے درمیان سکتہ کیا جائے..........	۲۴۱
اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کئے جائیں..........	۲۴۱
اذان کے کلمات جس طرح منقول ہیں، اسی ترتیب سے ادا کئے جائیں......	۲۴۱
اذان کے درمیان میں کوئی اور کام نہ کرے..........	۲۴۱
اذان کے درمیان چلنا خلاف سنت ہے..........	۲۴۱
اذان کے درمیان کسی سے بات نہ کرے..........	۲۴۲
حیعلتین کے وقت چہرہ دائیں، بائیں گھمایا جائے..........	۲۴۳

گانے کی طرز پر اذان نہ دی جائے....................	٢٤٣
کلمات اذان کھینچ کر ادا کرنے کا مسئلہ....................	٢٤٤
اذان کا مسنون طریقہ....................	٢٤٨
اقامت کے چند ضروری اور اہم مسائل....................	٢٥٠
اقامت مسجد میں دی جائے....................	٢٥٠
مؤذن خود اقامت کہے....................	٢٥١
کھڑے ہوکر اقامت کہی جائے....................	٢٥١
اقامت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں....................	٢٥١
اقامت باوضو کہی جائے....................	٢٥١
اقامت قبلہ رو ہوکر کہی جائے....................	٢٥٢
اقامت میں حیعلتین پر چہرہ پھیرنا مسنون نہیں، جائز ہے....................	٢٥٢
اقامت کے کلمہ پر اعراب ظاہر کرنا خلاف سنت ہے....................	٢٥٣
اقامت کے دو کلموں کے درمیان سکتہ سے فصل کیا نہ جائے....................	٢٥٤
اقامت کے کلمات جلدی جلدی کہے جائیں، اذان کی طرح ٹھہر ٹھہر کر نہ ہو....	٢٥٤
اقامت کے کلمات جس طرح منقول ہیں، اسی ترتیب سے ادا کئے جائیں....	٢٥٤
اقامت کے درمیان میں کوئی اور کام نہ کرے....................	٢٥٤
اقامت کے درمیان چلنا خلاف سنت ہے....................	٢٥٥
اقامت کے درمیان کسی سے بات نہ کرے....................	٢٥٥
اقامت کا مسنون طریقہ....................	٢٥٦

جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور پہلے چار پڑھیں یا دو؟

جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور پہلے چار پڑھیں یا دو؟	۲۵۸

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت کی روایت اور اس کی وضاحت‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت کی روایت اور اس کی وضاحت..........................	۲۶۸

’’آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے‘‘

آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے..........................	۲۷۲

فہرست رسالہ: ’’دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟‘‘

دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟..........................	۲۷۷
ایک رائے: دعاء خطبہ کے بعد کی جائے..........................	۲۷۷
دوسری رائے: نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں کی گنجائش ہے..........................	۲۷۹
تیسری رائے: دعاء نماز کے بعد کی جائے..........................	۲۸۱
چوتھی رائے: دونوں موقعوں کے بعد دعا کو مسنون نہ سمجھا جائے..........................	۲۸۷
پانچویں رائے: نماز و خطبہ دونوں کے بعد دعا نہیں کرنی چاہئے..........................	۲۸۷
فتوی کا خلاصہ..........................	۲۹۰

فہرست رسالہ ’’مسافر کے اتمام کا حکم‘‘

مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟....................	۲۹۳
مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟....................	۲۹۳
نماز ابتداء میں دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، وہی سفر میں برقرار رکھی گئیں........	۲۹۶
اللہ تعالی نے حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں............	۲۹۷
آپ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سفر میں قصر کرتے تھے............	۲۹۸
آپ ﷺ سفر میں قصر کرتے اور دو رکعت پر زیادتی نہیں فرماتے............	۲۹۹
قصر اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، اس کو قبول کرو....................	۳۰۱
سفر کی دو رکعتیں آسمان سے اتری ہیں، چاہو تو ان کو رد کردو....................	۳۰۲
سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جس نے اس سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا.....	۳۰۲
قصر کی جگہ اتمام کرنے والے گمراہ ہوجائیں گے....................	۳۰۲
اتمام کرنے والے، اللہ ان کا برا کرے، اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے............	۳۰۳
جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے....................	۳۰۴
جو سفر میں چار رکعتیں پڑھے وہ ایسے ہیں جیسے حضر میں دو رکعت پڑھے.......	۳۰۴
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں چار رکعتوں سے کیا کام.........	۲۰۵
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دو رکعتیں پڑھتے تھے....................	۳۰۶
حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سفر میں قصر کرتے تھے....................	۳۰۶

فہرست رسالہ: ''جنازہ میں کثرت کیا حق کی دلیل ہے؟''

پیش لفظ..	۳۰۸
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنی موت کی کسی کو اطلاع نہ کرنے کا حکم........	۳۱۰
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا لوگوں کی مشغولی کے وقت مردے کو دفن کرنا.....	۳۱۰
حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کی وصیت کہ: مجھے چپکے سے دفن کر دینا.......	۳۱۰
عمرو بن میمون رحمہ اللہ کے حکم کے باوجود جنازے کی اطلاع نہ دینا........	۳۱۱
ابو وائل رضی اللہ عنہ کی وصیت کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا..........	۳۱۱
ابو میسرہ اور علقمہ رضی اللہ عنہما کی موت کی اطلاع نہ کرنے کی وصیت..........	۳۱۲
حضرت علقمہ رحمہ اللہ کی وصیت کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا.........	۳۱۲
جب جنازے میں چار افراد ہو جائیں تو کسی کو جنازہ کی اطلاع مت دینا......	۳۱۲
حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کا اپنی موت کی اطلاع نہ کرنے کی وصیت کرنا....	۳۱۳
سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کا ارشاد کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا........	۳۱۳
حضرت مطرف رحمہ اللہ کا ارشاد کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا........	۳۱۳
میرے جنازے کی اطلاع میری مسجد والوں کو بھی مت دینا................	۳۱۳
حضرت شریح رحمہ اللہ کا اولاد کو ازدحام کے ڈر سے رات میں دفن فرمانا........	۳۱۴
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب جنازے پر بلائے گئے تو تشریف لے گئے.........	۳۱۴
خاتمہ..	۳۱۵
نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں تعجیل مطلوب ہے..................	۳۱۵
فقہاء کی عبارتیں................................	۳۱۵

بڑے مجمع کی امید پر نماز جنازہ کی تاخیر مکروہ ہے	۳۱۶
جنازہ میں کم شریک ہونے والوں کی تعداد کے چند تاریخی واقعات	۳۱۶
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں: ۱۷/ افراد تھے	۳۱۶
حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا جنازہ	۳۱۷
حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا جنازہ کی نماز دو افراد نے ادا کی	۳۱۷
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں مختصر جماعت شریک تھی	۳۱۸
علامہ فقیہ ابوالوفاء خلیل کا جنازہ ۴/۵ آدمیوں نے پڑھا	۳۱۸

''دوسرے محلّہ میں جنازہ کی نماز ہوتو امامت کا مستحق کون ہوگا؟''

دوسرے محلّہ میں جنازہ کی نماز ہوتو امامت کا مستحق کون ہوگا؟	۳۲۱

فہرست رسالہ ''غسل میت کا مسنون طریقہ''

غسل میت کا مسنون طریقہ........................	٣٢٤
غسل میت کے چند ضروری مسائل........................	٣٢٥
موضوع سے متعلق چند احادیث وآثار........................	٣٣٢
مردوں کو امانت دار غسل دیں........................	٣٣٢
غسل دینے والا ہاتھ' پاؤں میں کوئی چیز رکھ لے........................	٣٣٢
زندہ اور مردہ کی ران دیکھنا جائز نہیں........................	٣٣٢
ٹھنڈے پانی سے غسل کی ممانعت .....طاق عدد میں غسل دینا........................	٣٣٣
مشک کا استعمال........................	٣٣٣
میت کے سر میں کنگھی کرنا........................	٣٣٥
غسل دینے والے کے لئے غسل کا حکم........................	٣٣٦
حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال اور غسل........................	٣٣٨
احرام کی حالت میں غسل........................	٣٣٨
میت کے ناک کی گندگی کو بیری اور ریحان سے دھودیں........................	٣٣٩
صحابہ رضی اللہ عنہم بیری کے پتوں والے پانی سے غسل دیتے تھے........................	٣٣٩
آپ ﷺ کو قمیص مبارک میں غسل دیا گیا........................	٣٤٠
بیوی کا اپنے شوہر کو غسل کرانا........................	٣٤٣
مرد کا اپنی بیوی کو غسل کرانا........................	٣٤٤
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غسل سے استدلال کا جواب........................	٣٤٦

فہرست رسالہ ''کفن کا طریقہ اور مسائل''

کفن کا مسنون طریقہ، اور کفن کے ضروری مسائل کیا کیا ہیں؟...............	۳۵۲
مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ...............	۳۵۲
عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ...............	۳۵۳
کفن کی مقدار: گز، فٹ اور انچ کے اعتبار سے...............	۳۵۴
کفن کے چند ضروری مسائل...............	۳۵۵
کفن کا سینا اور ''فتاوی محمودیہ'' کا تفرد...............	۳۶۳
اکابر کے چند فتاوی...............	۳۶۵
کوئی مردہ بلا کفن دفن کردیا جائے تو؟...............	۳۶۵
نجاست سے کفن خراب ہوجائے تو دھونے کا حکم...............	۳۶۵
حالت احرام میں مرنے والے کے لئے کفن کا حکم...............	۳۶۵
اجنبی مرد کا عورت کو کفن پہنانا جائز نہیں...............	۳۶۶
شوہر کا اپنی بیوی کو نہلانا اور کفنانا...............	۳۶۶
کفن پر زمزم کا پانی چھڑکنا...............	۳۶۷
کفن میں کعبہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا رکھنا...............	۳۶۷
زندگی میں کفن خرید کر محفوظ رکھنا...............	۳۶۸
غیر مسلم کی رقم سے کفن کا حکم...............	۳۷۰
مسلمان اور غیر مسلم دونوں کی لاشیں ملیں تو کفن کا حکم...............	۳۷۰
بچہ نے سانس لیا ہو تو اس کو کفن دینا ضروری ہے...............	۳۷۰

موضوع سے متعلق چند احادیث و آثار	۳۷۱
عمدہ اور اچھا کفن پہنائے	۳۷۱
تکفین میں اسراف	۳۷۲
نئے کپڑے کا زندہ' مردہ سے زیادہ مستحق ہے	۳۷۳
سفید کپڑوں میں مردوں کو کفن دو	۳۷۴
میت کو دھونی دو تو تین بار دھونی دو	۳۷۴
آپ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا	۳۷۴
دو کپڑوں میں کفن دینا	۳۷۵
کفن ضرورت اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	۳۷۶
کفن: ایک' تین' پانچ کپڑوں میں سب جائز ہیں	۳۷۷
عورت کا کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ	۳۷۸
اپنے مردوں کے چہروں پر خوشبو لگاؤ	۳۷۸
میت کے سجدوں کی جگہ پر کافور لگائی جائے	۳۷۹
آب زمزم سے کفن کے کپڑے کو تر کرنا	۳۷۹
قائلین عدم جواز کے فتاوی	۳۸۰
قائلین جواز کے فتاوی	۳۸۲

فہرست رسالہ ”جنازہ اور قبر کے چند مسائل“

جنازہ کے ساتھ آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟ اور جنازہ کے آگے صف بنانا........	۳۸۹
جنازہ کے دائیں بائیں چلنے کے جواز کے دلائل........	۳۹۰
جنازہ کے ساتھ آگے چلنے کے جواز کے دلائل........	۳۹۱
جنازہ کے پیچھے چلنے کے جواز کے دلائل........	۳۹۵
جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت کی دلیل........	۳۹۹
قبر صندوقی ہونی چاہئے یا بغلی؟........	۴۰۶
قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟........	۴۱۶
قبر کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے؟........	۴۱۹
قبر کی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟........	۴۲۰
قبر میں میت کو کتنے آدمی اتاریں؟........	۴۲۳
میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ........	۴۲۸
قبر پر پانی ڈالنا........	۴۳۲
قبر پر وضو کا پانی گرانا........	۴۳۷
دفن کے بعد قبر پر کیا پڑھے؟ اور دعا کا حکم؟........	۴۳۸

فہرست رسالہ ’’پوسٹ مارٹم کا حکم‘‘

پوسٹ مارٹم کا حکم	۴۴۱
انسان کے تحفظ کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی گوارہ کی گئی	۴۴۴
پوسٹ مارٹم کے تین مقاصد	۴۴۶
میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا	۴۴۹
موت کے بعد ایذا دینا زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے	۴۴۹
مردوں کے ساتھ آزاد لوگوں کی طرح معاملہ کرنے کا حکم	۴۴۹
جنازہ کی عزت کا حکم ہے تو صاحب جنازہ کی توہین کیسے جائز ہوگی؟	۴۵۰
قبر کی عزت کا حکم ہے تو صاحب قبر کی توہین کیسے جائز ہوگی	۴۵۱
دلیل عقلی	۴۵۵
اضطرار میں حکم بدل جاتا ہے	۴۵۵
پوسٹ مارٹم میں ایک قباحت: تجہیز و تکفین میں تاخیر	۴۵۹
مردہ کو قبر تک جلدی پہنچاؤ	۴۶۰
تین چیزوں میں تاخیر مت کرو	۴۶۱
جنازہ جلدی لے چلو	۴۶۱
میت کو پوسٹ مارٹم کے لئے قبر سے نکالنا	۴۶۳
قبر کو کھودنے کی اجازت کی روایات کی صراحت	۴۶۵
حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال	۴۷۰
حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال	۴۷۰

تکفیر مسلم میں احتیاط کیجئے

اس مختصر رسالہ میں: کسی مسلمان ومؤمن کو کفر وفسق کا طعنہ دینے کی مذمت وممانعت پر قرآن کریم کی آیت، اور آپ ﷺ کے ارشادات اور احادیث میں وارد وعیدیں اور فقہاء کرام کی اس مسئلہ میں احتیاط پر صریح عبارتیں، یزید پر لعنت کا مسئلہ، ایذاء مسلم کی ممانعت، اہل حق کے خلاف الزامات کی ایک جھلک، کفر وایمان کے فتوی کے بارے میں اعتدال کی راہ، مسئلہ تکفیر اہل قبلہ، ''۹۹ ر وجوہ تکفیر کی ہوں تو بھی تکفیر نہ کی جائے'' کا مطلب، ضروریات دین کی تعریف، وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

کسی مسلمان پر کفر یا فسق کی تہمت لگانا بہت بڑا جرم ہی نہیں بہت ممکن ہے کہ کافر کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہو جائے، اسی لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور اس کے متعلق سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

یہ دور فتنوں کا ہے، اپنے فریق مخالف پر لعن طعن کرنے میں کوئی خوف خدا نہ رہا۔ علمی مسئلہ میں اختلاف پر دوسرے موقف کی تردید تو کی جاسکتی ہے، اور دلائل سے اس کا رد بھی ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، مگر اس میں بھی آداب وشرائط کا لحاظ ضروری ہے، شریعت مطہرہ نے ہر چیز کے اصول وآداب سکھائے ہیں۔

ہم اپنی جہالت سے یا ضد سے فریق مخالف کی تردید میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، اور یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی بات کی تاویل کے بجائے کفر تک کے الفاظ (یا قرآن کریم کی اہانت کرنے والے یا اللہ تعالی کی توہین کرنے والے جیسے خطرناک جملے تک) استعمال کر جاتے ہیں، اور اس وقت شریعت مطہرہ کا ذرہ برابر پاس ولحاظ نہیں ہوتا۔

خیال آیا کہ اس موضوع پر قرآن کریم کی آیت مبارکہ اور آپ کے چند ارشادات اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی تعلیمات کو جمع کروں۔

اس مختصر رسالہ میں اسی کے متعلق چند باتیں ذکر کی گئی ہیں، امید کہ اہل علم اسے بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔ اللہ اس کاوش کو ہم سب کے لئے صحیح عمل کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲؍ربیع الآخر ۱۴۴۴ھ مطابق: ۲۸؍اکتوبر ۲۰۲۲ء، جمعہ

اللہ تعالی کا ارشاد: ’’تم مؤمن نہیں ہو‘‘ نہ کہو

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(۱)......﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾۔(سورۂ نساء، آیت نمبر:۹۴، پارہ:۵)

ترجمہ:......اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ: ’’تم مؤمن نہیں ہو‘‘۔

تفسیر:......اس آیت کے شان نزول کے بارے میں چند روایتیں منقول ہیں:

(۱)......قال ابن عباس رضی الله عنهما : كان رجل فی غَنِيْمَةٍ له فلحقه المسلمون فقال : السلام عليكم ، فقتلوه وأخذوا غَنِيْمته ، فأنزل الله فی ذلک ، الخ۔

(بخاری، باب ولا تقولوا لمن القى اليكم السلم لست مؤمنا ، كتاب التفسير ، رقم الحديث: ۴۵۹۱)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک شخص اپنی بکریوں میں جا رہا تھا، اس کو مسلمان ملے تو اس نے کہا: السلام علیکم، تو مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لوٹ لیں، تو اللہ تعالی نے اس کے متعلق اپنا یہ ارشاد نازل فرمایا۔

(۲)......عبد الله بن أبی حدردٍ رضی الله عنه قال : بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اِضَمٍ ، فخرجتُ فی نفرٍ من المسلمين فيهم ابو قتادة الحارث بن رِبعی و مُحلِّم بن جثّامة بن قيس ، فخرجنا حتى اذا كنا ببطن اِضَم مرّ بنا عامر الأشجعی على قَعُودٍ له معه مُتَيِّع و وَطْبٌ من لبن ، فلمّا مرّ بنا سلم علينا ، فأمسَكنا عنه ، وحمل عليه

مُـحلِّـم بن جثّامة فقتله بشيءٍ كان بينه و بينه ‘ وأخذ بعيره و مُتَيِّعَه ‘ فلما قَدِمْنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم واخبرناه الخبر ‘ نزل فينا القرآن ، الخ۔

(مسند احمد ص۳۱۰ ج۳۹، حديث عبد الله بن ابى حدر ، رقم الحديث:۲۳۸۸۱)

ترجمہ:……حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور یمامہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا، اس جماعت میں ابوقتادہ بن ربعی اور محلم بن جثامہ بھی تھے، ہم روانہ ہو گئے حتی کہ جب اضم میں پہنچ گئے تو ہمارے پاس سے عامر اشجعی کا گذر ہوا جو ایک اونٹ پر اپنا سامان رکھے ہوئے جارہا تھا، اور اس کے پاس دودھ کا ایک مشکیزہ بھی تھا، جب وہ ہمارے پاس سے گذرا تو اس نے ہم کو سلام کیا، ہم نے اس کو کچھ نہیں کہا اور محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور اس کا سامان چھین لیا، جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی (جو اوپر مذکور ہوئی)۔

(۳)……انّ نبی الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشا عليهم غالب الليثى الى اهل فَـدَكَ ‘ و به ناسٌ من غَطَفان ‘ وكان مِرْداس منهم ‘ ففرّ أصحابه ‘ فقال مِرْداس : انّى مؤمن و غيرُ مُتَّبِعكم ‘ فصَبَّحَتْه الخيل غُدْوةً ‘ فلمّا لَقوه سلّم عليهم مِرداس ‘ فتلقّاه أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فقتلوه ‘ وأخذوا ما كان معه من متاعٍ ‘ فأنزل الله فى شأنه ، الخ۔

(الدر المنثور فى التفسير بالمأثور ص۶۱۶ ج۴، سورۂ نساء، تحت آیت نمبر ۹۴ ط: قاہرہ)

ترجمہ:……نبی کریم ﷺ نے غالب لیثی کی قیادت میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ

کیا، وہاں قبیلۂ غطفان کے لوگ تھے، مرداس بھی انہیں لوگوں میں تھا، مرداس کے ساتھی بھاگ گئے، مرداس نے کہا: میں مؤمن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا تھا، پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی، ان سے ملاقات ہوئی تو مرداس نے ان کو سلام کیا، نبی کریم ﷺ کے اصحاب اس سے ملے تو اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ص۳۰۳ ج۴۔ تبیان القرآن ص۷۶۵ ج۲)

چند احادیث

مسلمان کو کافر کہنے والے کی طرف کفر لوٹتا ہے

(۱)......عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : أيُّما رجل قال لاخيه : يا كافر فقد باء بها أحدهما۔

(بخاری، باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قال ، كتاب الادب ، رقم الحديث:۶۱۰۴)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی سے کہا: اے کافر! پس بے شک اس کفر کے ساتھ دو میں سے ایک لوٹے گا۔

تشریح:......اگر کسی مسلمان کو اس کے غلط عقیدے کی وجہ سے کافر کہا اور وہ عقیدہ واقعی کفریہ عقیدہ ہو تو وہ کافر ہے، اگر وہ کفریہ عقیدہ نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف کفر لوٹے گا۔

(۲)......عن ابی ذر : انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول : لا یَرْمی رجلٌ رجلا بالفسوق ، ولا یرمیه بالکفر الا ارتَدّت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک۔

(بخاری، باب ما يُنهى عنه من السّباب واللعن ، كتاب الادب ، رقم الحديث:۶۰۴۵)

ترجمہ:......حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو مرد بھی کسی دوسرے مرد پر فسق یا کفر کی تہمت لگائے گا تو اگر وہ اس تہمت کا مصداق نہیں ہے تو وہ فسق یا کفر تہمت لگانے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

مؤمن پر کفر کی تہمت لگانا قتل کرنے کی مثل ہے

(۳)......عن ثابت بن الضحّاک عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : من حلف

بمِلّة غير الاسلام كاذبا فهو كما قال ، ومن قتل نفسه بشيءٍ عُذِّب به في نار جهنم ، و لعنُ المؤمن كقتله ، ومن رمى مؤمنا بكفرٍ فهو كقتله۔

(بخاری ، باب من كفّر اخاه بغير تأويل فهو كما قال ، كتاب الادب ، رقم الحديث:۶۱۰۵)

ترجمہ:......حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے غیر ملت اسلام کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اس قول کا مصداق ہوگا، اور جس نے کسی چیز سے اپنے آپ کو قتل کیا تو اس کو اسی چیز کے ساتھ دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، اور مؤمن کو لعنت بھیجنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے، اور جس نے کسی مؤمن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔

(۴)......عن عمران بن حصين عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : اذا قال الرجل لاخيه : يا كافر ' فهو كقتله ، ولعن المؤمن كقتله۔

(طبرانی کبیر ص۱۹۴ ج۱۸، ابو قلابة عن عمه ابى المهلب عن عمران ، الخ ، رقم الحديث:۴۶۳)

ترجمہ:......حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا :جب کوئی آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کو کہے: اے کافر! یہ اس کے قتل کے مترادف ہے، اور مؤمن پر لعنت بھیجنا بھی اس کے قتل کی طرح ہے۔

لعنت: لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے

(۵)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان العبد اذا لعن شيئا صَعَدَتِ اللّعنة الى السماء فتُغْلَقُ ابواب السّماء دونها ، ثمّ تُهْبَطُ الى الارض فتُغلق ابوابُها دونها ، ثمّ تأخذ يمينا و شمالا فاذا لم تجد مساغاً رجعتُ الى الّذى لُعِن ' فان كان لذلك اهلا وإلّا رجعت الى قائلها۔(ابوداوٗد، باب في اللعن ، كتاب الادب ، رقم الحديث:۴۹۰۵)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے، اس کے جاتے ہی آسمان کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، پھر وہ لعنت زمین کی طرف اترتی ہے، اس کے اترتے ہی زمین کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، پھر وہ دائیں بائیں گھومتی ہے اس کو جب کوئی ٹھکانا نہیں ملتا تو پھر اس شخص کی طرف جاتی ہے کہ جس پر لعنت کی گئی تھی، اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت کرنے والے کی طرف واپس لوٹ جاتی ہے۔

تشریح:......کسی پر کفر کا فتوی لگانا جبکہ وہ کافر نہ ہو تو کفر کا فتوی' کفر کا فتوی لگانے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

لعنت کرنے والے پر لعنت واجب ہوجاتی ہے

(۶)......عن حذیفة رضی الله عنه قال : ما تلاعَنَ قومٌ قطُّ اِلّا حَقَّ علیهم اللّعنة۔

ترجمہ:......حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جولوگ آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، لعنت ان کے لئے واجب ہوجاتی ہے۔

(الادب المفرد ، باب اللعان ، رقم الحدیث:۳۱۸)

تشریح:......اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت' خود لعنت کرنے والے کے لئے واجب ہوجاتی ہے۔اسی طرح جس پر کفر کا فتوی لگایا گیا ہے اگر وہ کافر نہیں تو ڈر ہے کہ کفر کا فتوی لگانے والا کہیں اس وعید میں شامل نہ ہوجائے، اللهم احفظنا منه۔

بلا قصد کفر کا جملہ نکل جائے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا

بلا قصد واختیار کفر کا کوئی جملہ زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا۔فقہاء نے لکھا ہے کہ: جو آدمی کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کرے اور وہ اسے اعتقاد سے کفر کا کلمہ جانتا

بھی ہو تب تو کہنے والا کافر ہو جائے گا، اور اگر کفر کا اعتقاد نہ ہو مگر اپنے اختیار سے کہے تو بھی عام علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ اپنے اختیار سے غلط لفظ ادا کیا ہے۔

البتہ کسی جاہل نے کفریہ کلمہ کہا اور اس کو اس کا کفریہ کلمہ ہونا معلوم ہی نہیں تو وہ کافر نہ ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک قلبی اعتقاد کے ساتھ کلمۂ کفر ادا نہ کرے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی جملہ کہنا چاہتا تھا، مگر زبان سے نکل گیا کچھ اور تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

’’ومن أتی بلفظة الكفر مع علمه أنها لفظة الكفر عن اعتقاده فقد كفر ، ولو لم يعتقد أو لم يعلم أنها لفظة الكفر ، ولكن أتی بها علی اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجهل ، وفی الخانية : وقال بعضهم : الجاهل اذا تكلم بكفر ولم يدر أنه كفر لا يكون كفرا و يعذر بالجهل ، وفی الينابيع : قال ابو حنيفة رضی الله عنه : لا يكون الكفر كفرا حتی يعقتد عليه القلب‘‘۔

’’و ان لم يكن قاصدا فی ذلک بأن أراد ان يتلفظ بلفظ آخر فجری علی لسانه لفظ الكفر من غير قصد و ذلک نحو أن أراد ان يقول : لا اله الا الله ، فجری علی لسانه :’’ ان مع الله الهة اخری ‘‘ او أراد ان يقول : بحق اینکہ تو خدائی وما بندگان تو ، فجری علی لسانه العكس لا يكفر ، وفی الاجناس عن محمد رحمه الله نصا : أن من أراد أن يقول : أكلت ، فقال كفرت ، انه لا يكفر ، قالوا : وهذا محمول علی ما بينه و بين الله تعالی ، فاما القاضی لا يصدقه ‘‘۔

(تاتارخانیہ ص۲۸۲ ج۷، الفصل الاول اجراء كلمة الكفر مع علمه انها كلمة الكفر الخ ، كتاب احكام المرتدين ، رقم :۱۰۴۸۸/۱۰۴۸۹)

’’وفی الفاظ تکلم بها خطأ نحو ان أراد ان یقول : لا اله الا الله ، فجری علی لسانه بلا قصد :’’ ان مع الله الها آخر ‘‘ لا یکفر فیه قطعا ‘ لکن یؤمر بالاستغفار والرجوع ‘‘۔(هدایة المهدیین ص۱۳، طبع: استنبول۔ آپ کے مسائل اوران کا حل ص۵۹ ج۲)

اور حدیث شریف میں ہے:

(۷)......قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : للّٰه أشدّ فرَحا بتوبة عبده حین یتوبُ الیه ‘ مِن أحدکم کان علی راحِلته بأرض فَلاةٍ ‘ فانفلتَتْ منه ‘ وعلیها طعامُه و شرابُه ‘ فأیِس منها ‘ فأتی شجرةً فاضطَجع فی ظِلّها ‘ قد أیِس من راحِلته ‘ فبینا هو کذلک اِذْ هُو بها قائمة عنده ‘ فأخذ بخِطامِها ثم قال من شِدّة الفرَح : اللّٰهم أنت عبدی وأنا ربُّک ، أخطأ مِن شِدّة الفرح۔

(مسلم، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها ، کتاب التوبة ، رقم الحدیث:۲۷۴۷)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی کا کوئی بندہ اللہ تعالی سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی کو اس پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جب تم میں سے کوئی شخص جنگل کی زمین میں اپنی سواری پر جائے اور سواری اس سے گم ہوجائے جس پر اس کے کھانے اور پینے کی چیزیں ہوں وہ اس سے مایوس ہوکر ایک درخت کے پاس آئے اور اس کے سائے میں لیٹ جائے ،جس وقت وہ سواری سے مایوس ہوکر لیٹا ہوا ہو اچانک وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہو وہ اس کی مہار پکڑ لے پھر خوشی کی شدت سے یہ کہے:’’اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں‘‘یعنی شدت مسرت کی وجہ سے الفاظ میں غلطی کرجائے۔

تلوار کی زد میں کلمہ پڑھنے کے باوجود آپ ﷺ کا تعجب فرمانا

(۸)......اِنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث بعثا من المسلمین الی قوم من

المشركين ' وانّهم التقوا فكان رجل من المشركين اذا شاء أن يَقْصِد الى رجل من المسلمين قصد له فقتله ' وإنّ رجلا من المسلمين قصد غَفْلَتَه قال : وكنّا نُحدِّث انّه أُسامة بن زيد ، فلمّا رفع اليه السّيف قال : لا اله الا الله ' فقتله ' فجاء البشير الى النبى صلى الله عليه وسلم فسأله فأخْبَره حتّى أخبره خبَر الرجل كيف صنع ' فدعاه فسأله ' فقال : لِمَ قَتَلْته ؟ قال : يا رسول الله ! أوْجَع فى المسليمن وقتل فلانا وفُلانا ' وسمّى له نفرا ' وانِّى حمَلْتُ عليه فلمّا رأى السّيف قال : لا اله الا الله ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أقَتَلْته ؟ قال : نعم ، قال : فكيف تَصْنع بلا اله الا الله اذا جاءَ تْ يومَ القيامة ؟ قال : يا رسول الله ! استغفرلى ، قال : وكيف تصنع بلا اله الا الله اذا جاء ت يوم القيامة ؟ فقال فجعل لا يزيدُه على أن يقول : كيف تَصْنع بلا اله الا الله اذا جاءَ تْ يومَ القيامة ؟۔

(مسلم، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله : لا اله الا الله ، كتاب الايمان ، رقم الحديث:۹۷)

ترجمہ:.......رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر مشرکین کی طرف (جہاد کے لئے) بھیجا، دونوں کا آپس میں مقابلہ ہوا، مشرکین میں ایک شخص اتنا دلیر تھا کہ جس مسلمان کو مارنا چاہتا تھا مار ڈالتا، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں تھے جس وقت وہ ان کی تلوار کی زد میں آ گیا اس نے کہا: لا الہ الا اللہ، لیکن اس کے باوجود حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری پہنچی تو بتانے والے نے اس شخص کے قتل کئے جانے کا واقعہ بھی بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت فرمایا: تم نے اس کو کیوں قتل کیا؟ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور چند صحابہؓ

کرام (رضی اللہ عنہم) کا نام لے کر بتلایا کہ فلاں فلاں کو شہید کیا تھا، میں نے اس پر حملہ کیا لیکن جب اس نے تلوار دیکھی تو فوراً کہا: لا الــه الا الله، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کو قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ''لا الــه الا الــلــه '' کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! میرے لئے استغفار فرما دیجئے ! آپ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کے دن ''لا الـه الا الله '' کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ رسول اللہ ﷺ بار بار یہ کلمات دہراتے رہے کہ: جب قیامت کے دن'' لا اله الا الله'' کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟۔

تشریح:.......اسی باب کی دوسری روایت میں ہے کہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا؟ ''حتی تمنیتُ انّی لم اکن اسلمت قبل ذلک الیوم ''۔

بہت غور کا مقام ہے اس مشرک نے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا، اور تلوار کے زد میں آکر کلمہ پڑھا پھر بھی آپ ﷺ نے کس طرح تعجب کا جملہ ارشاد فرمایا۔ اس واقعہ سے کفر کا فتوی لگانے والوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔

فقہاء کی عبارتیں

(۱)......الأصل أن لا يكفر أحد بلفظ محتمل ' لان الكفر نهاية فى العقوبة ' فيستدعى نهاية فى الجناية ' و مع الاحتمال لا نهاية۔

(تاتارخانیہ ص۲۸۲ ج۷، الفصل الاول اجراء كلمة الكفر مع علمه انها كلمة الكفر الخ ، كتاب احكام المرتدين ، رقم :۱۰۴۹۰)

(۲)......يجب أن يعلم أنه اذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير ' فعلى المفتى أن يميل الى الذى يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم۔

(تاتارخانیہ ص۲۸۱ ج۷، الفصل الاول اجراء كلمة الكفر مع علمه انها كلمة الكفر الخ ، كتاب احكام المرتدين ، رقم :۱۰۴۸۷)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی ''باب المرتد ''میں ''قال فى البحر وقد الزمت نفسى ان لا افتى بشيئى منها '' کے تحت بہت تفصیل سے احتیاط فی التکفیر کی از حد تاکید کی ہے، اور بہت سی کتب کی عبارات نقل کی ہیں ،لہذا کسی پر کفر کا فتوی لگانے میں احتیاط ضروری ہے۔تکفیر مسلم انتہائی نازک معاملہ ہے،مکمل احتیاط اور حتی الامکان تکفیر سے اجتناب اسلاف کا معمول ہے۔

(شامی ص۳۵۸ ج۶، مطلب : ما يشک انه ردة لا يحكم بها ، باب المرتد ،كتاب الجهاد)

(۳)......وفى الفتاوى الصغرى : الكفر شيئى عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية انه لا يكفر . ا ه ، وفى الخلاصة وغيرها : اذا كان فى المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه ' فعلى المفتى أن يميل الى الوجه الذى يمنع

التكفير تحسينا للظن بالمسلم ، زاد فى البزازية : الا اذا صرح بارادة موجب الكفر فعد ينفعه التأويل ح ،..... والذى تحرر أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على مجمع حسن ' أو كان فى كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة ' فعلى هذا فأكثر الفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير فيها ' ولقد ألزمت نفسى أن لا أفتى بشىء منها ، اه ـ

(شامی ص۳۵۸ ج۶، مطلب : ما يشك انه ردة لا يحكم بها ، باب المرتد ، كتاب الجهاد)

(۴)......(لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان فى كفره خلاف ولو) كان ذلك (رواية ضعيفة) ، وفى الشامية : وقد سئل فى "الخيرية "عمن قال له الحاكم أرض بالشرع ؟ فقال : لا أقبل ، فأفتى مفت بأنه كفر وبانت زوجته فهل يثبت كفره بذلك ؟ فأجاب : بأنه لا ينبغى للعالم أن يبادر بتكفير أهل الاسلام ـ

(شامی ص۳۶۷ ج۶، مطلب : فى حكم من شتم دين مسلم ، باب المرتد ، كتاب الجهاد)

(۵)......اذا قال القائل لصاحبه : يا كافر مثلا ' فان صدق رجع اليه كلمة الكفر الصادر منه ......معناه فقد رجع اليه تكفيره وليس الراجع حقيقة الكفر ' بل التكفير لكونه جعل أخاه المؤمن كافرا ' فكأنه كفر نفسه ' أما لانه كفر من هو مثله وأما لانه كفر من لا يكفره الا كافر يعتقد بطلان دين الاسلام ـ

(مرقاة شرح مشکوۃ ص۱۳۷ ج۹، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم ، الفصل الاول)

(۶)......ونقل صاحب المضمرات عن الذخيرة : ان فى المسئلة اذا كان وجوه توجب التكفير ، و وجه واحد يمنعه ، فعلى المفتى ان يميل الى الذى يمنع التكفير

تحسينا للظن بالمسلم ، ثم ان كان فيه نية القائل و الوجه الذى يمنع التكفير فهو مسلم ' وان كان نية الوجه الذى يوجب التكفير لا ينفعه فتوى المفتى ، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه وبين امرأته۔ (شرح فقہ اکبر ص۲۹۲)

(۷)......سوال: ......فى رجل تشاجر مع آخر فقال احدهما يا يهودى يا كافر يا ملعون ولعن الله والديه بين جماعة من المسلمين فماذا يترتب عليه بحكم الله تعالى ؟ افتونا۔

الجواب: ......هذا المسبوب يرفع السباب لحاكم الشريعة المطهرة ويعزره اشد التعزير ليرتدع امثاله من القول القبيح اذ لا يجوز اكفار المسلم بغير خروجه من الباب الذى دخل منه ويؤجر الحاكم على ذلك ، والله تعالى اعلم۔

(فتاوی اسعدیہ ص۱۵۹ ج۱)

(۸)......من قذف مسلما بيا فاسق وهو ليس بفاسق أو يا ابن فاسق يا كافر يا يهودى، يا نصرانى أو يا ابن النصرانى..... عزر۔

(عالمگیری ص۱۶۸ ج۲ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت: ص۱۸۶ ج۲)، فصل فى التعذير ، باب فى حد القذف والتعزير، كتاب الحدود)

(۹)......وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع و تسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد فى نفيه فالاولى للمفتى والقاضى أن يعمل بالاحتمال الثانى۔

(شرح فقه الاكبر لابى المنتهى ص۱۹۹۔ فتاوی رحیمیہ ص۶ ج۱)

یزید کو برا بھلا کہنے کا حکم

علماء نے تو یزید پر لعنت کرنے کو بھی پسندیدہ نہیں فرمایا، جس کے فسق میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں، پھر کسی عالم کو یا مؤمن کو فسق یا کفر کا طعنہ دینا کس قدر معیوب ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ میرے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے دو فتاوی نقل کرتا ہوں:

س:……زید کا قول ہے کہ: یزید نے جو سلوک کربلا میں اہل بیت رسول ﷺ کے ساتھ کیا ہے اس فعل سے یزید قصوروار نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ پورا مسلمان تھا، بلکہ یزید کو برا بولنے والا مسلمان نہیں۔ بکر کا قول ہے کہ یزید نے جو سلوک کربلا میں اہل بیت رسول ﷺ کے ساتھ کیا، اس فعل سے یزید فاسق، فاجر، ظالم، دوزخی ہے، اگر ان دونوں میں سے ایک حق پر ہے تو کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج:……حامدا ومصلیا، الجواب وباللہ التوفیق: اہل سنت والجماعت کے نزدیک راجح وقوی یہی ہے کہ یزید کافر نہیں، اور نہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے، اگر چہ اس کے جور وظلم و تعدی وفسق میں کسی مسلمان کو کلام نہیں، لیکن یہ امور موجب کفر وارتداد نہیں۔ ''شرح فقہ اکبر'' میں ہے: وانما اختلفوا فی یزید ابن معاویة حتی ذکر فی الخلاصة وغیرہ: انه لا ینبغی اللعن علیه ولا علی الیزید ' وحقیقة الأمر التوقف فیه ' ومرجع امرہ الی الله سبحانه وتعالی۔ (فقہ اکبر ص ۸۷)

خلاصہ یہ ہے کہ یزید کو برا بھلا کہنا کوئی مفید اور بہتر مشغلہ نہیں۔ ان معاملات کو خدا کے حوالے کر کے چپ رہنے میں دین کی سلامتی ہے۔ میرے نزدیک زید وبکر ہر دو فضول ولا یعنی مشغلے میں لگے ہوئے ہیں، اگر یزید برا تھا تو اب اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ آپ

سے، ہم سے اس کی پوچھ نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے: من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ۔ ۱؎ آدمی کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ بیکار اور لغو باتیں چھوڑ دے۔ اور نماز ہر ایک کے پیچھے جائز ہے۔

یزید و دیگر خلفائے اسلام کے کفر و اسلام کے متعلق

س:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں دربارۂ تکفیر و اسلام یزید بن معاویہ اور ان کے متبعین کے جو اپنے ڈھائی برس کی زندگی تک تخت خلافت پر مسلط رہے اور اسی کے زمانۂ خلافت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مع اپنے متعلقین کے کربلا میں شہید کئے گئے۔ بہ ثبوت کتب معتبرہ احناف کے جواب استفتاء ارقام فرما کر ماجور ہوں۔

ج:...... حامدا ومصليا ، الجواب وبالله التوفيق: وهو ما اخرجاه فی الصحیحین عن جابر بن سمرة : دخلت مع ابی علی النبی صلی الله علیه وسلم فسمعته یقول : لا یزال أمر الناس ماضیا ما ولّهم اثنا عشر رجلا کلهم من قریش۔ ۲؎

وفی لفظ : لا یزال الامر امر عزیزا الی اثنا عشر خلیفة۔

۱؎...... عن أبی هریرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه۔ (ابن ماجہ ص۲۹۵، باب کف اللسان فی الفتنة ، ابواب الفتن ، رقم الحدیث:۳۹۷۶)

۲؎...... عن جابر بن سمرة قال : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش ، وفی روایة : لا یزال امر الناس ماضیا ما ولّهم اثنا عشر رجلا کلهم من قریش ، وفی روایة : لایزال الدین قائما حتی تقوم الساعة او یکون علیهم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش، متفق علیه۔

(مشکوۃ ص۵۵۰، باب مناقب قریش وذکر القبائل۔ بخاری، باب ، کتاب الاحکام ، رقم الحدیث:۷۲۲۲/۷۲۲۳۔ مسلم، باب الناس تبع لقریش ، کتاب الامارة ، رقم الحدیث:۴۸۱۲)

وکان الامر کما قال النبی صلی الله علیه وسلم : فالاثناء عشر هم الخلفاء الراشدون الاربعة ومعاویة وابنه یزید وعبد الملک بن مروان و اولاده الاربعة وبینهم عمر بن عبد العزیز ثم اخذ الامر فی الانحلال۔

(۲)......انما اختلفوا فی لعن یزید بن معاویة ' حتی ذکر فی الخلاصة وغیره : انه لا ینبغی اللعن علی الیزید ولا علی الحجاج لان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن لعن المسلمین ومن کان من اهل القبلة ، وقد قال حجة الاسلام فی الاحیاء : فان قیل بل یجوز لعن یزید لکونه قاتل الحسین أو امر به ، قلنا هذا مما لم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انه قتله أو أمر به فضلا عن لعنه ، ولان الامر بقتل الحسین لا یوجب الکفر ، فان قتل غیر الانبیاء کبیرة عند اهل السنة والجماعة الا ان یکون مستحلا ، هذه کلها ملتقط من شرح فقه الاکبر ۔(ص۸۴) [1]

(۳)......ولا یخفی ان ایمان یزید محقق ولا یثبت کفره بدلیل ظنی۔

(شرح فقه الاکبر ص۸۸)

مذکورہ بالا صحیحین کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: مسلمانوں میں خلافت وامامت بہتر اور عمدہ طریق پر غلبہ وشوکت کے ساتھ قریش کے بارہ ولاۃ اور امیر وبادشاہ کے زمانہ تک رہے گی ،اس کے بعد انحطاط واضمحلال وضعف شروع ہوجائے گا ، بارہ قریشیوں میں خلفاء بنی امیہ وخلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان ، حضرت علی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم ،عبد الملک بن مروان اوران کے چار بیٹے یزید، سلیمان ہشام، ولید اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہیں ۔اس میں

[1]......شرح الفقه الاکبر ص۷۲، الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الایمان۔

حضور ﷺ نے خلفائے بنوامیہ کی حکومت وخلافت کی تعریف فرمائی ہے، جس میں یزید و دیگر ائمۂ قریش کی ضمناً تعریف وتوصیف پائی جاتی ہے۔

نمبر۳/کا خلاصہ یہ ہے کہ: یزید مؤمن تھا اور ایمان کے بعد کوئی کفر ثابت نہیں ہوا۔ رہا اس کے زمانہ میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تو، نہ یزید بذات خود حضرت شہید سے لڑا اور نہ حضرت کے قتل کا اس نے حکم واشارہ کیا، اور اگر فرض کرلیا جاوے کہ اس نے بذات خود حضرت کو شہید کیا جب بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا اور بزرگوں کا قتل موجب فسق عظیم ہے، لیکن کفر نہیں۔

یزید کا مقاتلہ یا حکم قتل اہل سنت والجماعت کے نزدیک کبیرہ گناہ ہے، اور کبائر کے ارتکاب سے مؤمن کافر نہیں ہوجاتا، خوارج کے سوا تمام فرق اسلامیہ کا یہی محقق عقیدہ ہے۔...اس لئے یزید کی لعنت کو بھی عام علماء اہل سنت نے جائز نہیں رکھا۔ [۱] صاحب قصیدہ بدأ امالی فرماتے ہیں:

ولم یلعن یزیدا بعد موت اى سوى المكثار فى الاغراء غال

یعنی یزید کے مرنے کے بعد گمراہی میں حد سے بڑھے ہوئے شخص کے سوا کسی نے اس پر لعنت کرنے کو جائز نہیں رکھا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اہل قبلہ اور مسلمانوں پر لعنت کو منع فرمایا ہے۔ [۲]

---

[۱]......قال العلامة تفتازانى : انما اختلفوا فى يزيد بن معاوية حتى ذكر فى الخلاصة وغيرها : انه لا ينبغى اللعن عليه ولا على الحجاج لان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن لعن المصلين ومن كان مِن اهل القبلة۔

(شرح عقائد ص۱۱۶، کف عن ذکر الصحابة الا بخير)

[۲]......عن انس بن مالک ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من صلّى صلوتنا واستقبل

غرض یزید اور اعوان یزید سب کے سب مؤمن ہیں، ان کے ایمان میں کوئی کلام

قِبلتنا و أكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمّة الله وذمّة رسوله ' فلا تُخفِروا الله فى ذمّته۔

(بخاری، كتاب الصلوة ، باب فضل استقبال القبلة ، رقم الحديث:۳۹۱)

ترجمہ......آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہمارے ذبیحوں کو کھائے وہ مسلمان ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے عہد وامان میں ہے، پس جو شخص اللہ کے عہد وامان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔ (مظاہر حق ص۱۰۷ ج۱)

اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ آج ہر گمراہ فرقہ اپنے آپ کو اہل قبلہ کہہ کر ان علماء کرام کی جنہوں نے ان کی تکفیر کی ہے تردید کرتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کی وضاحت کردی جائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اہل قبلہ ایک خاص اصطلاح ہے اسلام اور مسلمانوں کی، جس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں کہ جو کلمہ پڑھ لے خواہ کسی طرح پڑھے وہ مسلمان ہے، یا جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ لفظ اصطلاحی نام ہے اس شخص کا جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایم اے پاس ہے، تو ایم اے ایک اصطلاحی نام ہے ان تمام علوم کا جو اس درجہ میں سکھائے جاتے ہیں، نہ یہ کہ جو ایم اے کے الفاظ میں پاس ہوتا ہو اور یاد رکھتا ہو۔ اس طرح اہل قبلہ کے معنی بھی باتفاق امت یہی ہیں کہ جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو کما صرح فی عامۃ الکتب۔

اور اس کی مفصل بحث رسالہ ''اكفار الملحدين'' مصنفہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ میں موجود ہے، ضرورت ہو تو ملاحظہ فرمایا جاوے' مگر رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اردو زبان میں بھی اس مضمون کا ایک رسالہ احقر کا ہے جس کا نام ''وصول الافکار'' ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

''اہل قبلہ سے مراد باجماع امت وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو مانتے ہیں نہ کہ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں چاہے ضروریات اسلامیہ کا انکار کرتے رہیں۔

كما فى شرح المقاصد الجلد الثانى صفحة :۲۶۸/ قال فى المبحث السابع فى حكم مخالف الحق من اهل القبلة ليس بكافر ما لم يخالف ما هو من ضروريات الدين الى قوله : والا فلا نزاع فى كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الكفر" الخ ، وفى شرح الفقه الاكبر:" وان غلا فيه حتى وجب اكفاره لا يعتبر خلافه الى قوله : وان صلى الى القبلة واعتقد نفسه مسلما لان الامة

نہیں، ایسے ہی ان کے اس فعل شنیع قتل حضرت حسین وذریات واعوان رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اعظم ترین کبائر ہونے میں بھی شبہ نہیں۔ وہ ایک جماعت تھی جو دنیا سے اٹھ گئی، ان کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ [۱]

لیست عبارة عن المصلین الی القبلة بل عن المومنین۔

(امداد المفتین ص۱۱۵ ج۲ رسوال نمبر: ۶/۵)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اعلم ان المراد باهل القبلة: الذین اتفقوا علی ما هو من ضروریات الدین کحدوث العالم، وحشر الاجساد، وعلم الله تعالی بالکلیات والجزئیات وما اشبه ذلک من المسائل المهمات۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۸۹، ط: اشرفی دیوبند)

"واهل القبلة: فی اصطلاح المتکلمین: من یصدق بضروریات الدین أی الامور التی عُلم فی الشرع واشتهر"۔ (النبراس ص۵۷۲۔ واکفار الملحدین ص۱۱۲)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا نکفر احدا بذنب من الذنوب وان کانت کبیرة اذا لم یستحلها۔ (شرح التحریر ص۱۵۱ ج۳، طبع بیروت)

یعنی ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تکفیر نہیں کریں گے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو، بشرطیکہ وہ اسے حلال سمجھ کر نہ کرے" وان المراد بعدم تکفیر احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا یکفر ما لم یوجد شئی من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدر عنه شئی من موجباته"۔

(شرح الفقه الاکبر ص۱۸۹ ط: اشرفی دیوبند، ومثله فی اکفار الملحدین ص۱۷، والنبراس ص۵۷۲)

یعنی اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان سے علامات کفر یا موجبات کفر صادر نہ ہوں۔ (فتاوی یوسفیہ ص۳۰۵ ج۱)

[۱]...... حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ویزید لا ریب فی کونه فاسقا، ولعلماء السلف فی یزید وقتله الامام الحسین خلاف فی اللعن والتوقف، قال ابن الصلاح: فی یزید ثلاث فرق: فرقة تحبه، وفرقة تسبه وتلعنه، وفرقة متوسطة لا تتولاه ولا تلعنه، قال: وهذه الفرقة هی المصیبة، الخ۔

(معارف السنن ص۸ ج۶، باب ماجاء فی حرمة مکة، ابواب الحج عن رسول الله صلی الله علیه وسلم)

اب آپ جو تیرہ سو سال بعد یزید و دیگر خلفاء بنی امیہ کے کفر و ایمان کی تحقیق کرنے لگے ہیں، تو ان مسائل و مشاغل سے کیا حاصل۔ ان کے اعمال بد کی ہم یا آپ سے باز پرس نہ ہوگی، وہ اپنا کام کر گئے، ہم کو اپنے ایمان کی فکر رکھنی چاہئے۔﴿ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ﴾فرمان باری تعالی ہے۔ ۱

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ان برگزیدہ بندوں کے خون سے ہاتھ آلودہ کرنے سے اللہ نے ہمیں محفوظ رکھا تو اب ہم کو اپنی زبان بھی اس قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھنی چاہئے۔ ۲ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ: دانا و عقلمند وہ شخص ہے کہ اس کو اپنے نفس و ذات کی فکر دوسروں کے عیوب سے بے فکر رکھے۔ ۳ بہر حال میرا خیر

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: یزید پر سلف میں سے کسی نے لعنت نہیں کی سوائے رافضیوں، خارجیوں اور بعض معتزلہ کے جنہوں نے فضول گوئی میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں: فلا شک ان السکوت اولی ''اس لئے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ تو یزید پر لعنت کی جائے، نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اس کی مدح و توصیف کی جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۶۷ ج ۱)

''وحقیقة الامر ای الطریقة الثابتة القویمة فی شانه التوقف ومرجع امره الی الله تعالی''

یزید کے بارے میں حقیقۃ الامر یعنی درست و راست طریقہ توقف کرنا ہے اور اس کی حقیقت کاملہ اللہ تعالی کی جانب لوٹ گئی ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی ص ۶۱ ج ۱)

۱...... سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۱۰۵، پارہ: ۷۔

ترجمہ:...... اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۲...... واختار السلف ترک الکلام فی الفتنة الاولی و قالوا تلک دماء طهر الله عنها ایدینا فلا نلوث به السنتنا۔ (مرقاۃ ص ۱۰۵ ج ۱۱)

۳...... لیحجزک عن الناس ما تعلم من نفسک۔ یہ طویل روایت کا ٹکڑا ہے۔

(مشکوۃ ص ۴۱۵، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الثالث)

خواہانہ مشورہ ہے کہ ان ملت سوز وتباہ کن مشغلوں کواب بالکلیہ ترک کردیجئے، فقط۔ واللہ تعالی اعلم۔ (مرغوب الفتاوی ص ۲۷۱/۲۷۸ ج ۱۔ جدید ص ۲۸۷/۲۹۳ ج ۱)

یزید پر لعنت کا مسئلہ

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے (حضرت) عبداللہ (رحمہ اللہ) نے ان سے یزید پر لعنت کرنے کی اجازت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: اس شخص پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ: میں نے تو قرآن کو پورا پڑھا اس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی، آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ: یزید سے زیادہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ وقرابت کی بھی رعایت نہیں کی۔

مگر جمہور امت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ ہاں عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے: لعنة الله على الكاذبين ، لعنة الله على المفسدين ' ولعنة الله على قاطع الرحم وغیرہ۔

(معارف القرآن ص ۴۳ ج ۸)

ایذاء مسلم کی ممانعت

کسی مسلمان پر کفر یا فسق کی تہمت لگانا ایک مسلمان کو سخت ایذا اور تکلیف پہنچانا ہے، قرآن کریم اور حدیث نے اس کی ممانعت فرمائی، اور اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

(۱)......﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾۔ (پ:۲۲ / سورۂ احزاب، آیت نمبر:۵۸)

ترجمہ:......اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں، انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لادلیا ہے۔

(۲)......﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ﴾۔

(سورۂ حجرات، آیت نمبر:۱۱، پارہ ۲۶)

ترجمہ:......اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔

وفی احکام القرآن تحت قوله تعالى ”ولا تنابزوا بالالقاب“:

(المسئلة الثالثة) قوله ﴿ بئس الاسم الفسوق بعد الايمان ﴾ يعنى انك اذا ذكرت صاحبك بما يكره فقد آذيته، وايذاء المسلم فسوق، وذلك لا يجوز، وقد روى ابو ذر: كان عند النبى صلى الله عليه وسلم فنازعه رجل فقال له ابو ذر: يا ابن اليهودية! فقال النبى صلى الله عليه وسلم: ماترى من ههنا احمر واسود، ما انت بافضل منه يعنى الا بالتقوى۔ (احکام القرآن لابن العربی ص۱۷۲۲ ج۴)

اسی طرح کا ایک واقعہ امام غزالی رحمہ اللہ نے ”احیاء العلوم“ میں لکھا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ میں اور ایک شخص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے تکرار ہوگئی میں اس کو کہہ بیٹھا ''یــا ابــن الســوداء ''او کالی عورت کے بچے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر!

''طف الصاع طف الصاع ، ليس لابن البيضاء على ابن السوداء فضل ''

یعنی دونوں پلے برابر ہیں گوری عورت کے بچے کو کالی عورت کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا تو میرے رخسار کو پامال کر۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ص۵۳۴ ج۳، مع تصرف)

(عصبیت کی مذمت۔ مرغوب الفقہ ص۹۵ ج۱۳)

(۱)......عن عبد الله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده ، والمهاجر من هجر ما نهی الله عنه۔

(بخاری، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده ، كتاب الايمان ، رقم الحديث:۱۰)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالی کے منع کئے ہوئے کاموں سے ہجرت کرلے۔

(۲)......عن ابی بکر الصدیق قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : ملعون من ضارَّ مؤمنا أو مكر به۔

(ترمذی، باب ما جاء فی الخیانة والغش ، ابواب البر والصلة ، رقم الحديث:۱۹۴۱)

ترجمہ:......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر لعنت ہو جو کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے یا اسے دھوکہ دے۔

نوٹ:......تفصیل کے لئے دیکھئے! راقم الحروف کا رسالہ ''کسی کو تکلیف نہ پہنچایئے'' مرغوب المسائل ص۳۴۸ ج۶۔

اہل حق کے خلاف الزامات کی ایک جھلک

جن اہل علم کے خلاف کفر وفسق کے طعنے دیئے گئے ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ ان طعنوں سے مغموم نہ ہوں، اس طرح کی حرکتوں سے ہمارے اسلاف پر جو کچھ گذری اس کی ایک ادنی سی جھلک درج ذیل اقتباس سے لگائی جاسکتی ہے۔

’’اہل حق کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش، اوران کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی ناجائز حرکت کوئی نئی چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے اہل باطل اور نفس پرستوں کا طریقہ رہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کو گمراہ کہا گیا اور سنگسار کرنے کو کہا، حضرت ھود علیہ السلام کو احمق اور جھوٹا کہا گیا، حضرت صالح علیہ السلام اوران کے رفقاء کو منحوس ٹھہرایا گیا، حضرت لوط علیہ السلام کو جلاوطن کرنے کی دھمکی دی گئی، حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا گیا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ورنہ تمہیں اور تمہارے رفقاء کو شہر بدر کر دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجرم ٹھیرا کر نذر آتش کیا گیا، حضرت موسی علیہ السلام کو شعبدہ باز اور دیوانہ بتایا گیا، حضرت عیسی علیہ السلام کو جھوٹا بتا کر واجب القتل قرار دیا گیا، اوران کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت تراشی گئی، اوران کے حواریوں کو منحوس کہہ کر سنگساری کی دھمکی دی گئی، حضرت زکریا علیہ السلام کو دیوانہ اور جھوٹا کہا گیا اور بے حد تکلیف پہنچائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے جتنی ایذائیں پہنچائیں گئیں اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔

علماء ربانی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں، لہٰذا ضروری تھا کہ ان کو بھی ان باقیات صالحات میں سے کچھ حصہ ملتا، آپ (ﷺ) کا فرمان ہے کہ: سب سے زیادہ سخت ابتلاء انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے کہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، پھر درجہ بدرجہ

جو افضل ہوتے ہیں وہ زیادہ آزمائے جاتے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کو روافض نے اہل بیت کا دشمن بتلا کر کافر ٹھہرایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوارج نے کافر ٹھہرایا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر نفس پرستوں نے قرآن مجید کی غلط تفسیر کرنے کا بہتان تراشا، حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ بت پرستوں کی سی باتیں کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکار اور منافق کہا گیا، حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ کو منکر تقدیر کہا گیا، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کو گمراہ، امت کا دشمن اور امت کا شیطان کہا گیا (معاذ اللہ)، اور ان کے قتل کو ستر جہاد سے افضل بتلایا گیا۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۲۲۵ ج ۱/ سلسلہ اشاعت علوم حیدر آباد دکن)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نفس پرستوں کے ظلم کی وجہ سے طویل عرصہ (۲۵/ برس) تک جماعت اور نماز جمعہ کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے، انتہاء یہ کہ ان کو سختی سے زدوکوب کیا گیا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو ''اضر من ابلیس'' (شیطان سے زیادہ نقصان دہ) کا خطاب دیا گیا، اور ایسی تہمت لگائی گئی کہ لوگ لعنت کرتے، اور گالیاں دیتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر حق بات کہنے کی پاداش میں قید خانہ میں روزانہ اس قدر کوڑے برسائے جاتے کہ بے ہوش ہوجاتے تھے، ساتھ ساتھ لوگ طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر مصر سے نکال دیا گیا تھا۔ حضرت محمد بلخی رحمہ اللہ کے گلے میں رسّی ڈال کر شہر سے نکال دیا گیا۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ بدعتیوں کے ہاتھوں خانۂ خدا میں شہید ہوئے۔ حضرت بایزید

بسطامی رحمہ اللہ کے اقوال اور احوال کو خلاف شرع بتلایا گیا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتابوں کو جلا ڈالنا فرض اور آپ پر لعنت برسانا کار ثواب بتلایا گیا۔ حضرت امام ابوبکر نابلوسی رحمہ اللہ کی کھال کھینچی گئی۔

حضرت جنید بغدادی، حضرت تاج الدین سبکی، حضرت امام بخاری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شبلی رحمہم اللہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے، اوران کے ساتھ بیٹھنے کو گناہ ٹھہرایا گیا حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کے متعلق کہا گیا کہ ”کفرہ اشد من کفر الیھود“ (ان کا کفر یہود ونصاری کے کفر سے زیادہ سنگین ہے) اہل سنت کے امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کو صریح الفاظ میں کافر اور ملحد کہا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نفس پرستوں کے ظلم سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

(فتاوی رحیمیہ ص۲/۳/۴ ج۱۔ حیات عبدالرحیم ص۔ ذکر صالحین ص۱۳۴ ج۵)

ہمارے اکابر اور موجودہ زمانہ کے بزرگوں کو بھی اس طرح کے طعنوں اور دل آزار جملوں سے ایذاء پہنچائی گئی۔ جس کی ایک طویل فہرست ہے، اور اہل نظر سے وہ مخفی نہیں، یہ مختصر رسالہ اس طوالت کا متحمل نہیں ہے۔

عمر خیام نے ایک فارسی رباعی میں بہت خوب کہا ہے ۔

با این دوسہ نادان کہ چناں می دانند اہل جہل کہ دانائے جہاں ایشانند

خوش باش کہ خرئی ایشاں بمثل ہر کہ نہ خراست کافرش فی دانند

بعض آدمی جہالت وحماقت سے اپنے کو عالم خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ عالم نہیں ہوتے۔

اور وہ اپنے گدھے پن کی وجہ سے ان لوگوں کو جو ان جیسے گدھے نہیں کافر جانتے ہیں۔

کفر وایمان کے فتوی کے بارے میں اعتدال کی راہ

کفر و ایمان کا مسئلہ نہایت نازک اور اہم ہے، نہ یہ صحیح ہے کہ کوئی شخص کیسے بھی اعتقادی فساد میں مبتلا ہو، دین اور احکام دین کا استہزاء کرتا ہو، شریعت کے بعض مسلمہ حقائق کا منکر ہو اور اپنے قول یا عمل کے ذریعہ کفر کی سرحد میں داخل ہو چکا ہو، مگر مسلمان مصر ہوں کہ ہم ان لوگوں کو بہر حال کافر ہونے نہ دیں گے۔ اس لئے کہ اسلام مخصوص قسم کے نام اور آبائی وخاندانی روایات کا نام نہیں، بلکہ کچھ حقیقتوں سے عبارت ہے، جن پر یقین کرنا ایمان کے لئے شرط اولیں ہے۔

اسی طرح یہ افراط بھی صحیح نہیں کہ انسان ہر وقت کفر کی شمشیر برہنہ اپنے ہاتھ میں لئے رہے اور ہر چھوٹے بڑے اختلافات پر مخالف کو کافر قرار دینے سے کم پر راضی نہ ہو۔

فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جا سکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو تو وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں، اور بعض نہیں قرار دیتے تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو جو اسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی از راہ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جاے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے۔ (مستفاد: حلال وحرام ص ۶۰۔ کتاب الفتاوی ص ۱۷۷ ج ۱)

چونکہ کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے، اس لئے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک چیز کو نہ ماننا یا اس میں شک کرنے کا نام کفر ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

اہل قبلہ اصطلاح شریعت میں وہ لوگ کہلاتے ہیں جو تمام ضروریات دین اور تمام

قطعیات اسلام کے قائل ہوں، مثلا: حدوث عالم اور حشر اجساد اور خدا تعالی کے عالم کلیات اور جزئیات ہونے کے قائل ہوں، اور جو احکام قرآن اور احادیث متواترہ کی عبارۃ النص سے ثابت ہوں ان سب کو مانتے ہوں۔

اگر کوئی شخص پانچ وقت قبلہ رخ ہو کر نمازیں ادا کرتا ہو، مگر عالم کو قدیم سمجھتا ہو، یا مثلا حشر اجساد کا قائل نہ ہو، یا مثلا شراب اور زناء کو حلال سمجھتا ہو تو یہ شخص ہرگز ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)......﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾۔

(سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۸۵۔ پارہ:۱)

ترجمہ:......تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کی رسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔

(۲)......﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴾۔(سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۸۷۔ پارہ:۱)

ترجمہ:......پھر یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشات کو پسند نہیں تھی تو تم اکڑ گئے؟ چنانچہ بعض (انبیاء) کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرتے رہے۔

(۳)......﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ

یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا — اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ج وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا — وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر:۱۵۰/۱۵۱/۱۵۲۔ پارہ:۶)

ترجمہ:...... جولوگ اللہ تعالی اوراس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اوراللہ تعالی اوراس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے اور کہتے ہیں کہ کچھ (رسولوں) پرتو ہم ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ (کفراور ایمان کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں۔ ایسے لوگ صحیح معنی میں کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جولوگ اللہ تعالی پراوراس کے رسولوں پر ایمان لائیں، اوران میں سے کسی کے درمیان فرق نہ کریں، تو اللہ تعالی ایسے لوگوں کوان کے اجرعطا کریں گے، اوراللہ تعالی بہت معاف کرنے والے، بڑے مہربان ہیں۔

''۹۹/وجوہ تکفیر کی ہوں تو بھی تکفیر نہ کی جائے'' کا مطلب

علماء میں یہ جومشہور ہے کہ جس میں: ۹۹/وجہیں کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہوتو اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص اسلام اور دین کی: ۹۹/باتوں کا منکر اور مکذب ہو اور ایک بات دین کی مانتا ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، یہ سراسر غلط اور مہمل ہے۔

علماء کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی مجمل اور محتمل کلمۂ کفر زبان سے نکالا جس کے معنی میں: ۹۹/احتمالات کفر کے ہیں اور ایک احتمال ایمان کا بھی ہے تو ایسے محتمل اور مشتبہ قول کی بنیاد پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص شریعت کے تین سو حکموں کو مانتا ہے اور صرف تین حکموں کو نہیں مانتا مثلاً زناء کاری اور شراب خوری اور رشوت ستانی کو حلال سمجھتا ہے تو کیا یہ شخص کافر نہ ہوگا، سو میں ننانوے کا قائل ہے اور صرف ایک حکم کا منکر ہے۔ یقیناً کافر ہوگا۔

ضروریات دین کی تعریف

ضروریات دین اصطلاح میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو آپ ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہوں، اور عام طور پر مسلمان ان امور کو جانتے ہوں، یعنی ان چیزوں کا علم علماء تک محدود نہ ہو بلکہ عوام کے علم میں بھی وہ چیزیں آچکی ہوں، ایسی چیزوں کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ مثلا: خدا تعالی کا ایک ہونا، اور تمام کائنات کا خالق اور مربی ہونا، قرآن شریف اور تمام آسمانی کتابوں کا کلام الٰہی ہونا، تمام پیغمبروں کا حق ہونا، جنت اور جہنم کا برحق ہونا اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے جو معجزات صادر ہوئے وہ سب حق اور سچے تھے..... اور جن چیزوں کا حلال اور حرام ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے ان کو حلال اور حرام سمجھنا، مثلا: چوری اور زنا کو حرام سمجھنا، اور ماں اور بیٹی اور بہن اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حرام سمجھنا، اگر کوئی شخص ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار کرے یا اس میں شک کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔ اور اسلام کے لئے تمام ضروریات دین اور قطعیات اسلام کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دین کی سو باتوں میں صرف ایک بات کا ماننا مؤمن ہونے کے لئے کافی نہیں۔

”والمراد بالضروريات على ما اشتهر في الكتب ما علم كونه من دين محمد صلى الله عليه وسلم بالضرورة ' بأن تواتر عنه واستفاض وعلمته العامة كالوحدانية والنبوة و ختمها بخاتم الانبياء وانقطاعها بعده ...... و كالبعث والجزاء ووجوب

الـصـلـوة والزكوة وحرمة الخمر ونحوها ' سمى ضروريا لأن كل احد يعلم ان هذا الامـر مثـلا مـن ديـن الـنبى صلى الله عليه وسلم ولا بد فكونها من الدين ضرورى و تدخل فى الايمان ''۔ (اكفار الملحدين ص۲/۳)

'' والضابط فى التكفير أن من رد ما يعلم ضرورة من الدين فهو كافر ''۔

(اكفار الملحدين ص۸۸)

''فمنكر الضروريات الدينية كالأركان الاربعة التى بنى الاسلام عليها : الصلوة والزكوة والصوم والحج ' وحجية القرآن و نحوها كافرا آثم ''۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص۶۱۱، طبع: لکھنؤ)

ضروریات دین اور متواترات میں تاویل بھی کفر ہے

جن ضروریات دین اور متواترات اسلام میں سے کسی ایک امر کا انکار کفر ہے، اسی طرح ضروریات دین اور متواترات اسلام میں تاویل کرنا بھی کفر ہے، کیونکہ قطعی امور میں تاویل بھی انکار کے حکم میں ہے۔

جس طرح نماز اور روزہ کی فرضیت کا انکار کفر ہے، اسی طرح نماز اور روزہ اور زکوۃ کے حکم میں کسی قسم کی تاویل بھی کفر ہے۔ تاویل وہاں مسموع ہے جہاں کوئی اشتباہ ہو، اور جو امور قطعی اور صاف اور روز روشن کی طرح واضح ہوں ان میں تاویل کرنا انکار کے مترادف ہے، بلکہ تمسخر اور استہزاء کے ہم معنی ہے۔ (مستفاد: عقائد اسلام ص۲۲۷/۲۳۳، ملخص)

''اجـمـا ع أهل الحل والعقد على ان تأويل الضروريات واخراجها عن صورة ما تواتر عليه وكما جاء و كما فهمه وجرى عليه اهل التواتر انه كفر ''۔

(اكفار الملحدين ص۷)

تارک نماز پر سخت وعید، مگر کفر کا فتوی نہیں لگایا

(ا)......جابر بن عبد الله يقول : سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : بين الرّجل و بين الشِّرك والكفر ترک الصلوة۔

(مسلم، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترک الصلوة ، كتاب الايمان ، رقم الحديث:٨٢)

ترجمہ:......حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ: آدمی اوراس کے کفروشرک کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے۔

تشریح:......یہ حدیث اوراس طرح کی دیگر احادیث میں سخت وعید کے باوجود علماء نے اس وعید کوانکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ جب کوئی مسلمان نماز کا انکار کردے تو کافر ہوگا، نماز کے چھوڑنے سے کافرنہیں ہوگا۔

تین جمع چھوڑنے پر سخت وعید، مگر کفر کا فتوی نہیں لگایا

تین جمع چھوڑنے پر سخت وعیداور دل پر مہر لگانے کی وعید کے باوجود اسلاف نے کفر کا فتوی نہیں لگایا۔

(٢)......أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : من ترک ثلاث جُمَعٍ تهاوُنا بها طبع اللّٰه على قلبه۔

(ابوداوٗد، باب التّشديد فى ترک الجمعة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:١٠٥٢)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تین جمعے تہاونا (غفلت اورتساہل کی وجہ سے بلاعذر) چھوڑ دیئے تو اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

تشریح:......تہاون سے مراد تساہل اورعدم اہتمام ہے، یعنی جو شخص محض غفلت اورتساہل کی

وجہ سے بغیر عذر شرعی کے تین جمعہ کی نمازیں ترک کردے تو اللہ تعالی اس کے قلب پر مہر لگادیتے ہیں، یعنی ایسا شخص قساوت قلب میں مبتلا ہوجاتا ہے جس سے پھر خیر کی بات اس کے اندر نہیں اترتی۔ اور طبع سے مراد کفر کی مہر نہیں ہے....اس لئے کہ ترک جمعہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی تہاون سے مراد استخفاف واہانۃ نہیں ہے، اس لئے کہ استخفاف تو ایک جمعہ کا بھی کفر ہے، پھر تین کی قید کیسی؟ اسی لئے طبع سے بھی کفر کی مہر مراد نہیں لی جاسکتی۔ (بذل المجھود فی حل سنن ابی داؤد ص۳۰ ج۵۔ الدر المنضود ص۴۰۳ ج۲)

ہمارے اکابر نے جھوٹی حدیث گھڑنے پر کفر کا فتوی نہیں لگایا

(۳)......عن ابی هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:.......
ومن كذب علَيَّ مُتعمِّدا فَلْيَتَبَوَّأْ مقعده من النار۔

(بخاری، باب اثم من كذب على النبى صلى الله عليه وسلم، كتاب العلم، رقم الحديث:۱۱۰)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

تشریح:......اس حدیث میں سخت وعید بیان فرمائی گئی اس شخص پر جو آپ ﷺ پر جھوٹ باندھے اور جھوٹی حدیث بیان کرے۔ لیکن کوئی آپ ﷺ پر جھوٹی حدیث گھڑے اس پر بھی ہمارے اکابر نے کفر کا فتوی نہیں لگایا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے کہ: اس حدیث میں آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی عظیم حرمت کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ کہ یہ عظیم فحش اور بڑی ہلاک کرنے والی چیز ہے، لیکن اس پر کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا، الا یہ کہ وہ آدمی اس طرح کی حرکت کو حلال سمجھے، علماء کا مشہور مذہب یہی ہے۔

''الثانية:...... تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله عليه وسلم ' وأنه فاحشةٌ عظيمة ' ومُوبِقة كبيرة ' و لكن لا يَكْفُرُ بهذا الكذب الا أن يَستحلَّه ' هذا هو المشهور من مذاهب العلماء من الطوائف''۔

(مقدمہ مسلم مع نووی ص۸ ج۱، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

امام الحرمین ابوالمعالی کے والد ماجد شیخ ابومحمد الجوینی رحمہ اللہ اس حدیث کی وجہ سے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کو کافر اور اس کے خون بہانے کو جائز فرماتے تھے، لیکن ان کے صاحبزادے امام الحرمین رحمہ اللہ نے اپنے والد صاحب کے مسلک کو ضعیف قرار دیا کہ یہ مسلک درست نہیں، صحیح بات وہی ہے جو ہمارے اکابر نے فرمائی۔

''وقال ابو محمد الجوينى والدُ امام الحرمين أبى المعالى من ائمة اصحابنا : يكفر بتعمُّد الكذب عليه صلى الله عليه وسلم ، حكى امام الحرمين عن والده هذا المذهب ' وانه كان يقول فى درسه كثيرا : من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمدا كَفَر واُرِيْقَ دَمُه ،

وضَعَّف امامُ الحرمين هذا القولَ ' وقال : انه لم يره لاحد من الاصحاب ' وانه هفوةٌ عظيمة ' والصواب ما قدمناه عن الجمهور ، والله اعلم''۔

(لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث ص۸۴)

خاتمہ میں چند باتیں ''موسوعہ فقہیہ'' سے......کفر کا شرعی معنی

خاتمہ میں چند باتیں ''موسوعہ فقہیہ'' سے نقل کرنا مناسب لگا:

صاحب الدر المختار نے کہا: کفر کا شرعی معنی حضور ﷺ کے لائے دین کی کسی بدیہی چیز میں حضور ﷺ کو جھٹلانا ہے۔

اصل مسلمان کا اپنے اسلام پر باقی رہنا ہے، یہاں تک کہ اس کے خلاف دلیل آجائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے:

(۱)......مَنْ صلّی صلوتنا وَاسْتَقْبل قِبلتنا و أكل ذبيحتنا فذلک المسلم الذی له ذِمّة الله وذِمّة رسوله ' فلا تُخْفِروا الله فی ذِمّته۔ [۱]

مسلمان کی تکفیر سے پہلے اس کے قول یا فعل کی تحقیق کرنا واجب ہے

کسی بھی مسلمان کی تکفیر سے پہلے اس کے قول یا فعل کی تحقیق کرنا واجب ہے، اس لئے کہ ہر غلط قول یا فعل کفر کا سبب نہیں ہے۔

نیز ضروری ہے کہ لوگ تکفیر سے دور رہیں، اس سے بچیں اور اس کو علماء کے حوالہ کردیں، کیونکہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ جب تک کسی مسلمان کے کلام کا بہتر محمل ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو- گو کہ روایت ضعیف ہو- اس کی تکفیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

جس چیز کے کفر ہونے میں شک ہو، اس کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اس

---

[۱]......بخاری، باب فضل استقبال القبلة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۳۹۱۔

ترجمہ:......جس نے ہماری طرح نماز پڑھی، اور ہمارے قبلہ کی طرف (نماز میں) منہ کیا، اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا، پس وہ مسلمان ہے، جس کے لئے اللہ تعالی کا ذمہ ہے اور ان کے رسول کا ذمہ ہے، پس تم اللہ تعالی کے ذمہ کو پامال نہ کرو۔

لئے کہ مسلمان کو ایمان سے صرف اس چیز کا انکار نکال سکتا ہے جس نے اس کو ایمان میں داخل کیا ہے، کیونکہ ثابت شدہ اسلام شک کی وجہ سے زائل نہ ہوگا، پھر یہ کہ اسلام بلند رہتا ہے، اگر مسئلہ کی چند وجوہ تکفیر کا سبب ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ مانع تکفیر وجہ کی طرف مائل ہو، کیونکہ تکفیر بڑی خطرناک ہے، اور مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے۔ نیز اس لئے کہ کفر انتہائی درجہ کی سزا ہے، لہذا وہ انتہائی درجہ کے جرم کی متقاضی ہوگی، جب کہ شک اور احتمال کے ساتھ انتہائی درجہ کو نہیں پہنچتا ہے۔

مسلمان کی تکفیر کے لئے شرط

مسلمان کی تکفیر کے لئے شرط ہے کہ جس وقت اس سے باعث کفر کام سرزد ہوا ہے، اس وقت وہ مکلّف و مختار ہو، لہذا بچہ یا مجنون یا نیند یا بے ہوشی کے سبب جس کی عقل ختم ہوگئی ہو، ان سب کی تکفیر صحیح نہیں کہ یہ سب مکلّف نہیں، لہذا ان کے قول اور عقیدہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

اسی طرح جس کو کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کے دل میں ایمان برقرار ہے اس کی تکفیر ناجائز ہے۔

باشعور بچہ اور نشہ والے کی تکفیر میں فقہاء کا اختلاف

باشعور بچہ اور نشہ میں مدہوش شخص سے اگر باعث کفر امر صادر ہو تو ان کی تکفیر کے صحیح ہونے میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ: اگر باشعور بچہ سے باعث کفر امر صادر ہو تو اس کی تکفیر صحیح ہے۔ مالکیہ کے کلمات سے صرف باشعور اور قریب البلوغ بچہ کی قید لگانے کا علم ہوتا ہے۔ شافعیہ کی رائے ہے کہ باشعور بچہ کی تکفیر صحیح نہیں، کیونکہ وہ غیر مکلّف ہے، اسی کے

ساتھ بالاتفاق اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

حنابلہ کے نزدیک بلوغ اور توبہ کے مطالبہ کے بعد حالات کا انتظار کیا جائے گا........۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے:

(۱)......رُفِع القلمُ عن ثلاثة : عن النائم حتى يَسْتَيقِظ ، وعن المُبْتلى حتى يَبْرأ ، وعن الصبى حتّى يَكْبُرَ ۔ [۱]

ترجمہ:......تین شخص مرفوع القلم ہیں: سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، مرض میں مبتلا یہاں تک کہ شفایاب ہو جائے، اور بچہ یہاں تک کہ بڑا ہو جائے۔

سکران کی تکفیر

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس سکران (نشہ میں مدہوش شخص) کو اس کی تعدی کے بغیر نشہ آیا ہو، اگر اس سے باعث کفر امر صادر ہو جائے تو اس پر مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، البتہ وہ سکران جس کو اس کی تعدی کی وجہ سے نشہ آیا ہو اس کے بارے میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے:

جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ اگر اس سے باعث کفر امر صادر ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب وہ نشہ میں ہوگا تو بکواس کرے گا، اور جب بکواس کرے گا تو بہتان لگائے گا، اور بہتان تراشی لگانے والے پر اسی (۸۰/کوڑے) ہیں، [۲] لہذا انہوں نے بہتان تراشی کی حد جس کو وہ حالت

---

[۱]......ابوداؤد، باب فى المجنون يسرق أو يصيب حدا ، كتاب الحدود ، رقم الحديث:۴۳۹۸۔

[۲]......ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه استشار فى الخمر يشرَبُها الرّجل ، فقال له علىّ بن ابى طالب رضى الله عنه : نرى أن تَجلِدَه ثمانين ' فانه اذا شرِب سَكِر ' واذا سَكِر هَذٰى ' واذا هَذٰى

نشہ میں کرتا ہے اس پر واجب کردی، اور بہتان تراشی کے احتمال کو معتبر قرار دیا۔ نیز اس لئے کہ اس کی طلاق اور بقیہ تصرفات صحیح ہیں تو اس کا مرتد ہونا بھی معتبر ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقا سکران کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(موسوعہ فقہیہ ص ۲۲۷ ج ۱۳ (مترجم ص ۲۶۵ ج ۱۳) مادہ: تکفیر)

افترى –او كما قال– فجَلَد عمر رضى الله عنه فى الخمر ثمانين۔

(مؤطاامام مالک، باب ما جاء الحدّ فى الخمر ، كتاب الاشربة ، رقم الحديث:۲۸۰۱)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے شراب پینے والے کی حد کے بارے میں مشورہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں، اس لئے کہ آدمی جب شراب پیئے گا تو نشہ ہوگا، اور جب نشہ ہوگا تو واہیات بکے گا، اور جب واہیات بکے گا تو کسی کو برا بھلا کہے گا (گالی دے گا) – یا انہوں نے ایسا ہی کچھ کہا – پس حضرت عمر رضی اللہ عنہنے شراب (پینے کی سزا) میں اسی (۸۰) کوڑے مقرر کردیئے۔

آپ ﷺ کا ارشاد: ”میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان رہے“ کی وضاحت

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

آپ ﷺ کا ارشاد: ’’میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان رہے‘‘ کی وضاحت

سوال:......مولانا! کسی نے یہ حدیث بھیجی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مسلمان سے میرا واسطہ نہیں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔ (کیا اس طرح کی کوئی حدیث ہے؟) ہندوستان بھی مشرکوں کی اکثریت کا ملک ہے، (وہاں لاکھوں علماء تھے اور ہیں) اور مغربی ممالک بھی کافروں اور شرک کرنے والوں کے ممالک ہیں (تو کیا ہمارا ان ملکوں میں رہنا حرام ہے؟) آپ سے اس حدیث کی وضاحت چاہتا ہوں۔

نوٹ:......آج کل اس طرح کا مضمون بہت لوگ شائع کر رہے ہیں، اور یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ غیر مسلم ملک میں مسلمان کا رہنا حرام ہے، اور ان پر کسی مسلم ملک کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے۔

الجواب: حامدا و مصليا ومسلما:......جی اس مضمون کی احادیث ’’ابوداؤدشریف‘‘ اور ’’ترمذی شریف‘‘ میں آئی ہیں۔ حدیث بھیجنے والے نے اپنے مضمون میں پوری حدیث نقل نہیں کی، بلکہ حدیث شریف کا ایک ٹکرا بیان کر دیا، اور اس پر یہ فتوی لگا دیا کہ اس حدیث کی وجہ سے غیر مسلم ملک میں مسلمان کا رہائش اختیار کرنا حرام ہے، پہلے پوری حدیث نقل کی جاتی ہے تا کہ حدیث کا پس منظر معلوم ہو جائے:

(۲)......عن جرير بن عبد الله رضى الله عنهما قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم سَرِيَّةً الى خَثْعَم فَاعْتصم ناسٌ منهم بالسُّجود، فَأَسْرَعَ فيهم القتل، قال– أى جريرٌ– فبلغ ذلک النبى صلى الله عليه وسلم فأمر لهم بنِصف العَقْلِ، وقال:

أنـا بَـرِیءٌ من کلِّ مسلم یُقیم بین اَظْھُرِ المشرکین ، قالوا : یا رسول اللہ ! لِمَ ؟ قال : لا تَرَایا نَارَاھُما۔

(ابوداوٗد، باب النھی عن قتل من اعتصم بالسجود ، کتاب الجھاد ، رقم الحدیث:۲۶۴۵۔ترمذی باب ما جاء فی کراھیۃ المقام بین اظھر المشرکین ، کتاب السیر ، رقم الحدیث:۱۶۰۴)

ترجمہ:......حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ خثعم کی جانب ایک سریہ روانہ فرمایا، (جب لڑائی ہوئی) تو کچھ لوگوں نے (اپنے اسلام کوظاہر کرنے کے لئے زبان سے اقرار کے بجائے) سجدہ سے (مسلمانوں کے قتل سے) بچنا چاہا، (مگر مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی مشرک ہیں) تیزی سے ان کو قتل کرتے چلے گئے، جب اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے ورثاء کو آدھی دیت دلوائی اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس مسلمان سے بری ہوں جو کفار کے درمیان میں رہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: یارسول اللہ! ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں کی آگ ایک ساتھ نظر نہیں آنی چاہئے۔

تشریح:...... یہ چند افراد قبیلہ خثعم کے جو اسلام لے آئے تھے اور اسلام لانے کے باوجود اپنی ہی جگہ مقیم رہے نہ وہاں سے منتقل ہوئے، اور نہ حضور ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی، حالانکہ ان دو باتوں میں سے ایک ضروری تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ: ہونا یہ چاہئے کہ فریقین (یعنی مسلم وکافر) میں سے ایک کی آگ دوسرے کی آگ کو نہ دیکھے، یعنی مسلم ومشرک میں اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ ان میں سے جو بھی اپنے گھر میں آگ جلائے، روشن کرے تو اس کی روشنی دوسرے کے گھر تک نہ

پہنچے، یعنی اگر کسی بستی میں بعض لوگ اسلام لے آئیں تو ان کو چاہئے کہ اب وہ وہاں نہ رہیں بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے چلے جائیں جب ہی تو ایک کی آگ دوسرے کی آگ کو نہیں دیکھے گی۔ اوراس واقعہ میں ان لوگوں نے ایسانہیں کیا، اس لئے ان کی پوری دیت کے بجائے آدھی دیت واجب کی گئی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے ’’ لِمَ ‘‘ سے سوال کیا ہے اس کا تعلق پہلے کے دونوں جملوں سے ہوسکتا ہے’’ أمر لهم بنِصف العَقْلِ ‘‘ سے بھی اور’’ أنا بَرِیءٌ ‘‘ سے بھی۔

یعنی میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے، یعنی آئندہ اگر مسلمانوں کا لشکر کفار کی بستی پر حملہ کرے گا اور وہاں کوئی مسلمان ہوگا اور مارا جائے گا تو میں اس کی دیت ادانہیں کروں گا، کیونکہ وہ خود اپنے قتل کا ذمہ دار ہے۔

جنگی حالات میں مسلمانوں کو الگ الگ بسنا چاہئے، ملی جلی آبادی ٹھیک نہیں، تاکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کرنا آسان ہو اور فسادات پر قابو پایا جاسکے، ہندوستان میں جہاں ملی جلی آبادیاں ہیں وہاں جب فساد ہوتا ہے تو اگر ہندوؤں کے محلّہ میں دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں تو وہ مارے جاتے ہیں، اسی طرح اگر مسلمانوں کا محلّہ ہے اور دو چار گھر ہندوؤں کے ہیں تو ان کی شامت آجاتی ہے، اور پولیس کے لئے کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اگر محلے الگ الگ ہوں تو کنٹرول کرنا آسان ہوگا، درمیان میں پولیس آکر کھڑی ہوجائے گی اور اِدھر کے لوگوں کو اُدھر اور اُدھر کے لوگوں کو اِدھر نہیں آنے دے گی، تو دونوں محلے والے اطمینان سے رہیں گے۔.....

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے محلے کافروں سے الگ ہونے چاہئیں، ان کو کافروں کے درمیان نہیں رہنا چاہئے تاکہ بوقت ضرورت امتیاز کیا جاسکے۔

جو مسلمان مشرک کے ساتھ رہے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اسی جیسا ہے

(۲)......عن سمرة بن جندب رضی الله عنه : أما بعد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من جامعَ المُشركَ و سكن معه فانه مثلُه۔

(ابوداوٗد، باب فی الاقامة بأرض الشرک ، کتاب الجهاد ، رقم الحدیث:۲۷۸۷)

ترجمہ:......حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان مشرک کے ساتھ اکٹھا ہو کر رہے تو وہ سمجھے کہ وہ اس جیسا ہے۔

تشریح:......اس حدیث کی شرح میں تین احتمال ہیں:

(۱)......''من جامع المشرک ، أی فی دار واحدة ''یعنی خاص ایک ہی گھر میں دونوں رہیں، مسلم بھی اور مشرک بھی۔

(۲)......''أو بلد واحد ''یعنی ایک ہی شہر میں مسلمان رہے اور مشرک بھی۔ اس دوسرے مطلب میں پہلی صورت اور پہلا مطلب بطریق اولی داخل ہے، لیکن اس کا عکس نہیں۔

(۳)......''المراد اشتراک معه فی الرّسوم والعادات والزِّیّ والهیئة ''یعنی جو مسلمان مشرکین کا ساتھ دے ان کے رسوم اور عادات میں اور ایسے ہی صورت وشکل اور ہیئت میں ان کی وضع اختیار کرے تو وہ بھی مشرک ہی ہے۔

یہ حدیث پہلے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تو زجر وتوبیخ کے قبیل سے ہے، اور تیسرے معنی کے اعتبار سے تقریباً اپنے ظاہر پر ہے۔

حدیث شریف کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس کی دیت نہیں:

یعنی مشرکین کے ساتھ مت بسو اور ان کے ساتھ اکٹھا مت رہو (دونوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے) جو شخص ان کے ساتھ بسے گا یا ان کے ساتھ جمع ہوگا وہ ان کے مانند

ہے۔یعنی اگر وہ کفار کے ساتھ مارا گیا تو اس کی کوئی دیت نہیں۔

''ترمذی شریف'' کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

''لا تُساكِنوا المشركين ولا تُجَامِعوهم ' فمن ساكنهم أوجامعهم فهو مِثلَهم۔

(ترمذی، باب ما جاء فی كراهية المقام بين اظهر المشركين ، ابواب السير ، رقم الحديث: ۱۶۰۵)

(مستفاد: الدر المنضود ص ۳۷۸/اور ۴۹۱ ج ۴۔ بذل المجہود ص ۵۲۵ ج ۹۔تحفۃ الالمعی ص ۵۳۹ ج ۴)

ہندوستان دارالاسلام نہیں ،مگر وہاں سے ہجرت کو فرض نہیں کہا

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہما اللہ جیسے اکابر علماء کی ایک جماعت نے ہندوستان کو دارالحرب کہا ہے،اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے بعض فتاوی میں ہندوستان کو دارالحرب کہا ہے،مگر وہاں سے ہجرت کو فرض قرار نہیں دیا، اس لئے کہ فرائض اور اسلام کے باقی احکام کی ادائیگی ممکن ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ص:۲۷۲/۲۸۱/۲۸۷/۲۸۸ ج ۳،مطبوعہ:ادارۃ الفاروق،کراچی)

غیر مسلم ممالک میں رہائش کا حکم

کسی غیر مسلم ملک میں مستقل رہائش اختیار کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حکم زمانہ اور حالات کے اختلاف اور رہائش اختیار کرنے والوں کی اغراض ومقاصد کے اختلاف سے مختلف ہوجاتا ہے،مثلا:

(ا)......ایک مسلمان کو اپنے وطن میں بلاوجہ تکلیف پہنچائی جارہی ہو، یا قید میں ڈالا جارہا ہو یا جائداد ضبط کرلی جاتی ہو اور کسی غیر مسلم ملک میں رہائش کرنے سوا ان مظالم سے بچنے کی

کوئی صورت نہ ہوتو اس کے لئے غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ اس بات کا اطمینان کرلے کہ وہاں دین کے احکام عمل پر کر سکے گا۔

(۲)......اگر کسی کو اپنے وطن میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں اور محتاج و مجبور ہو اور غیر مسلم ملک میں جائز ملازمت مل سکتی ہو تو اس کے لئے بھی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا جائز ہے۔

(۳)......اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں اس لئے رہائش اختیار کرے کہ ان غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے گا، یا جو مسلمان وہاں مقیم ہیں ان کو دین کی تعلیم دے گا تو اس نیت سے غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب اجر وثواب ہے،

(۴)......اگر کسی مسلمان کو اپنے وطن میں معاشی وسائل حاصل ہیں، لیکن معیار زندگی بلند کرنے کی غرض سے غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرتا ہے تو یہ کراہت سے خالی نہیں۔

(۵)......اگر کوئی سوسائٹی میں معزز بننے اور دوسروں پر اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے، یا دار الکفر کی شہریت اور قومیت کو دار الاسلام کی قومیت پر فوقیت دیتے ہوئے غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرتا ہے تو یہ صورت حرام ہے۔(مستفاد: فقہی مقالات ص۲۳۴/۲۳۵ ج۱)

اللہ تعالی نے رزق کے حصول کے لئے زمین میں سفر کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے:

(۱)......﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ط وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴾۔(پ:۲۹، سورۂ ملک، آیت نمبر:۱۵)

ترجمہ:......وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رام کر دیا ہے، لہذا تم اس کے مونڈھوں پر چلو پھرو، اور اس کا رزق کھاؤ، اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

تفسیر:......پہلے زمین کے اطراف میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ

اللہ تعالی کا رزق کھاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ تعالی کے رزق کا دروازہ ہے۔ (معارف القرآن ص ۵۱۸ ج ۸)

دارالحرب اور دارالاسلام کسے کہتے ہیں

متشددین کا ایک جملہ یہ بھی سنا گیا کہ دارالحرب سے ہجرت فرض ہے، اس لئے تھوڑی سی تفصیل اس کی بھی لکھ دی جاتی ہے کہ دارالحرب کی تعریف کن ممالک پر صادق آتی ہے۔

''دارالاسلام'' اور ''دارالحرب'' کی اصطلاح خالص فقہی اصطلاح ہے، کتاب اللہ اور حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ اصطلاحات ذکر نہیں کی گئی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ائمہ مجتہدین کے یہاں عام طور پر حدود وقیود کے ساتھ ان اصطلاحات پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ ان کی تحریروں سے محض یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جن ممالک پر مسلمانوں کو سیاسی بالا دستی حاصل تھی، ان کو فقہاء ''دارالاسلام'' یا ''دارنا'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور جن ممالک پر اہل کفر کا اقتدار تھا ان کو کہیں ''دارالکفر'' اور کہیں ''دارالحرب'' کہہ دتے ہیں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس مملکت میں احکام اسلامی کو غلبہ وظہور حاصل ہو جائے وہ دارالاسلام ہے۔

(۱)......لا خلاف بين اصحابنا فی أن دار الكفر تصير دارالاسلام بظهور احكام الاسلام فيها۔

(بدائع الصنائع ص ۱۳۰ ج ۷ (۵۱۸ ج ۹، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)، فصل : فی اختلاف الاحكام باختلاف الدارين ، كتاب قطاع الطريق)

البتہ ''دارالاسلام'' دارالکفر'' کب بن جاتا ہے، اس میں امام ابو حنیفہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی رائیں مختلف ہیں۔

(۲)......واختلفوا فی دار الاسلام أنها بما ذا تصير دار الكفر ؟ قال ابو حنيفة : أنها لا تصير دار الكفر الا بثلاث شرائط : أحدها : ظهور أحكام الكفر فيها ، والثانی : أن تكون متاخمة لدار الكفر ، والثالث : أن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمی آمنا بالأمان الأول ، وهو أمان المسلمين ، وقال ابو يوسف ومحمد : انها يصير دار الكفر بظهور أحكام الكفر فيها۔

(بدائع الصنائع ص۱۳۰ ج ۷(۵۱۹ ج ۹، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)، فصل : فی اختلاف الاحکام باختلاف الدارين ، كتاب قطاع الطريق)

ترجمہ:......''دارالاسلام'' کب'' دارالکفر'' بنے گا ،فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین شرطوں سے'' دارالکفر'' بنے گا: ایک: احکام کفر کا غلبہ، دوسرے: ''دارالکفر'' سے اتصال، تیسرے: کوئی مسلمان یا ذمی مسلمانوں کے سابقہ امان کی وجہ سے مامون نہ رہ سکے۔حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ: محض احکام کفر کے غلبہ سے'' دار الاسلام'' دارالکفر''بن جائے گا۔

''فتاوی عالمگیری'' میں مزید توضیح کی گئی ہے کہ عملی طور پر'' دارالاسلام'' کے'' دار الحرب'' بننے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱): اہل کفر مملکت اسلامی کے کسی حصہ پر قابض ہوجائیں۔(۲): کسی شہر، کسی علاقہ کے لوگ (العیاذ باللہ) مرتد ہوجائیں اور قوانین کفر جاری کردیں۔(۳): یا حکومت اسلامی کی بالادستی کوقبول کرکے اسلامی مملکت میں رہنے والی غیر مسلم آبادی عہد شکنی کرے اور کسی حصہ پر غلبہ حاصل کرلے۔

(عالمگیری ص۲۳۲ ج ۲، الباب الخامس فی استيلاء الكفار ، كتاب السير)

آپ ﷺ کے زمانہ میں تین طرح کی مملکتیں ملتی ہیں: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اورحبشہ، مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو مذہبی حقوق بالکل حاصل نہ تھے... جس کو دارالحرب دے تعبیر کیا، مدینہ منورہ میں حکومت کی بنیاد گومختلف اقوام کی بقاء باہمی اور مذہبی آزادی کے اصول پر تھی، لیکن مسلمانوں کو سیاسی بالا دستی حاصل تھی، اس لئے یہ ''دارالاسلام'' کہلایا۔ حبشہ میں اقتدار کی باگ گوعیسائیوں کے ہاتھ میں تھی، مگر مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ غالبا اسی کو سامنے رکھ کر ماضی قریب کے علماء نے دار کی ایک نئی صورت ''دارالامن'' سے تعبیر کی۔ پس داخلی حالات اور مسلمانوں کے مذہبی حقوق کے لحاظ سے دار کی تین قسمیں ہوئیں دارالاسلام، دارالحرب، دارالامن۔

دار کی تین قسمیں: دارالاسلام، دارالحرب، دارالامن

دارالاسلام :...... وہ مملکت ہے جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی موقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام اسلامی کے نفاذ پر قادر ہوں۔

دارالحرب:...... وہ مملکت کافرہ ہے جہاں کافروں کو امن حاصل ہو اور مسلمان شہری امن سے محروم ہوں، نیز وہاں مسلمان مذہبی حقوق وعبادات اور جمعہ وعیدین وغیرہ کی علانیہ انجام دہی سے قاصر ہوں۔

دارالامن:...... وہ ملک ہے جہاں کلیدی اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، لیکن مسلمان مامون ہوں، دعوت دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں، اوران اسلامی احکام پر جن کے نفاذ کے لئے اقتدار ضروری نہ ہو، عمل کرسکتے ہوں۔

''دارالاسلام'' کے احکام

''دارالاسلام'' کے درج ذیل احکام ہیں:

(۱)......اسلام کے تمام شخصی اور اجتماعی قوانین کا نفاذ۔

(۲)......دارالکفر کے مہاجرین کی آبادکاری۔

(۳)......دارالحرب میں پھنسے ہوئے کمزور مسلمانوں کی اعانت۔

(۴)...... جہاد اور اسلامی سرحدات کی توسیع کی سعی۔

''دارالامن'' کے احکام

''دارالامن'' کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱)......''دارالامن'' میں اسلامی حدود و قصاص جاری نہ ہوں گے۔

(۲)......''دارالامن'' کے مسلمان باشندوں کے معاملات ''دارالاسلام'' کی عدالت میں فیصل نہ ہوسکیں گے۔

(۳)...... یہاں کی دفاعی قوت میں اضافہ اور مدد کرنا مسلمانوں کے لئے درست ہوگا، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے شاہ حبشہ نجاشی کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تھی بشرطیکہ وہ کسی مسلم ملک سے برسرپیکار نہ ہو۔

(۴)......احکام شرعیہ سے ناواقفیت اور جہل کے معاملہ میں جس طرح ''دارالحرب'' کے مسلمانوں کو معذور سمجھا جائے گا، اس طرح ان کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

(۵)......زوجین میں سے ایک ''دارالامن'' سے ''دارالاسلام'' میں چلا جائے تو ان کے درمیان محض ''تباین دارین'' کی وجہ سے تفریق واجب نہ ہوگی، کیونکہ صلح وامان کی فضا کی وجہ سے آمد و رفت اور حقوق زوجیت کی تکمیل ممکن ہے۔

(۶)......جیسے'' دار الاسلام'' میں رہنے والے ذمی اور ''دار الحرب'' سے آنے والے ''مستامن حربی'' کی جان و مال معصوم ہیں اور غیر اسلامی طریقوں: سود، قمار، شراب وخنزیر

کی فروخت وغیرہ کے ذریعہ ان کے مال کا حصول جائز نہیں اسی طرح ''دارالامن'' کے دوسرے باشندوں کے ساتھ معاہدہ وامن کی وجہ سے ان کے جان و مال بھی معصوم ہیں، اور ان غیر شرعی طریقوں پر ان کا حصول جائز نہیں۔

موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک تقریباسب ہی ''دارالامن'' ہیں

موجودہ دور میں جو غیر مسلم ممالک ہیں ان میں سے چند کمیونسٹ ممالک کو چھوڑ کر تقریبا سب ہی ''دارالامن'' میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

(مستفاد: جدید فقہی مسائل (حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ) ص از:۳۹ تا:۵۲ ج۴، ملخصا، مطبوعہ: زمزم پبلشرز، کراچی)

کیا غیر مسلم ملک سے ہجرت ضروری ہے؟

''موسوعہ فقہیہ'' (ص ۲۴۱ ج ۲۰، عنوان: دارالحرب) میں ہے:

احناف کے یہاں تو ''دارالحرب'' سے بھی ہجرت واجب نہیں، اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے:

(۱)......**لا هجرة بعد فتح مكة ، الخ ۔**

(بخاری، باب لا هجرة بعد الفتح ، كتاب الجهاد و السير ، رقم الحديث:۳۰۷۸/۳۰۷۹)

ترجمہ:......فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

(۲)......**مضت الهجرة لاهلها ، الخ ۔**

(بخاری، باب البيعة فی الحرب علی ان لا يفرّوا ، كتاب الجهاد ، رقم الحديث:۲۹۶۲/۲۹۶۳)

ترجمہ:......ہجرت ان کے اہل کے لئے گذر چکی ہے۔

(۳)......**عن عطاء بن ابی رَباح قال : زرتُ عائشة رضی الله عنها مع عُبَيد بن عُمَير**

اللّیثی فسألناها عن الهجرة ؟ فقالت : لا هجرة الیوم ، کان المؤمنون یفِرُّ أحدُهم بدینه الی الله تعالی والی رسوله صلی الله علیه وسلم مَخافةَ أن یُفْتن علیه ، فأمّا الیوم فقد أظهر الله الاسلامَ ، والیوم یعبُدُ ربّه حیثُ شاء ، الخ ۔

(بخاری، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم وأصحابه الی المدینة ، کتاب مناقب الانصار ، رقم الحدیث:۳۹۰۰)

ترجمہ:......حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبید بن عمیر لیثی رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی، ہم نے ان سے ہجرت کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے فرمایا: آج کل ہجرت (فرض) نہیں ہے، (ایک زمانہ تھا کہ) مؤمنوں میں سے ہر کوئی فتنہ میں مبتلا ہونے کے ڈر سے اللہ تعالی کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بھاگتا تھا، لیکن آج کل اللہ تعالی نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور اب مؤمن جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

(۴)......انقطعت الهجرة مُنْذُ فتح الله علی نبیِّه صلی الله علیه وسلم مکة۔

(بخاری، باب لا هجرة بعد الفتح ، کتاب الجهاد ، رقم الحدیث:۳۰۸۰)

ترجمہ:......جب سے اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لئے مکہ فتح فرمایا ہے، (اس وقت سے) ہجرت منقطع ہوگئی ہے۔

جب دار الحرب سے ہجرت فرض نہیں رہی تو پھر ’’دار الامن‘‘ سے ہجرت کو ضروری کہنا کیسے درست ہوگا؟۔ کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ مطابق: ۱۲/ دسمبر ۲۰۲۳، بروز منگل

آپ ﷺ کا ارشاد:

’’ اُمِرْتُ أنْ اُقَاتل النّاس ‘‘

کی وضاحت

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

آپ ﷺ کا ارشاد: ''اُمِرۡتُ أنۡ اُقَاتل النّاس'' کی وضاحت

سوال:......کیا یہ حدیث'' اُمِرۡتُ أنۡ اُقَاتِل النّاسَ حتّی یقولوا : لا اله الا الله '' ثابت ہے؟ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما :......جی اس مضمون کی احادیث مختلف کتب حدیث میں آئی ہیں۔ اس حدیث سے یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ اسلام زبردستی غیر مسلم کو مسلمان بنانے کا نظریہ رکھتا ہے، اور جب تک کوئی کافر مسلمان نہ ہو وہاں تک اس سے قتال کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اگر حدیث کا یہی مطلب ہے تو کیا کوئی غیر مسلم بتا سکتا ہے کہ کسی مسلمان نے کسی کافر سے زبردستی شہادت قبول کرنے تک قتال کیا ہو۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد دینا کے ایک بڑے حصہ پر برسوں نہیں صدیوں مسلم حکومتیں رہیں، کیا کوئی اس طرح کے واقعات مثال میں پیش کئے جا سکتے ہیں؟

اب حدیث اور اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، پھر اس کی تشریح لکھتا ہوں تا کہ حدیث کا مطلب سمجھنے میں آسانی رہے، اور غلط فہمی دور ہو۔

(۱)......عن انس بن مالک رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اُمِرۡتُ أنۡ اُقَاتِل النّاسَ حتّی یقولوا : لا اله الا الله ، الخ ۔

(بخاری، باب فضل استقبال القبلة ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۳۹۲)

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ کہیں: لا الہ الا اللہ۔

نوٹ:...... یہ حدیث ''ابوداؤد، نسائی، ترمذی'' وغیرہ کتب حدیث میں بھی آئی ہے۔

(ابوداؤد، باب علی ما یقاتل المشرکون ؟ کتاب الجهاد ، رقم الحدیث :۲۶۴۱۔ترمذی، باب ما جاء فی قول النبی صلی الله علیه وسلم : امرت ان اقاتل الناس ، کتاب الایمان ، رقم الحدیث : ۲۶۰۸۔نسائی، باب علی ما یقاتل الناس ، کتاب الایمان وشرائعه ، رقم الحدیث:۵۰۰۶)

تشریح:......اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دورانِ قتال کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو اگر چہ اس نے کلمہ سچے دل سے نہ پڑھا ہو تب بھی تلوار روک لے، پھر اس کا قتل جائز نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کافر کو زبردستی مارو یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ لے۔

یہ حدیث بہت اہم ہے، اسی حدیث کی وجہ سے لوگوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، وہ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی کافر موجود ہے جنگ جاری رکھی جائے گی، حدیث کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اس حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے، اگر دشمن جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کردینی ضروری ہے، خواہ اس نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، جب یہ ایمان لے آیا تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے، اب اس سے لڑنا جائز نہیں۔ اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے، فرد کے لئے بھی ہے، اگر کوئی فرد دوران جنگ کلمہ پڑھ لے تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ جہینہ کے ایک آدمی کو قتل کیا، جس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا حالانکہ جب وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا، مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے، صدق دل سے مسلمان نہیں ہوا۔ جب اس واقعہ کی آپ ﷺ کو اطلاع

ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا کلمہ پڑھنے کے بعد تم نے اس کو قتل کردیا؟ آپ ﷺ نے یہ جملہ بار بار فرمایا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تمنا کرنے لگے کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

(بخاری، باب بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم اسامة بن زید الی الحُرُقات من جُهَينة ، کتاب المغازی ، رقم الحدیث:۴۲۶۹)

ایک جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کفار کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے ''اسلمنا'' کے بجائے ''صَبأنا'' کہا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا مطلب نہیں سمجھا اور ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! خالد (رضی اللہ عنہ) نے جو کیا میں اس سے بری ہوں، میں نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر:۴۳۳۹)

(بخاری، باب بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم خالد بن الولید الی بنی جذیمة ، کتاب المغازی ، رقم الحدیث:۴۳۳۹)

ان واقعات سے بخوبی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر دشمن جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کرنا ضروری ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، مذکورہ حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے۔

لیکن اگر یہ حدیث آدھی پڑھی جائے تو غلط فہمی ہوگی، جیسے ﴿ لا تقربوا الصلوة ﴾ پر رک جائے اور ﴿ وانتم سکاری ﴾ نہ پڑھیں تو مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا، اسی طرح اس حدیث کو بھی آدھی پڑھ کر رک جائیں تو غلط فہمی ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کو جنگ کے ذریعہ دین پھیلانے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن اگر حدیث پوری پیش نظر رکھی جائے تو غلط فہمی ہر

گز نہیں ہوگی، بلکہ صحیح مطلب سمجھ میں آجائے گا کہ حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں جنگ بندی کا حکم ہے۔واللہ تعالی اعلم و علمه احکم واتم۔

(مستفاد: الدر المنضود ص ۳۷۵ ج ۴۔تحفۃ القاری ص ۲۳۵ ج ۱/اور ص ۲۲۸ ج ۲۔تحفۃ الالمعی ص ۳۷۳ ج ۶)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲۸/جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ مطابق: ۱۲/دسمبر ۲۰۲۳ء

بروز منگل

سفیانی کون ہے؟ اور اس کی کچھ تفصیل

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

سفیانی کون ہے؟ اور اس کی کچھ تفصیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:......سفیانی کا ذکر بار بار سنا، وہ کون ہے؟ اس کے بارے میں کچھ تفصیل فرما دیں۔

الجواب:......حامدا و مصلیا و مسلما: قیامت کی علامات اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سفیانی کا ذکر ہے۔ بعض میں مختصر اور بعض میں کچھ تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ کتب احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ان کتب میں مذکورہ امور کی تفصیل کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں:

سفیانی خالد بن یزید بن ابوسفیان کی اولاد میں ہوگا، اس لئے اس کو سفیانی کہتے ہیں۔ اس کے نام کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں، ایک قول میں اس کا نام: عروہ، دوسرے قول میں: عبداللہ، تیسرے قول میں: عتبہ بن ہند'' آیا ہے۔

یہ شخص بھاری بھرکم جسم والا، چہرے پر چیچک کے آثار ہوں گے، آنکھ میں سفید داغ کا نشان ہوگا، دونوں آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہوں گی، (ایک روایت کے مطابق وہ کانا ہوگا) انتہائی بدشکل ہوگا، اس کے بازو اور پنڈلیاں پتلی ہوں گی، گردن لمبی ہوگی، انتہائی زرد رنگ کا ہوگا۔

خاندان قریش سے ہوگا، ننیالی رشتہ میں اس کا تعلق قبیلہ کلب سے ہوگا، اس لئے اس قبیلہ کے لوگ اس کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دمشق کے ایک علاقہ وادی یابس سے سات آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ خروج کرے گا، جن میں ایک آدمی کے پاس سرخ جھنڈا ہوگا، لوگ اس کے جھنڈے کے متعلق یہ گمان اور تصور کریں گے کہ اس کے ساتھ مدد ہوگی، اور اس کے آگے تیس میل چلتے

ہوں گے، جو آدمی بھی اس جھنڈے کو گرانا چاہے گا وہ خود ہی شکست کھا جائے گا۔

یہ بہت ظالم اور بد دین شخص ہوگا، بکثرت لوگوں کا قتل کرے گا، اہل بیت اور سادات بطور خاص اس کا نشانہ بنیں گے۔ عورتوں کا پیٹ چیرے گا، اور معصوم بچوں کو نکال کر قتل کرے گا۔ علماء اور فضلاء سے اپنی مدد کا مطالبہ کرے گا، وہ انکار کریں گے تو ان کو قتل کرے گا۔ یہ جہاں سے بھی گزرے گا وہاں تباہی پھیلا دے گا، قلعوں کو منہدم کردے گا۔ بغداد پہنچ کر ایک لاکھ آدمیوں کو موت کی گھاٹ اتار دے گا، پھر کوفہ کی طرف روانہ ہوگا اور وہاں ساٹھ ہزار افراد کو قتل کرے گا۔

اس کی بد دینی کا حال یہ ہوگا کہ ایک عورت سے دن کے وقت دمشق کی جامع مسجد میں شراب کی ایک مجلس میں بدکاری کی جائے گی، اسی طرح جامع مسجد دمشق کے محراب میں اپنی ران پر ایک عورت کو بٹھائے گا، اس پر ایک غیرت مند مسلمان یہ کہہ کر نکیر کرے گا کہ: افسوس ہے تجھ پر ایمان کے بعد کفر کرتا ہے؟ سفیانی اس کلمہ حق کہنے والے کو قتل کردے گا، بلکہ اس حق گو کی تائید کرنے والوں کو بھی قتل کردے گا۔

اس کی حکومت کا علاقہ شام، دمشق اور مصر ہوگا۔ اس کی مدت حکومت ساڑھے تین سال اور ایک قول کے مطابق ۱۷/ یا ۱۹/ ماہ ہوگی۔ اس کی بیعت کرنے والے اہل شام ہوں گے، (عقیل بن عقال جرہمی بھی اس سے بیعت کریگا، اور ہمام بن الورد اس کے ساتھ ہوگا)۔

سفیانی کے خروج کی نشانی یہ ہوگی کہ دمشق کی ایک بستی -جس نام شاید ''حرستا'' ہوگا- کو زمین میں دھنسایا جائے گا، اور دمشق کی جامع مسجد کی مغربی جانب گر جائے گی۔

سفیانی کو خواب دکھایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ: اٹھ اور نکل، وہ اس ارادے

سے اٹھے گا لیکن اپنی موافقت میں کسی کو نہ پائے گا، دوبارہ ایسا ہی خواب دیکھے گا، پھر تیسری مرتبہ اس کو خواب میں کہا جائے گا: اٹھ! خروج کر! اور دیکھ کہ تیرے گھر کے دروازے پر کون ہے؟ چنانچہ وہ اٹھ کر دیکھے گا تو اس مرتبہ دروازے پر سات یا نو افراد کو پائے گا جن کے پاس جھنڈے ہوں گے اور وہ اس سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں (اس لئے تم ہمیں اپنا سمجھو اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں) چنانچہ وہ ان کے ساتھ نکلے گا۔ اس لشکر کی سر کوبی کے لئے دمشق کا گورنر روانہ ہوگا، لیکن جیسے ہی اس کی نظر سفیانی کے جھنڈے پر پڑے گی وہ شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ ان دنوں دمشق کا گورنر بنو عباس کی طرف سے مقرر ہوگا۔

سفیانی اس لشکر کو لے کر اہل مشرق سے قتال کرے گا اور ان کو فلسطین سے گذرتا ہوا دمشق کے جنوب تک جا پہنچے گا، وہاں دوبارہ جنگ ہوگی جس میں اہل مشرق ہار جائیں گے، پھر وہ مختلف جگہوں پر جمع ہو کر دو تین بار سفیانی سے لڑیں گے، مگر ہر وقت ہاریں گے، اور سفیانی ان کے اموال کو مال غنیمت بنالے گا۔ اس کے پاس بانس کی تین لکڑیاں ہوں گی، وہ جس کو بھی ان لکڑیوں سے مارے گا وہ مر جائے گا۔ سات دن تک اہل مصر سے لڑائی ہوگی اور مصر کے ستر ہزار افراد قتل ہو جائیں گے، پھر اہل مصر تھک کر اس سے صلح کرلیں گے اور اس کی بیعت کرلیں گے۔ اسی طرح قبیلہ قیس بھی اس سے جنگ کریں گے مگر سفیانی ان سب کو قتل کرے گا۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور سے پہلے: ۳۶۰/ سواروں کے ساتھ سفیانی کا خروج ہوگا، اس کے بعد اس کے ننہال بنو کلب کے تیس ہزار افراد اس کے متبع ہو جائیں گے اور وہ عراق پر حملہ کے لئے اپنا لشکر روانہ کرے گا جو مقام زوراء (ایک مشرقی شہر) میں قتل و

غارت گری کا بازار گرم کرے گا، پھر اس کے لشکری کوفہ پر حملہ کرکے اس کو لوٹ لیں گے (ادھر تو یہ ہو رہا ہوگا اور ادھر) مشرق کی طرف سے ایک جھنڈا ظاہر ہوگا جس کی قیادت بنو تمیم کے شعیب بن صالح نامی ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ قیدی کوفیوں کو آزاد کرائے گا اور سفیانی کے لشکروں سے جنگ کرے گا۔ سفیانی اپنا دوسرا لشکر مدینہ منورہ کی طرف بھیجے گا، وہاں بھی اس کے لشکری تین دن تک لوٹ مار کرتے رہیں گے، پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوجائیں گے اور جب بیداء نامی جگہ پر پہنچیں گے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوگا وہ اپنا پاؤں ان پر ماریں گے جس کی وجہ سے پورا لشکر زمین میں دھنس جائے گا اور صرف دو آدمی بچیں گے۔ وہ دونوں سفیانی کو اس ہولناک واقعے کی خبر دیں گے، لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، (اس کے دو سپاہی روم بھاگ جائیں گے تو) وہ بادشاہ روم کے پاس پیغام بھیجے گا کہ: میرے پاس ان دونوں سواروں کو بھیج دو جو قسطنطنیہ سے بھاگ گئے ہیں، وہ ان کو واپس بھیج دے گا، وہ جرم فرار کی سزا میں دمشق کے دروازے میں ان کی گردنیں مار دے گا۔

جب سفیانی کو حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کی اطلاع ہوگی تو وہ اپنا ایک لشکر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے بھیجے گا، وہ لشکر مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکلے گا اور مقام بیداء (ذوالحلیفہ کے سامنے مکہ مکرمہ کی سمت ایک چٹیل میدان) پر پڑاؤ ڈالے گا اچانک لشکر کا درمیانی حصہ زمین میں دھنس جائے گا، اگلے حصہ والے اس کی خبر پچھلے حصہ والوں کو دیں گے مگر ان میں کوئی بھی بچ نہ سکے گا اور سب ہی کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، صرف ایک آدمی بچے گا جو دوسروں کو اس حادثہ کی اطلاع دے گا۔

جب سفیانی کو اس کے لشکر کے دھنسا دیئے جانے کی اطلاع ملے گی تو وہ خود لشکر لے کر

مکہ مکرمہ کی طرف چلے گا، اور مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرے گا، مسلمان اس وقت حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی امارت میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے بہت کمزور ہوں گے، گویا کہ بدر جیسا منظر ہوگا، لیکن اللہ تعالی کی مدد سے سفیانی لشکر کو بھاری شکست ہوگی اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ غالب آجائیں گے۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ حجاز کے درمیان شام کی سرحد کے قریب پڑاؤ ڈالیں گے، وہاں پہنچ کر لوگ ان سے سفیانی پر لشکر کشی کا مطالبہ کریں گے، لیکن حضرت مہدی رضی اللہ عنہ عجلت کو ناپسند سمجھیں گے اور فرمائیں گے: میں سفیانی کے پاس اپنی اطاعت کا پیغام بھیجتا ہوں، اگر اس نے میری اطاعت کرنے سے انکار کیا تو میں اس سے جہاد کروں گا، چنانچہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ سفیانی کو خط لکھیں گے (جس میں اس سے اپنی بیعت و اطاعت کا مطالبہ کریں گے) جب وہ خط سفیانی کو ملے گا تو وہ اپنے مشیروں کے مشورے سے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلے گا اور وہاں سے روانہ ہوکر بیت المقدس جا پہنچے گا۔

سفیانی کی بیعت کے بعد قبیلۂ بنوکلب کا کنانہ نامی شخص اپنے ساتھ چند لوگوں کو لے کر سفیانی سے ملاقات کرے گا اور اس سے کہے گا کہ: ہم نے تیری بیعت کی اور تیری مدد کی یہاں تک کہ تو زمین کا بادشاہ بن گیا تو' تو نے اس آدمی یعنی مہدی (حضرت مہدی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرلی؟ اور اس کو عار دلاتے ہوئے کہے گا: اللہ تعالی نے تجھے ایک قمیص پہنائی تھی تو نے اس کو کیوں اتار دیا؟ سفیانی کہے گا: میں تو مہدی (حضرت مہدی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرچکا ہوں، کیا اپنا وعدہ توڑ دوں؟ وہ کہے گا، ہاں، ہم تیرے ساتھ ہیں، بنو عامر کے تمام افراد بھی تیری مدد کریں گے، اور ہم تجھے یقین دلاتے ہیں کوئی آدمی بھی

میدان جنگ سے پیٹھ نہیں پھیرے گا۔سفیانی ان کی باتوں میں آکر بغاوت کردے گا۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کو جب اس کی بغاوت کی اطلاع ملے گی تو آپ اس سے جہاد کریں گے اور سفیانی کا لشکر پشت پھیر کر بھاگے گا،سفیانی پکڑ کر قید کرلیا جائے گا اور اسے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا جائے گا آپ اسے ایک کنیسہ کے پاس موجود چٹان پر بکری کی طرح ذبح کروادیں گے۔

سفیانی کے قتل بعد حضرت مہدی رضی اللہ عنہ مال غنیمت تقسیم فرمائیں گے،اسی کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱)......قال صلى الله عيه وسلم : الخائب من خاب يومئذ من غنيمة كلب ولو بعقال ، قيل يا رسول الله ! كيف يغنمون أموالهم و يسبون ذراريهم وهم مسلمون ؟ قال صلى الله عليه وسلم : يكفرون باستحلالهم الخمر والزنا۔

(الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص۱۹۵، المقام الثالث فى الفتن الواقعة قبل خروجه)

ترجمہ:......آپ ﷺ نے فرمایا:اس دن وہ شخص سب سے بڑا محروم ہوگا جو کلب کے مال غنیمت سے محروم رہا(اس مال غنیمت میں سے کچھ نہ کچھ ضرور لے) اگر چہ اونٹ کو باندھنے کی رسی ہی کیوں نہ ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ لوگ ان کے اموال کو غنیمت اور بچوں کو ان کے مسلمان ہونے کے باوجود کیسے قیدی بنالیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شراب اور زنا کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر قرار دیئے جائیں گے۔

(۲)......عن أبى هريرة رضى الله عنه مرفوعا : المحروم من حُرِم غنيمة كَلْب ولو عِقالا ، والذى نفسى بيده لَتُباعُنَّ نساءَ هم على دَرَج دِمشق حتّى تُرَدّ المرأة من كَسَرٍ يُوجد بِسَاقها۔

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا روایت نقل فرماتے ہیں کہ: وہ شخص محروم ہوگا جو کلب کے مال غنیمت سے محروم رہا (اس مال غنیمت میں سے کچھ نہ کچھ ضرور لے) اگر چہ اونٹ کو باندھنے کی رسی ہی کیوں نہ ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے (اس کثرت سے باندیاں ہوں گی کہ) وہ دمشق کی شاہ راہ پر فروخت کی جائیں گی، ان میں ایک عورت (باندی) صرف پنڈلی میں ذرا نقص کی وجہ سے واپس کردی جائے گی۔

(المستدرک علی الصحیحین ، کتاب الفتن والملاحم ، رقم الحدیث:۸۳۲۹)

(۳)......عن ام سلمة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :... والخَیْبَة لمن لم یَشْهَدْ غنیمةَ کلبٍ ، الخ۔

(ابوداؤد، اوّل کتاب المهدی ، رقم الحدیث:۴۲۸۶)

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:...جو شخص قبیلہ کلب کی غنیمت میں حاضر نہ ہوا وہ خسارہ میں ہے۔

(مستفاد: کتاب البرہان ص ۲۴۹ ۶۵۴/ ۶۵۵ ج ۲۔ کتاب الفتن ص ۱۸۸/۱۸۹/۱۹۰/۱۹۶/۲۰۱/ ۲۰۲۔التذکرۃ ، للقرطبی ص ۶۹۴/ ۶۹۵۔ القول المختصر فی علامات المهدی المنتظر ص ۴۰۔ ''قیامت''از: حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ۔''اسلام میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تصور''از: مولانا حافظ محمد ظفر اقبال صاحب۔''ظہور مہدی کب؟ کہاں؟ اور کس طرح؟ از: مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب۔''ترجمان السنہ''از: حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ)

سفیانی کے بارے میں چند احادیث

(ا)......عن أبی هریرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :

يـخـرُج رجـل يُقال له : السُّفياني في عُمُق دِمَشق ' وعامّة من يَتّبِعه من كلبٍ ، فيَقتُل حتى يَبْقر بُطون النّساء ' ويَقتُل الصِّبيان ' فتجمع لهم قيسٌ فيَقْتُلها حتى لا يَمْنع ذَنَب تَلْعَةٍ ' ويخرج من أهل بيتي في الحرّة فيبلُغ السُّفياني ' فيبْعَث اليه جُنْدًا من جنده فيهزِمهم ' فيسير اليه السفياني بمن معه حتى اذا صار ببيداء من الارض خُسف بهم ' فلا ينجوا منهم الا المُخْبِر عنهم۔

(المستدرک علی الصحیحین ص۵۲۰ ج۴، ذكر خروج السفياني من دمشق و هلاكه ،كتاب الفتن والملاحم ، رقم الحديث:۸۵۸٦)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا جس کی عام طور پر اتباع کرنے والے قبیلۂ کلب کے لوگ ہوں گے، وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل کرے گا، اس کے مقابلہ کے لئے قبیلہ قیس کے لوگ جمع ہوں گے پھر وہ ان کو قتل کرے گا حتی کہ کسی ٹیلے کی گھاٹی ان کو بچا نہ سکے گی، اور میرے اہل بیت میں سے سنگستان مدینہ (حرہ) میں ایک شخص ظاہر ہوگا، اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کرے گا، وہ شخص ان کو شکست دے گا، اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لے کر خود ان کے مقابلہ کے لئے چلے گا یہاں تک کہ جب بیداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے، اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا، مگر صرف ایک شخص جو ان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (ترجمان السنہ ص۴۰۲ ج۴)

(۲)......عن حفصة رضي الله عنها : انّها سمِعَتِ النبي صلى الله عليه وسلم يقول : لَيَؤُمَّنَّ هذا البيت جيشٌ يَغْزونه ' حتى اذا كانوا ببيداء من الارض ' يُخْسف بأوسطِهم

ویُنادی أوّلُهُم آخِرَهُم ' ثم یُخسَف بهم ' فلا یَبْقی الا الشّرید الّذی یُخبِر عنهم ،

فقال رجل : أشهد علیک انّک لم تَکْذِبُ علی حفصة ، وأشهد علی حفصةَ انّها لم تکذِبُ علی النبی صلی الله علیه وسلم۔

(مسلم، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت ، کتاب الفتن ، رقم الحدیث:۲۸۸۳)

ترجمہ:......حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اس بیت سے لڑنے کے ارادہ سے ایک لشکر روانہ ہوگا یہاں تک کہ جب وہ ہموار زمین میں پہنچے گا تو اس لشکر کے درمیانی حصہ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، اور پہلے حصہ والے آخری حصہ والے کو پکاریں گے، پھر ان کو بھی دھنسا دیا جائے گا، پھر صرف وہ شخص باقی رہ جائے گا جو بھاگ کر ان کی اطلاع دے گا۔

ایک شخص نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹ نہیں باندھا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا۔

(۳)......ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : سیَعوذ بهذا البیت –یعنی الکعبة– قوم لَیُسَتْ لهم مَنَعَةٌ ولا عدد ولا عُدّة ' یُبْعَثُ الیهم جیش ' حتی اذا کانوا ببیداء من الارض خُسِف بهم۔

(مسلم، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت ، کتاب الفتن ، رقم الحدیث:۲۸۸۳)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قوم اس بیت –یعنی کعبہ– میں پناہ لے گی، نہ ان کے ساتھ لشکر ہوگا، نہ ان کے پاس قوت مدافعت ہوگی، نہ عددی قوت ہوگی نہ کوئی تیاری، ان سے لڑنے کے لئے ایک لشکر بھیجا جائے گا یہاں تک کہ وہ بیداء زمین کے ایک

حصہ میں پہنچیں گے تو ان کو دھنسا دیا جائے گا۔

(۴)......عن عائشة رضی الله عنها قالت : عَبِثَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم فی منامه فقلنا : یا رسول الله ! صنعتَ شیئا فی منامک لم تکن تفعلُه ؟ فقال : العجب انّ ناسا من امتی یَؤُمُّون البیت برجل من قریش ، قد لَجَأ بالبیت ، حتی اذا کانوا ببیداء خُسف بهم ، فقلنا : یا رسول الله ! ان الطّریق قد یجمع الناس ، قال : نعم ، فیهم المُستَبصِر والمجبور وابن السبیل ، یَهلِکُوق مَهلکا واحدا ، و یَصدُرون مصادِر شتّٰی ، یبعثُهم الله علی نِیَّاتِهم۔

(مسلم، باب الخسف بالجیش الذی یؤم البیت ، کتاب الفتن ، رقم الحدیث:۲۸۸۴)

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے نیند میں اپنے ہاتھ پیر ہلائے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے اپنی نیند میں وہ کام کیا جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تعجب ہے میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہوگی، یہاں تک کہ جب مقام بیداء میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! راستہ میں تو سب لوگ جمع ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان میں با اختیار، مجبور اور مسافر بھی ہوں گے وہ سب ایک ساتھ ہلاک ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کے اعتبار سے ان کو الگ الگ اٹھائیں گے۔

(۵)......عن ام سلمة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : یکون اختلافٌ عند موتِ خلیفةٍ ، فیَخرُج رجلٌ من أهل

المدينة هارِبا الى مكة ، فيأتيه ناسٌ من أهل مكة فيُخرِجونه ' وهو كارهٌ ' فيُبَايِعُونه بين الرُّكن والمقام ، ويُبعث اليه بَعثٌ من الشام ' فيُخسف بهم بالبيداء بين مكّة والمدينة ، فاذا رأى الناس ذلك أتاه أبدال الشام ' وعَصائِبُ أهل العراق فيُبَايِعونه ' ثم يَنشأ رجلٌ من قريش أخوالُه كلبٌ ' فيَبعث اليهم بَعثا ' فيَظهَرون عليهم' وذلك بَعث كلبٍ ' والخَيبَة لمن لم يَشهَدُ غنيمةَ كلبٍ ' فيَقسِم المال ويعمل فى الناس بِسُنَّة نبيهم صلى الله عليه وسلم ' ويُلقى الاسلام بِجرانه الى الارض ' فيَلبَث سبعَ سِنين ' ثم يُتوفّى و يُصلِّي عليه المسلمون۔

(ابوداؤد، اوّل کتاب المهدی ، رقم الحدیث:٤٢٨٦)

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک خلیفہ کے انتقال کے وقت اختلاف ہوگا، تو اہل مدینہ میں سے ایک صاحب بھاگ کر مکہ مکرمہ چلے جائیں گے، اہل مکہ انہیں زبردستی نکالیں گے اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گے، پھر ملک شام سے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا، اس لشکر کو مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا جو مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے، جب لوگ اس (عجیب واقعہ) کو دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کے نیک لوگوں کی جماعتیں ان کے پاس آ آ کر بیعت کریں گی، پھر قریش کا ایک شخص ظاہر ہوگا، جس کے ننہال قبیلۂ کلب میں ہوگا وہ ان کے مقابلہ کے لئے لشکر کشی کرے گا، حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا لشکر اس کے لشکر پر غالب آ جائے گا، یہ قبیلہ کلب کا لشکر ہے، اور جو شخص قبیلہ کلب کی غنیمت میں حاضر نہ ہوا وہ خسارہ میں ہے، پھر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ مال تقسیم فرمائیں گے اور لوگوں میں نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مطابق

احکام نافذ کریں گے، اور اسلام اپنی گردن زمین پر ڈال دے گا، (یعنی اسلام کو زمین پر استقرار نصیب ہوگا) اور وہ سات سال تک رہیں گے، پھر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگا، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(۶)......آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوسفیان کی اولاد میں سے ایک شخص اسلام میں ایسا سوراخ کھول دے گا کہ پھر اس کو بند نہیں کیا جاسکے گا۔ (کتاب الفتن ص ۱۸۹)

(۷)......آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین کا یہ امر ٹھیک چلتا رہے گا یہاں تک کہ سب سے پہلے اس کا مثلہ بنو امیہ کا ایک شخص کرے گا۔ (کتاب الفتن ص ۱۸۹)

نوٹ:......سفیانی نام کے تیس افراد ہوں گے، یہاں جس سفیانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور سے پہلے والا سفیانی مراد ہے۔

نوٹ:......سفیانی کی موت کے بارے میں روایتوں میں اختلاف ہے ''مستدرک حاکم'' کی روایت میں ہے: وہ مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔

(المستدرک علی الصحیحین ص۵۲۰ ج۴، ذکر خروج السفیانی من دمشق و ھلاکہ، کتاب الفتن والملاحم، رقم الحدیث:۸۵۸۶۔ ترجمان السنہ ص۴۰۲ ج۴)

اور ''الاشاعۃ'' کی روایت میں ہے کہ: حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اسے قتل کریں گے۔

(الاشاعۃ لاشراط الساعۃ ص۱۹۴، المقام الثالث فی الفتن الواقعۃ قبل خروجہ)

اس تعارض کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ: کسی ایک روایت کو ترجیح دی جائے، اس طرح کہ اگر ''الاشاعۃ'' کی روایت کو ترجیح دی جائے تو ماننا پڑے گا کہ سفیانی حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اور اگر ''مستدرک حاکم'' کی روایت کو ترجیح دی جائے تو ماننا پڑے گا کہ: وہ میدان بیداء میں مرا۔ درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ: ''مستدرک حاکم'' کی

روایت میں اختصار ہے، اور ’’الاشاعہ‘‘ کی روایت میں تفصیل ہے۔ اس لئے بات کو ترجیح دی جائے کہ ’’الاشاعہ‘‘ کی روایت واضح ہے۔ اور سفیانی کا حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا جانا صحیح ہے۔

واللہ تعالی أعلم وعلمه أحکم وأتم

مرغوب احمد لاجپوری

۱۵؍شوال ۱۴۴۵ھ، مطابق: ۲۴؍اپریل ۲۰۲۴ء

بدھ

’’مناقب معاوية‘‘ کے بجائے لفظ’’ ذکر معاوية‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ کا’’مناقب معاوية‘‘ کے بجائے لفظ’’ ذکر معاوية‘‘ سے باب قائم فرمانا،امام بخاری رحمہ اللہ کا دس صحابہ کے بارے میں لفظ’’ذکر‘‘ سے باب قائم فرمانا،امام بخاری رحمہ اللہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تین روایتیں لانا،امام ترمذی رحمہ اللہ کا’’مناقب‘‘ کے لفظ سے باب قائم فرمانا،قرآن کریم کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے لفظ’’ذکر‘‘ بیان کرنا’’مسلم شریف‘‘میں حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے لفظ’’ذکر‘‘ سے باب قائم کرنا،وغیرہ اموراس مختصر مقالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ، والصلوة والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

امام بخاری رحمہ اللہ کا ’’مناقب معاویة‘‘ کے بجائے لفظ ’ذکر معاویة‘ سے باب قائم فرمانا

سوال:......امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب مناقب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ’’باب مناقب معاویة ‘‘یا’’ باب فضائل معاویة ‘‘کے الفاظ سے عنوان قائم نہیں کیا، بلکہ’’ باب ذکر معاویة ‘‘کے الفاظ سے باب قائم کیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کے قائل نہیں۔

الجواب:......اس مہمل سوال کا جواب کیا دیا جائے، ایسا لگتا ہے کہ معترض حب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نعمت سے عاری اور صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں اس طرح کی بات کررہا ہے۔بخاری شریف کی’’ کتاب المناقب ‘‘کے دوسرے ابواب کے عنوانات پر ایک طائرانہ نظر کر لی جائے تو اس اعتراض کا جواب مل جائے گا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اسی طرح کا عنوان قائم کیا ہے، جیسے:

امام بخاری رحمہ اللہ کا دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لفظ’’ذکر‘‘ سے باب قائم فرمانا

’’باب ذکر العباس بن عبد المطلب رضی الله عنه ‘‘’’باب ذکر طلحة بن عبید الله ‘‘’’باب ذکر اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ، منهم ابو العاص بن الربیع ‘‘’’باب ذکر اسامة بن زید ‘‘’’باب ذکر مصعب بن عمیر ‘‘’’باب ذکر

ابن عباس رضی الله عنهما‘‘’’باب ذکر جریر بن عبد الله البجلی رضی الله عنه‘‘ ’’باب ذکر حذیفة بن الیمان العبسی رضی الله عنه‘‘’’باب ذکر هند بنت عتبة بن ربیعة رضی الله عنها‘‘۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تین روایتیں لانا

پھرامام بخاری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس باب میں تین روایتیں لائے ہیں، جن میں پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کوصحابی رسول فرماتے ہیں، دوسری روایت میں آپ کے فقاہت کی گواہی دے رہے ہیں،اوراسی میں حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ آپ کوامیر المؤمنین کا خطاب دے رہے ہیں،اورتیسری روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوداپنے صحابی ہونے کا شرف بیان فرمارہے ہیں۔

(۱)......عن ابن أبی ملیکة قال : أوتر معاویة بعد العشاء برکعةٍ وعنده مولًی لابن عباس فأتی ابن عباس فقال : دَعْه فانه قد صَحِبَ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم ۔

ترجمہ:......حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر کی نماز پڑھی،اوران کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے،وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے (اورانہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کوچھوڑو،انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل کی ہے(وہ توصحابی رسول ﷺ ہیں)۔

(۲)......عن ابن أبی ملیکة : قیل لابن عباس : هل لک فی أمیر المؤمنین معاویةَ

فانه ما اوتر الا بواحدة ؟ قال : أصاب انه فقيه۔

ترجمہ:......حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ: آپ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا رائے ہے، انہوں نے وتر کی صرف ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے (اپنے نزدیک) صحیح عمل کیا ہے، وہ فقیہ ہیں، (یعنی مجتہد ہیں)۔

(۳)......عن معاوية رضى الله عنه قال : انكم لتصلون صلوة لقد صحبنا النبى صلى الله عليه وسلم فما رأيناه يصليها ، ولقد نهى عنهما ، يعنى الركعتين بعد العصر ۔

ترجمہ:......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم یہ (عصر کے بعد دو رکعت نفل) نماز پڑھتے ہو، حالانکہ ہم نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں، ہم نے آپ ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور یقیناً آپ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری، باب ذکر معاوية رضى الله عنه ، كتاب فضائل اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ، رقم الحديث:۳۷۶۴/۳۷۵۶/۳۷۶۶)

امام ترمذی رحمہ اللہ کا ''مناقب'' کے الفاظ سے باب قائم فرمانا

پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے تو باب قائم کیا ہے ''باب مناقب معاوية بن أبى سفيان رضى الله عنه '' اس پر معترض کیا کہے گا؟۔

اس باب کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ دو حدیثیں لائے ہیں: ان میں پہلی حدیث میں آپ ﷺ کے صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعا دی ہے کہ: اے اللہ! (حضرت) معاویہ (رضی

اللہ عنہ) کو ہدایت دینے والے، ہدایت یافتہ بنا اور ان کے سبب (لوگوں کو) ہدایت دیجئے،

اور دوسری روایت میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کے سوا نہ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اے اللہ! (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے (لوگوں کو) ہدایت دیجئے۔

(۱)......عن عبد الرحمن ابن أبی عُمَیْرَةَ، وکان من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لمعاویة رضی الله عنه: اللهم اجعله هادیًا مَهْدِیًّا وَاهْدِ به۔

(۲)......فقال عُمَیْر: لا تذکروا معاویة الا بخیر، فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اللهمَّ اهْدِ به۔

(ترمذی، باب مناقب معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنه، ابواب المناقب، رقم الحدیث: ۳۸۴۲/۳۸۴۳)

قرآن کریم کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے لفظ ''ذکر'' بیان کرنا

پھر امام بخاری رحمہ اللہ کے لفظ ''ذکر'' سے کس قدر بیہودہ استدلال کیا جا رہا ہے، اگر لفظ ''ذکر'' سے عدم فضیلت پر دلیل پکڑنا درست ہو تو قرآن کریم کے ارشادات کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ قرآن کریم نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بارے میں کیا لفظ ''ذکر'' بیان نہیں فرمایا؟

(۱)......﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ﴾۔ (پ:۱۶/سورۂ مریم، آیت نمبر:۱۶)

(۲)......﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾۔ (پ:۱۶/سورۂ مریم، آیت نمبر:۴۱)

(۳)......﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ﴾۔ (پ:۱۶/سورۂ مریم، آیت نمبر:۵۱)

(۴)......﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ﴾۔(پ:۱۶/سورۂ مریم،آیت نمبر:۵۴)

(۵)......﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ﴾۔(پ:۱۶/سورۂ مریم،آیت نمبر:۵۶)

(۶)......﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ﴾۔(پ:۲۳/سورۂ ص،آیت نمبر:۱۷)

(۷)......﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ﴾۔(پ:۲۳/سورۂ ص،آیت نمبر:۴۱)

(۸)......﴿ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ﴾۔

(پ:۲۳/سورۂ ص،آیت نمبر:۴۵)

(۹)......﴿ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ﴾۔(پ:۲۳/سورۂ ص،آیت نمبر:۴۸)

(۱۰)......﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ﴾۔(پ:۲۶/سورۂ احقاف،آیت نمبر:۲۱)

''مسلم شریف'' میں حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے لفظ 'ذکر' سے باب قائم کرنا

امام مسلم رحمہ اللہ نے ''مسلم شریف'' میں اگر چہ خود ابواب قائم نہیں کئے، بقول امام نووی رحمہ اللہ: یا تو اختصار کے لئے یا کوئی امر جس کو امام مسلم رحمہ اللہ ہی زیادہ بہتر طور پر جانتے تھے، مگر جنہوں نے ابواب قائم کئے ہیں وہ کوئی عامی نہیں، وہ بھی اسلاف میں سے تھے۔ دیکھئے ''مسلم شریف'' میں ابواب قائم کئے ہیں: ''باب فضائل عیسی علیہ السلام'' ''باب من فضائل ابراھیم الخلیل علیہ السلام'' ''باب من فضائل موسی علیہ السلام'' ''باب من فضائل زکریا علیہ السلام'' ''باب من فضائل الخضر علیہ السلام'' مگر درمیان میں ایک باب قائم کر دیا اس میں بجائے ''فضائل'' کے ''ذکر'' کا لفظ لے آئے: ''باب فی ذکر یونس علیہ السلام''

اب کوئی کہے کہ ''مسلم شریف'' کے باب قائم کرنے والے حضرت یونس علیہ الصلوۃ و

السلام کی منقبت وفضیلت کے قائل نہیں، کیا کوئی عقلمند اور صاحب فطرت انسان اس کی تائید کرسکتا ہے؟ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر:

مرغوب احمد لاجپوری

۱۲/صفر ۱۴۴۵، مطابق: ۲۹/اگست ۲۰۲۳

بروز منگل

بکری کے آیت کے اوراق کو کھا جانے سے قرآن کی حفاظت پر اعتراض

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بکری کے آیت کے اوراق کو کھا جانے سے قرآن کی حفاظت پر اعتراض

سوال:......کیا آپ ﷺ کی وفات کی مشغول میں بکری گھر میں داخل ہو کر قرآن کریم کے اوراق کی آیتیں کھا گئیں تھیں؟ اور کیا اس سے قرآن کریم کی حفاظت مشکوک نہیں ہوتی ؟۔

الجواب:......''ابن ماجہ'' اور ''مسند احمد'' ایک روایت ہے، اس روایت کے الفاظ اور ترجمہ کو لکھتا ہوں۔ پھر اس پر اعتراض اور اس کا جواب بھی لکھا جائے گا۔

(۱)......عن عائشة رضى الله عنها قالت : لقد نزلت آية الرّجم ورضاعةُ الكبير عَشْرًا ولقد كان فى صحيفةٍ تحت سريرتى ' فلمّا مات رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وتشاغَلْنا بموته دخل داجِنٌ فأكلها۔

(ابن ماجہ، باب رِضاع الكبير ، كتاب النكاح ، رقم الحديث:۱۹۴۴)

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رجم اور بڑی عمر کے آدمی کو دس بار دودھ پلانے کی آیت نازل ہوئی اور میرے تخت کے نیچے کاغذ پر لکھی ہوئی تھی، جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور ہم آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے مشغول ہوئے تو ایک بکری (گھر میں) داخل ہوئی اور اس نے اسے کھالیا۔

تشریح:......یہ روایت ''مسند احمد بن حنبل'' میں بھی آئی ہے، اور اس میں تھوڑا سا فرق ہے، ابن ماجہ کی روایت میں ''فلمّا مات رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وتشاغَلْنا بموته دخل داجِنٌ فأكلها ''یعنی رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور ہم آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے مشغول ہوئے تو ایک بکری (گھر میں) داخل ہوئی اور اس نے اس کاغذ کو کھالیا،

اور ''مسند احمد'' کی روایت میں ''فلمّا اشتکی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتشاغَلْنا بأمرہ ودخلت دویبۃ لنا فأکلھا ''یعنی آپ ﷺ کو (مرض وفات) کی تکلیف شروع ہوئی تو ہم آپ کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئے، ہمارا ایک پالتو جانور تھا وہ آیا اور اس نے وہ کاغذ کھالیا۔

(مسند احمد ص۳۴۲ ج۴۳، تتمة : مسند عائشة رضی الله عنها ، رقم الحدیث:۲۶۳۱۶)

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ اعتراض کا موقع مل گیا کہ قرآن کریم کما حقہ محفوظ نہیں ہے، مستشرق ڈی' ایس' مارگولیوتھ نے قرآن کریم کی حفاظت کو مشکوک کرنے کے لئے کئی اعتراضات کئے، ان میں ایک اعتراض یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ آیتیں گم ہوگئی تھیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیتوں کا ذکر فرمایا ہے یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی تھی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان آیتوں کو منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں، لہذا اگر انہوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے کچھ نہ تھا، ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن کریم کا جزء ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں' وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں، لیکن انہوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی، اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں، اور قرآن کریم کی دوسری

آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا، لہذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ (علوم القرآن ص ۲۲۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کا مطلب ''واللہ اعلم'' یہ ہے کہ اس آیت کی تلاوت بہت بعد میں منسوخ ہوئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور بعض لوگوں کو اس کی تلاوت کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی، جب انہیں اس کی تلاوت کے منسوخ ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے اس کی تلاوت ترک کردی، اور اس بات پر سب کا اجماع ہوگیا کہ اس حکم کے باقی رہنے کے باوجود اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی، یہاں صرف تلاوت منسوخ ہے، حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ نسخ کی ایک قسم ہے۔

(موسوعہ فقہیہ ص ج ۲۲، (مترجم: ص ۲۸۷ ج ۲۲)، عنوان: رضاع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے، مگر واقع میں متروک ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ حضور ﷺ کی وفات تک قرآن کریم میں خمس معلومات کی قراءت کی جاتی تھی، اس صورت میں روافض کی بات صحیح ماننی پڑے گی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قرآن کریم کا بہت حصہ ضائع ہوگیا، حالانکہ یہ جملہ کفر ہے، اس سے آیت: ﴿ وانا له لحفظون ﴾ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی توجیہ اس طرح کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہونے سے مراد ہے آپ ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب آجانا، تو مطلب اس طرح ہوجائے گا کہ عشر معلومات کا نسخ تو خمس معلومات سے ہوگیا تھا، پھر آپ ﷺ کی وفات سے کچھ تھوڑا پہلے خمس معلومات بھی منسوخ ہوگیا، یہی صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری (اردو) ص ۲۰۹ ج ۲)

اصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک رضاعت کی مقدار کے بارے میں اور

حضرات سے مختلف تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک پانچ مرتبہ سے کم دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (موسوعہ فقہیہ ص ج ۲۲، (مترجم: ص ۲۸۷ ج ۲۲)، عنوان: رضاع)

یہ ہے اس حدیث کی اصلیت اور اس کا صحیح مطلب۔ باقی یہ فتنوں کا زمانہ ہے، ہر مدعی اپنے الو کو سیدھا کرنے کے لئے الٹے سیدھے اعتراضات کرتا ہے۔ اللہ تعالی سے اپنے ایمان کی حفاظت کی دعا کرتے رہنا چاہئے، اور اہل سنت والجماعت کے مسلک کو مضبوطی سے تھامے رہنا ہی اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

مرغوب احمد لاپوری

۲۹ر جمادی الاخری ۱۴۴۵، مطابق: ۱۲ر جنوری ۲۰۲۴

بروز جمعہ

موجودہ تبلیغی جماعت

اور چند قابل غور پہلو

تبلیغ ودعوت، اورحسبہ کے معانی، اس کا شرعی حکم، اور موجودہ دعوت وتبلیغ کی چند غلو آمیز باتوں کی اصلاح: مثلاً یہ نبیوں والا کام ہے، اس راستہ کا ثواب انچاس کروڑ ہے، حج وعمرہ سے اپنے اسفار کو بہتر قرار دینا، مشورہ میں غلو، بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا اہم کام ہے، خروج اصل ہے، سب علماء کو اللہ کے راستہ میں نکلنا چاہئے، دعوت تمام شعبوں کو پانی پہنچاتا ہے، ہر حال میں نکلنے پر اصرار، وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

اللہ تعالی نے موجودہ دعوت وتبلیغ کی محنت سے لاکھوں مسلمانوں کو راہ ہدایت دکھائی، اس کام کے فوائد سے انکار نہیں کیا سکتا، مگر اب اہل دعوت کا اسی کام کو سارا دین سمجھنا اور دوسرے دینی شعبوں کو اہمیت نہ دینا بھی غلط اور سراسر غلط ہے۔ دین کے تمام شعبے اپنی جگہ پر قیمتی اور مفید ہیں، تمام شعبوں کی قدر کرنی چاہئے، اور اپنی طاقت کے موافق تمام شعبوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ راقم الحروف نے ''دین کی خدمت اور دعوت وتبلیغ کے مختلف طریقے'' نامی رسالہ کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ:

تدریس، تزکیہ، تبلیغ سب دین کے شعبے ہیں

دور حاضر کے دینی خدمت کے اہم شعبے: درس وتدریس، تزکیہ اور دعوت وتبلیغ ...وغیرہ شعبوں میں قطعا کوئی ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے بڑی قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے کہ: ایک ہے اخلاص اور ایک ہے افلاس، دین حق کی خدمت کوئی کسی لائن سے کر رہا ہو اور دوسرے شعبہ والے اسے دیکھ کر خوش ہوں کہ اللہ کے بندے اللہ سے جڑ رہے ہیں، یہ تو ہے اخلاص، اور اگر ناراض ہوں یا یہ خیال دل میں آئے کہ ہمارے ہی راستہ اور ہماری ہی تحریک سے اسے ہدایت ملے، تو یہ افلاس ہے۔

(روایت حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ)

بانی تبلیغ اور دین کے دوسرے شعبے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ باوجود فنا فی التبلیغ ہونے کے کس طرح

دوسرے شعبوں کو اہم سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے ملفوظات' مواعظ اور آپ کی سوانح کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ پہلی مرتبہ اہل میوات کے چند مخلصوں نے آپ کو میوات چلنے کی درخواست کی تو فرمایا: ''میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کروگے''۔ (سوانح ص۷۹)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''ہمارے کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں، لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو، اور ان حضرات کو براہ راست اس کام کی دعوت نہ دیں۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ ص۳۴)

اور فرمایا: اگر کہیں دیکھا جائے کہ علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے...... یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دنیوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل اور انہماک کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل دین اپنے اعلی دینی مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں''۔

(حوالۂ بالا ص۳۶)

اور فرمایا: اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کاموں میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں، جبکہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں''۔ (حوالۂ بالا ص۵۵)

اور فرمایا: ''علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے''۔ (حوالۂ بالا ص۵۵)

اور فرمایا: ''علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے''۔ (حوالۂ بالا ص۵۵)

اورفرمایا: ''علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ: ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔

(حوالۂ بالاص ۵۶)

اورفرمایا: ''حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے''۔

(حوالۂ بالاص ۵۷)

اورفرمایا: '' مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع میں اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا''۔

(حوالۂ بالاص ۷۳)

اورفرمایا: ''ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین مقاصد کے لئے جانا چاہئے: علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے'' الخ

(حوالۂ بالاص ۷۳)

تبلیغ، دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تعریف اور اس کا حکم

تبلیغ: بلّغ کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے: پہنچانا۔

تبلیغ زبانی بھی ہوتی ہے، اور پیغام رسانی اور تحریر کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں امر بالمعروف: آپ ﷺ اور آپ کے منجانب اللہ لائے ہوئے دین کی اتباع کا حکم دینا ہے۔

اور معروف کی اصل ہر ایسا عمل ہے جس کا کرنا اہل ایمان کے نزدیک معروف ورائج ہو، اور اس کو ان کے نزدیک برا نہ سمجھا جائے، اور نہ اس کے ارتکاب سے نکیر کی جائے۔

نہی عن المنکر: ایسے فعل سے رکنے کا مطالبہ ہے جس میں اللہ تعالی کی رضا نہ ہو۔

امام غزالی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کی اصل اور رسولوں کی رسالت کی اساس وبنیاد ہے، اگر اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے اور اس کے لئے علم وعمل کو نظر انداز کر دیا جائے تو کار نبوت معطل ہو جائے گا، دین کا چراغ گل ہو جائے گا، بد نظمی عام ہوگی اور بندے ہلاک ہو جائیں گے۔

دعوۃ کا معنی اور اس کا حکم

دعوۃ: دعا کا مصدر ہے۔ بسا اوقات ''مرۃ'' یعنی ایک دفعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَۃً ق مِّنَ الْاَرْضِ ق اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾

ترجمہ:...... پھر جب وہ ایک پکار دے کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فورا نکل پڑوگے۔

(پ:۲۱/سورۂ روم، آیت نمبر: ۲۵)

اللہ تعالی کی طرف بلانا فرض اور لازم ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(۱)......﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ﴾۔

ترجمہ:......اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو۔ (پارہ:۱۴/سورۂ نحل، آیت نمبر:۱۲۵)

(۲)......﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾۔

(پارہ:۱۳/سورۂ یوسف، آیت نمبر:۱۰۸)

ترجمہ:......آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی۔

(۳)......﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾۔ (پارہ:۴/ال عمران، آیت نمبر:۱۰۴)

ترجمہ:......اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

(۲)......﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾۔ (پارہ/۲۴، سورۂ حم السجدہ آیت ۳۳)

ترجمہ:......اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

(۲)......عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده ، فان لم یستطع فبلسانه ، فان لم یستطع فبقلبه ، وذلک اضعف الایمان۔

(مسلم، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان ، رقم الحدیث:۱۷۷)

ترجمہ:...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: تم میں سے جو شخص کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو ہاتھ سے بدل دے، اور اگر یہ نہ کر سکے تو زبان ہی سے، یہ بھی نہ کر سکے تو دل ہی سے، اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

حسبہ اور احتساب

شریعت میں دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک شعبہ احتساب ہے۔

حسبہ: لغت میں احتساب کا اسم ہے، جس کے معانی میں سے ثواب، حسن تدبیر اور نگہداشت ہے۔ احتساب کا ایک معنی اجر وثواب کی طلب اور اس کی تحصیل کے لئے دوڑنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

(۱)......ایها الناس ! احتسبوا اعمالکم ' فان من احتسب عمله کتب له اجر عمله واجر حسبته۔

ترجمہ:......اے لوگو! اپنے اعمال خالص اللہ تعالی کے لئے کرو، جو شخص اپنا عمل خالص اللہ تعالی کے لئے کرتا ہے اس کو اس کے عمل کا ثواب اور اس کے اخلاص کا بھی اجر ملتا ہے۔

حسبہ: اس کا اسم فاعل ''محتسب'' آتا ہے، یعنی اجر وثواب کا طالب۔ حسبہ: کا ایک معنی نکیر کرنا بھی ہے۔

حسبہ: اصطلاح میں:...... جمہور فقہاء کے نزدیک ''حسبہ'' نیک کام کا حکم دینا ہے، اگر اس کا ترک ظاہر ہو، اور برے کام سے روکنا ہے، اگر اس کا ارتکاب ظاہر ہو۔

(الاحکام السلطانیة للماوردی ص۳۴۰)

حسبہ کی مشروعیت

حسبہ: ارشاد و ہدایت اور خیر کی رہنمائی اور ضرر کو روکنے کے طریقہ کے طور پر مشروع ہے، اللہ تعالی نے بھلائی بندوں کے لئے پسندیدہ بنائی ہے، اور انہیں دعوت دینے کا حکم دیا ہے، اور ان کے لئے برائی' فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے، اور ان کو اس سے روکا ہے، اسی طرح دوسروں کو اس کے ارتکاب سے روکنے کا حکم دیا ہے، اور ان کو نیکی اور تقوی

پر تعاون کرنے کا حکم دیا ہے۔

شرعی حکم

حسبہ: اپنے متعلقات سے صرف نظر کر کے ذاتی طور پر فی الجملہ واجب ہے، کیونکہ اس کا تعلق بسا اوقات کسی واجب سے ہوتا ہے، جس کا حکم دیا جاتا ہے، یا کسی مندوب و مستحب سے ہوتا ہے، جس کو انجام دینا مطلوب ہوتا ہے، یا کسی حرام سے ہوتا ہے جس سے روکا جاتا ہے، اگر اس کا تعلق کسی واجب یا حرام سے ہو تو اس صورت میں اس کا وجوب اس کی طاقت رکھنے والے پر ظاہر ہے، ہاں اگر کسی مستحب یا مکروہ سے متعلق ہو تو اس صورت میں واجب نہ ہوگا، بلکہ اپنے متعلق کے لحاظ سے امر مستحب و مندوب ہوگا، اس لئے کہ اس کا مقصود اطاعت و فرماں برداری ہے۔ (نصاب الاحتساب ۱۸۹/۲۵۱)

حسبہ فرض کفایہ ہے اور بعض کے لئے فرض عین ہے

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ''حسبہ'' فرض کفایہ ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ص ۳۱۵ ج ۲۔ احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۲ ج ۱)

بسا اوقات نیچے آنے والے حالات اور کسی مخصوص جماعت کے حق میں فرض عین ہو جاتا ہے، اور وہ یہ ہیں:

(اول)......ائمہ و والیان مملکت اور ولی الامر کے نمائندے اور نائبین، اس لئے کہ ان لوگوں کے پاس اختیار ہوتا ہے، ان کی فرمانبرداری واجب ہوتی ہے:

()......﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾۔ (پ:۱۷/سورۂ حج، آیت نمبر:۴۱)

ترجمہ:...... یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور

زکوۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔

اس لئے کہ اس کی انجام دہی کی بعض شکلوں میں استیلاء تام کی ضرورت ہوتی ہے، حدود اور سزاؤں کا نفاذ وہ کام ہیں جن کو صرف والیان و حکام ہی انجام دے سکتے ہیں، اگر ان میں سے کوئی کوتاہی کرے تو اللہ تعالی کے یہاں اس کا کوئی عذر نہیں ہوگا۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص۲۴۰/۲۴۱)

(دوسرا)...... جو شخص کسی ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کے علاوہ کسی کو معروف و منکر کا علم نہیں، یا کوئی اور اس کے ازالہ پر قادر نہیں، مثلاً: شوہر اور باپ، اسی طرح ایسا شخص جس کو معلوم ہو کہ اس کی بات قبول کر لی جائے گی، اور اس کے حکم پر عمل ہوگا، یا وہ اپنے اندر نگرانی اور بحث و مباحثہ کی صلاحیت محسوس کرے، یا اس کے بارے میں یہ معروف ہو تو اس پر امر و نہی واجب عین ہو جاتی ہے۔

(شرح النووی علی مسلم ص۲۳ ج۲۔ الزواجر عن اقتراب الکبائر ص۱۷۰ ج۲)

(تیسرا)...... دل سے انکار، یہ ہر مکلّف پر فرض عین ہے، کسی صورت میں ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ یہ گناہ کو ناپسند کرنا ہے جو ہر مکلّف پر واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: دل سے برا سمجھنے کو ترک کرنا کفر ہے۔ (الفواکہ الدوانی ص۳۹۴ ج۲)

احتساب علماء کا کام ہے ہر ایک نہیں

نوٹ:...... احتساب: بڑے اہم امور میں سے ہے، جن کو صرف علماء ہی انجام دے سکتے ہیں، جن کو شرعی احکام اور احتساب کے درجات کا علم ہے، کیونکہ جس کو اس کا علم نہ ہو کچھ بعید نہیں کہ وہ منکر کا حکم دے اور نیک کام سے روک دے، نرمی کی جگہ سختی کرے اور سختی کی جگہ نرمی کرے، اور ایسے شخص پر نکیر کر بیٹھے جس کے لئے نکیر سرکشی اور اصرار میں زیادتی کا

ہی سبب ہو۔(ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم ص ۶۷ ج ۲)

احتساب دوحالتوں میں حرام، دوحالتوں میں مستحب ہے

احتساب دوحالتوں میں حرام ہے:

اول......اس شخص کے حق میں جس کو معروف ومنکر کا علم نہیں، ایک دوسرے کے محل کی تمیز نہ کرسکے، اس کے لئے احتساب کرنا حرام ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے وہ کسی منکر کا حکم دے دے، اور کسی نیک کام سے روک دے۔

دوم......منکر پر نکیر کے نتیجہ میں اس سے بڑے منکر کا ارتکاب ہو، جیسے شراب نوشی سے روکنے کے نتیجہ میں جان مارنے کا ارتکاب ہوجائے، اس کے حق میں احتساب کرنا حرام ہے۔(الناظر وغنیۃ الذاکر ص ۶ ج ۴۔الفروق ص ۲۵۷ ج ۴)

مسئلہ:......احتساب مکروہ ہے اگر اس کے نتیجہ میں مکروہ کا ارتکاب ہو۔

(احیاء العلوم ص ۴۲۸ ج ۲)

احتساب دوحالتوں میں مستحب ہے:

(اول)......اگر مستحب کا ترک اور مکروہ کا ارتکاب ہو، اس صورت میں احتساب مندوب ہوگا، اس حالت سے نماز عید کا حکم دینے کا وجوب مستثنی ہے، گوکہ وہ سنت ہے، اس لئے کہ نماز عید نمایاں شعار ہے، لہذا محتسب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا حکم کرے، اگرچہ نماز عید واجب نہیں۔

انہوں نے کسی امر مستحب کے حکم دینے کے مستحب ہونے کو غیر محتسب پر محمول کیا ہے، اور کہا: امام اگر مثلا نماز استسقاء یا اس کے روزہ کا حکم دے تو واجب ہوجاتا ہے، لیکن اگر کوئی عام آدمی حکم دے تو واجب نہیں ہوگا۔(الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۶۸ ج ۲)

(دوم)......جب احتساب کا وجوب ساقط ہو جائے، جیسے اپنی جان کا ڈر ہو اور بچنے کی امید نہ ہو، اور نکیر کرنے میں جان چلی جائے۔ (قواعد الاحکام ص ۱۱۰/۱۱۱ ج ۱)

کن کن کا احتساب

(ایک)......چھوٹے اور بڑے گناہوں پر نکیر کرنا واجب ہے حتی کہ اگر خاص طور پر کرنے والے کے حق میں وہ فعل معصیت نہ ہو تب بھی، جیسے بچہ اور مجنون کو شراب نوشی اور بدکاری سے روکنا۔

(دو)......اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ: لڑکا اپنے والدین کا احتساب کرسکتا ہے، اس لئے کہ امر و نہی کے متعلق وارد نصوص مطلق ہیں، والدین وغیرہ سب کو شامل ہیں، نیز اس لئے کہ امر و نہی اور منہی (جس کو روکا جائے) کے فائدے کے لئے ہیں، اور والدین اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اولاد انہیں نفع پہنچائیں۔

(تین)......بیوی شوہر کے منکر پر احتساب کرسکتی ہے، بلکہ ادب کے ساتھ احتساب کرنا چاہیئے۔

(چار)......طالب علم استاذ میں منکر دیکھے تو ادب کے ساتھ احتساب کرسکتا ہے۔

(پانچ)......حکام کا احتساب اس حد تک کیا جا سکتا ہے کہ انہیں غلطی بتا دے اور وعظ و نصیحت کردے۔

احتساب کے مراتب

(۱)......تنبیہ اور تذکیر (یاد دہانی) یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس خرابی کو ختم کرلے گا، جو اس سے دھوکہ اور لاعلمی میں سرزد ہوگئی ہے۔

(۲)......وعظ کرنا اور اللہ تعالی کا خوف دلانا، یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے بارے میں

معلوم ہو کہ اس نے جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کیا ہے، اور ایسی معصیت ہو جو مکلّف مسلمان سے مخفی نہیں رہتی۔

(۳)……زجر وتوبیخ، سخت کلامی، زبانی ڈانٹ اور نکیر کرنے میں شدت اختیار کرنا، یہ ایسے شخص کے لئے ہے جس کے لئے وعظ بے سود ہو، اور نرمی سے روکنا اس کے لئے مفید نہ ہو، بلکہ منکر پر اصرار، اور نصیحت کا مزاق اڑانے کی علامتیں اس پر ظاہر ہوں۔

اور یہ اس انداز سے ہو کہ فحش گوئی نہ ہو، حد سے زیادہ نہ ہو، اس میں جھوٹ نہ ہو، اس کو غلط الزام نہ دے، بقدر ضرورت ہو، تاکہ اس کے نتیجہ میں اصرار اور عناد پیدا نہ ہو۔

(۴)……منکر کو ہاتھ سے مٹانا، یہ اس شخص کے لئے ہے جو شراب اٹھائے جا رہا ہو، یا غصب کردہ مال لئے ہوئے ہو، اور وہ مال بعینہ اس کے ہاتھ میں موجود ہو۔

(۵)……عبرت ناک سزا دینا اور مارنا، یہ اس شخص کے حق میں ہے جو کھلم کھلا منکر کرے، اور اس کے اظہار میں ملوث ہو اور اس کے بغیر اس کو روکنے کی قدرت نہ ہو۔

(٦)……فریاد کرنا اور حاکم یا امام کے پاس مقدمہ دائر کرنا، کیونکہ وہ تمام چیزوں کا نگران ہے، اور اس کی بات سنی جاتی ہے۔

نوٹ:……تفصیل کے لئے دیکھئے! موسوعہ فقہیہ عربی واردو ص ۲۵۹ ج ۱۷، عنوان: حسبہ۔

اس ضروری تمہید کے بات بہت معذرت سے عرض ہے کہ اس وقت دعوت وتبلیغ میں حد درجہ غلو ہو گیا ہے، مثلاً:

کیا موجودہ تبلیغی کام نبیوں والا کام ہے؟

(۱)......اپنے کام کو من وعن حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم والا کام سمجھنا۔ اہل دعوت کا ایک بڑا طبقہ اسی دعوت اور اسی ترتیب کو حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم والا کام سمجھتا ہے، اور بیانات میں برملا اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت اس کام سے ایک فی صد بھی نہیں ملتی۔ اس حد تک کہنا تو درست ہے کہ دعوت والا کام حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، اور یہ ترتیب تو کام کو نہج پر چلانے کے لئے بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ اور اکابر تبلیغ نے ایجاد کی ہے، اس ترتیب کا نہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے طریقہ دعوت سے کوئی تعلق ہے نہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے۔

ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ تو سہ روزہ لگایا، نہ چلہ، نہ سال، نہ سات چلے، نہ دوگشت، نہ شب جمعہ اور نہ منگل کا مشورہ، اس لئے اس کام اور اسی ترتیب کو حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا کام کہنا سراسر غلط اور دین میں تحریف ہے۔ اہل دعوت کے اکابر کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے، اور اپنے بیانات میں اس کی بار بار صراحت کرنی چاہئے کہ اپنے کام کو اس طرح نہ بیان کیا جائے کہ سننے والے عوام کو یہ غلط فہمی ہو، بلکہ جو غلط فہمی ہو چکی ہے اور ایک طبقہ کا ذہن بگڑ چکا ہے اس کی فوری اصلاح کرنی چاہئے۔

سوال:......کیا موجودہ تبلیغی کام نبیوں والا کام ہے؟

جواب:......من وجہ نبوت والے کام سے مشابہت ہے، مکمل اس کام کو نبی والا کام کہنا درست نہیں۔ نبی پاک ﷺ کی جامع اور کامل شخصیت کے ذمہ پورے دین کی اشاعت اور پورے دین کے نظام کا احیاء تھا، موجودہ تبلیغی جماعت چھ نمبروں میں محدود ہے، اس کا ایک مختصر مقصد ہے، مسلمانوں کو نماز اور کچھ اعمال پر لگانا، یقیناً یہ بھی بہت عظیم مقصد ہے، اور قابل رشک ہے، مگر اس کو من وعن نبیوں والا کام کہنا قطعا درست نہیں۔

اس راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ہے؟

سوال:......اس راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ہے۔

جواب:......اول تو ایسی کوئی صریح حدیث نہیں ملی جس میں کسی عمل کا ثواب انچاس کروڑ بتلایا گیا ہو، البتہ ایک حدیث میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ اور دوسری حدیث میں اعمال کا ثواب سات سو گنا بتلایا گیا ہے، اس طرح سات لاکھ کو سات سو میں ضرب دینے سے انچاس کروڑ بن جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، اس لئے ان سے استدلال اور ان کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر ان کی تشہیر عام طور پر جائز نہیں۔ دوسرے اگر دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں درس وتدریس، تحصیل علم، وعظ ونصیحت، اصلاح باطن، دعوت وتبلیغ، خواہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریق سے، سب کے لئے یہ ثواب ثابت ہوگا۔

چھ نمبروں کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابل قبول نہیں

سوال:...... چھ نمبروں کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابل قبول نہیں خواہ تلاوت ہو یا کوئی اور نیک عمل ہو۔

جواب:...... یہ جملے کہنا بدترین گمراہی اور سخت غلو اور جہالت کی بات ہے، جس سے توبہ واجب ہے، اور آئندہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے گریز لازم ہے۔

بیت اللہ شریف پر تبلیغی مراکز کی فضیلت زیادہ ہے

سوال:...... بیت اللہ شریف پر رائے ونڈ کی فضیلت زیادہ ہے، کیونکہ رائے ونڈ میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ ہے اور بیت اللہ شریف میں ایک لاکھ۔

جواب:...... یہ بھی بدترین غلو ہے، اگر دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں حج وعمرہ کا سفر بھی شامل ہے، تو اس کو مذکورہ اجر کے علاوہ بیت اللہ شریف کی فضیلت یعنی ایک لاکھ گنا ثواب ملنے کی فضیلت بھی حاصل ہوگی، اور رائے ونڈ جانے پر بیت اللہ شریف والی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، اس طرح بیت اللہ کا ثواب انچاس کروڑ سے بے شمار گنا بڑھ جائے گا۔

دین کے بقیہ شعبے بے کار ہیں، یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے، ایسوں کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے

سوال:......کئی حضرات پورے دین کا انحصار اسی ایک راستے میں کرتے ہیں کہ دنیا میں دین پھیلانا ہو یا ایمان بنانا ہو تو اس راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

جواب :......اشاعت دین اور تبلیغ دین کسی بھی جائز طریقہ سے ہو، درست اور معتبر ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر تبلیغی جماعت کے اصول وقواعد کی روشنی میں تبلیغ کرنا کوئی فرض وواجب نہیں۔ نیز تبلیغ دین، تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرنے میں شرعا منحصر نہیں، جو کوئی ایسا سمجھتا ہے یہ اس کی جہالت ہے یا غلو ہے جو کھلی گمراہی ہے۔

(احسن الفتاوی از: ص ۱۶۷ تا ۱۷۴ ج ۹)

جو جاہل صرف تبلیغ میں نکلنے کو دین کا کام اور دین کی فکر سمجھے بیٹھے ہیں، اور ان کے خیال میں دین کے باقی سب شعبے بے کار ہیں۔ یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے کہ دین کے تمام شعبوں کو لغو سمجھا جائے، اور دینی مدارس کے وجود کو فضول قرار دیا جائے۔ میں اپنی اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ تبلیغ میں نکل کر جن لوگوں کا یہ ذہن بنتا ہو وہ گمراہ ہیں اور ان کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۲۶ ج ۱۰)

اہل دعوت کا ایک طبقہ حج وعمرہ کے سفر کو بھی اللہ کے راستہ کا سفر نہیں سمجھتا

():......اہل دعوت کا ایک بڑا طبقہ حج اور عمرہ کے سفر کو بھی اللہ کے راستہ کا سفر نہیں سمجھتا، صرف سہ روزہ، چلہ اور چار مہینے کے اسفار ہی کو اللہ کے راستہ کا سفر سمجھتے ہیں، ان کی خدمت میں چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

(۱)......عَبَایة بن رِفاعة قال : ادرکنی ابو عبس وانا اذهب الی الجمعة فقال : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : من اِغْبَرَّتْ قدماه فی سبیل الله حرّمَهُ الله علی النّار۔

(بخاری، باب المشی الی الجمعة ، الخ ، کتاب الجمعة ، رقم الحدیث:۹۰۷)

ترجمہ:......حضرت عبایہ بن رفاعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور اس وقت میں جمعہ کی نماز کے لئے جا رہا تھا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جس کے پیر اللہ تعالی کے راستہ میں غبار آلود ہوں اللہ تعالی اس کو دوزخ پر حرام فرمادیں گے۔

(۲)......عن ابن هشام قال : أرسل مروان الی امّ معقل لیسألها عن هذا الحدیث ' فحدَّثَتُ انّ زوجها جعل بکرا فی سبیل الله واَنّها ارادَتِ العمرة ' فسألت زوجها البکر فأبی علیها ، فأتت رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرَتْ ذلک له ، فامره النبی صلی الله علیه وسلم ان یُعطِیَها ' وقال : انّ الحجَّ والعمرة من سبیل الله ، وانّ عُمرةً فی رمضانَ تعدِل حجّة أو تُجزِء بحجَّةٍ۔

ترجمہ:......حضرت ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مروان نے ان کو ام معقل رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کروں، میں نے جا کر

ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا: ان کے شوہر نے اللہ تعالی کے راستہ میں سفر کے لئے اونٹ تیار کر رکھا تھا، جبکہ ان کا (یعنی ام معقل رضی اللہ عنہا کا) ارادہ عمرہ کرنے کا تھا، انہوں نے اپنے شوہر سے اونٹ مانگا تو شوہر نے انکار کردیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور یہ معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو اونٹ دے دیں، اور فرمایا: حج وعمرہ بھی تو سبیل اللہ ہے، اور رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ (مستدرک حاکم، کتاب مناسک الحج، رقم الحدیث:۱۷۷۴)

(۳)......عن ابن عباس قال : أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم الحج ' فقالت امرأة لزوجها : حُجَّ بی مع رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال : ما عندی ما أُحِجُّکِ عليه ' قالت :فحجَّ بی علی ناضحِک ' فقال : ذاک نَعْتَقِبُه انا و ولدُکِ ' قالت : فحُجَّ بی علی جملِک فلان ، قال : ذلک حبيس فی سبيل الله ، قالت : فبِعْ تمرَ رِقِّک ، قال : ذاک قُوْتِی و قوتُکِ ، قال : فلمّا رجع النبی صلی الله عليه وسلم من مكة أرسلت اليه زوجَها ' فقالت : اقرء رسول الله صلی الله عليه وسلم منی السلام و سله ما يعدل حجّة معک ؟ فاتی زوجها النبی صلی الله عليه وسلم فقال : يا رسول الله ! ان اِمرأتی تُقْرِئک السلام ورحمة الله ، وانها قالت ان اَحُج بها معک ، فقلتُ لها : ليس عندی ، قالت : فحجَّ بی علی جملی فلان ، فقلت لها : ذلک حبيس فی سبيل الله ، قال النبی صلی الله عليه وسلم : أما انکِ لو كنتِ حججتِ بها كان فی سبيل الله ، فقال : فضحک النبی صلی الله عليه وسلم تعجبا من حِرصها علی الحج ، قال : وانها امرتنی ان اسألک ما تعدل حجّة معک ؟ قال : اقرئها منی السلام و رحمه الله ، واَخبِرُها انّها تعدل حجّة معی عمرة فی رمضان۔

(مستدرک حاکم، کتاب مناسک الحج، رقم الحدیث:۱۷۷۹)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا تو ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرادو، شوہر نے کہا: میرے پاس (ایسی کوئی سواری) نہیں جس پر میں تمہیں حج کراؤں، بیوی نے کہا: تو پھر مجھے اپنے فلاں اونٹ پر حج کرادو، شوہر نے جواب دیا: اس کو میں نے راہ خدا کے لئے روک رکھا ہے، بیوی نے کہا: تو پھر اپنی کھجوریں بیچ دیں، شوہر نے کہا: وہ میرے اور تیرے کھانے کے لئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم ﷺ حج سے واپس تشریف لائے تو اس عورت نے اپنے شوہر کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کہا: رسول اللہ کو میرا سلام کہنا اور آپ ﷺ سے پوچھنا کہ: کوئی ایسا عمل بتادیجئے جس کا ثواب آپ کے ہمراہ حج کے برابر ہو؟ ان کے شوہر نے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ: یارسول اللہ میری بیوی نے آپ کو سلام کہا ہے، اور اس نے مجھے کہا تھا کہ: میں اس کو آپ کے ساتھ حج پر بھیجوں، میں نے کہا کہ: میرے پاس گنجائش نہیں ہے، اس نے کہا کہ: پھر اپنے اونٹ پر حج کرادو، میں نے اس سے کہا: کہ: اس کو میں نے سبیل اللہ کے لئے روک رکھا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو حج کرا دیتا تو یہ بھی سبیل اللہ ہی ہوتا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس خاتون کے حج کے بارے میں حرص کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرادیئے، شوہر نے مزید کہا کہ: میری بیوی نے مجھے یہ بھی کہہ کر بھیجا ہے کہ میں آپ سے کوئی ایسا عمل پوچھ کر آؤں جس کا ثواب آپ کے ہمراہ حج کرنے کے برابر ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف سے بھی اس کو سلام کہنا، اور بتانا کہ: رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔

اہل تبلیغ کا مشورہ کے بارے میں غلط نظریہ

مشورہ کے معاملہ میں بھی ہمارے معاشرہ میں بہت غلو ہو رہا ہے، یا تو صرف تائید کے لئے بڑوں سے مشورہ کیا جاتا ہے، اپنی رائے کے خلاف مشورہ ملے تو اس پر توجہ نہیں دی جاتی۔ پھر مشورہ ہر ایرے غیرے سے نہیں کرنا چاہئے، آپ ﷺ نے فقہاء اور علماء عابدین سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۱)......عن علی رضی الله عنه قال : قلت : یا رسول الله ! ان نزل بنا امرٌ لیس فیه بیان امر ولا نهی فما تأمرنی ؟ قال : شاوِروا فیه الفقهاء و العابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة۔

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: اگر ہمیں کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے بارے میں (قرآن وسنت میں) نہ کوئی حکم موجود ہو نہ ممانعت تو اس بارے میں آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو، اور اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

(طبرانی (اوسط) ص۴۴۱ ج۱، رقم الحدیث:۱۶۱۸۔مجمع الزوائد ص۱۷۸ ج۱، باب الاجماع ، رقم الحدیث:۱۷۵۹)

بعض تبلیغی حضرات اپنے تمام کاموں میں مرکز سے مشورہ کرتے ہیں، ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح بعض مرید اپنے سارے کاموں میں پیر سے مشورہ کرتے ہیں، حتی کہ اہم امور میں والدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، بس مرکز یا پیر کی رہنمائی کو کافی سمجھتے ہیں، ایسا کرنے میں والدین کی ناراضگی ہے اور ایسے امور میں کبھی خیر نہیں ہوسکتی جن میں والدین کی خوشی نہ ہو۔

ہر کام کا مشورہ اس کے اہل سے کرنا چاہئے۔

(۲)......عن طلحة قال : لا تشاور بخيلا فی صلة ' ولا جبانا فی حرب ' ولا شابا فی جارية۔

ترجمہ:......حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: صلہ رحمی میں بخیل سے، جہاد میں بزدل سے، شادی میں جوان سے (کسی لڑکی کے بارے میں) مشورہ مت کرو۔

(كنز العمال ، المشورة ، الاخلاق ، رقم الحديث:۸۷۷۳)

گھریلو معاملات میں، بچوں کی شادی بیاہ میں، گھر کے سامان وغیرہ کے خریدنے کے بارے میں اپنی اہلیہ سے بھی مشورہ کرنا چاہئے، کئی عورتوں کی شکایت ہے کہ ہمارے شوہر ہم سے مشورہ نہیں کرتے، ہمارے گھر کے سارے کام مرکز کے یا پیر صاحب کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں جب کفار مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ کرنے سے منع کیا اور چند شرائط پر صلح ہوئی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم دل شکستہ تھے، اس لئے قربانی اور حلق کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ فرمایا، انہوں نے عرض کیا: آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر آکر خود قربانی فرمائیں، اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں، آپ ﷺ نے ان کے مشورہ پر عمل فرمایا، اور اس میں کامیابی بھی ہوئی اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔ (سیر الصحابہ ص ۶۲ ج ۶)

شادی میں لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرنا چاہئے

آپ ﷺ نے شادی کے موقع پر بیوی سے مشورہ کا حکم فرمایا ہے۔

(۱)......عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : آمِرُوا النِّساء فى بناتِهِنَّ۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: عورتوں (ماؤں) سے ان کی بیٹیوں کے (نکاح کے بارے میں) مشورہ کرو۔

(ابوداؤد، باب فى الاستئمار ، كتاب النكاح ، رقم الحديث:۲۰۹۵)

(۲)......ان عبد الله بن عمر قال لعمر بن الخطاب : اخطُب على ابنة صالح فقال : ان له يتامى ' ولم يكن ليؤثِرَنا عليهم ، فانطلق عبد الله الى عمه زيد الى صالح ، فقال ان عبد الله بن عمر أرسلنى اليک يخطُب ابنتک ، فقال : لى يتامى ' ولم أكن لأتُرِبَ لحمى وأرفَعَ لحمَكُم ، اُشهِدُكم أنى قد أنكحتُها فلانا ، وكان هوى اُمِّها الى عبد الله بن عمر ، فأتَتْ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقالت : يا نبىّ الله ، خطب عبد الله بنُ عمر ابنتى ، فأنكحَها أبوها يتيماً فى حَجْره ، ولم يؤامِرها ، فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الى صالح ، فقال : أنُكَحُت ابنتک ولم تُؤامِرُها ؟ فقال : نعم ، فقال : أشِيروا على النِّساء فى أنُفُسِهنَّ ، وهى بكر ، فقال صالح : فانما فعلتُ هذا لما يُصْدِقُها ابن عمر ، فانَّ له فى مال مثل ما أعطاها۔

(مسند احمد ص۱۲ ج۱۰، تتمة مسند عبد الله بن عمر رضى الله عنهما ، رقم الحديث:۵۷۲۰)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد صاحب سے درخواست کی کہ: حضرت صالح رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے میرے نکاح کا پیغام بھیجیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: ان کے تو یتیم بھتیجے ہیں وہ ہمیں ان پر ترجیح نہیں دیں گے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے چچا حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے بھی پیغام نکاح کی درخواست کی، چنانچہ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ خود ہی حضرت صالح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا کہ: مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے، حضرت صالح رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے یتیم بھتیجے ہیں، میں اپنے گوشت کو نیچا کر کے آپ کے گوشت کو اونچا نہیں کرسکتا، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے فلاں (میرے بھتیجے) سے اس لڑکی کا نکاح کردیا، لڑکی کی والدہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے میری بیٹی کا اپنے لئے رشتہ مانگا تھا، لیکن بیٹی کے والد نے اپنی پرورش میں یتیم بھتیجے سے اس کا نکاح کردیا اور مجھ سے مشورہ تک نہیں کیا، نبی کریم ﷺ نے صالح کو بلایا، اور فرمایا: کیا تم نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنی بیوی کے مشورے کے بغیر ہی طے کردیا؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، ایسا ہی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورتوں سے ان کے متعلق مشورہ کرلیا کرو جب کہ وہ کنواری بھی ہوں، صالح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے یہ کام صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو مہر اسے دیں گے میرے پاس ان کا اتنا ہی مال پہلے سے موجود ہے (میں ان کا مقروض ہوں، اس لئے مجھے اس حال میں اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دینا گوارہ نہ ہوا)۔

کیا بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا اہم ہے؟

اہل تبلیغ کا ایک عام نظریہ یہ رہا ہے، اور وہ بارہا اس کا اظہار بھی کر چکے ہیں اور کرتے ہیں، بلکہ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ علماء اور اہل خانقاہ کی محنت طلب والوں میں ہے اور ہماری محنت بے طلبوں میں ہے، اور بے طلبوں میں طلب کرنا زیادہ اہم ہے۔

اہل تبلیغ کا یہ نظریہ قرآن سے موافق نہیں ہے، دو مثالیں اس کی درج ذیل ہیں:

(۱)...... کفارِ قریش کے چند سردار: عتبہ، شیبہ ابن ربیعہ، مطعم بن عدی، اور حارث بن نوفل وغیرہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: آپ کے بھتیجے محمد (ﷺ) کی بات سننے اور ماننے سے ہمارے لئے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ان کے ارد گرد ہر وقت وہ لوگ رہتے ہیں جو یا تو ہمارے غلام تھے، ہم نے ان کو آزاد کر دیا، اور یا وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہی رحم و کرم پر زندگی گذارتے تھے، ان حقیر و ذلیل لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم ان کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے، آپ ان سے کہدیں کہ اگر ہمارے آنے کے وقت وہ ان لوگوں کو مجلس سے ہٹا دیا کریں، تو ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے ان کی بات نقل کی، تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اس میں کیا حرج ہے، کچھ دنوں کے لئے آپ یہ بھی کر دیکھیں، یہ لوگ تو اپنے بے تکلف محبین ہیں، ان لوگوں کے آنے کے وقت مجلس سے ہٹ جایا کریں گے۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ ﴾۔

(پ۷: سورۂ انعام، آیت نمبر: ۵۲)

ترجمہ:...... اور ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی

خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔

جس میں سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے رسول کریم ﷺ کو منع فرمادیا گیا، نزول آیت کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو معذرت کرنا پڑی کہ میری رائے غلط تھی۔

(معارف القرآن ص۳۴۲ ج۳)

(۲)......آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے اس لئے اعراض فرمایا کہ مشرکین کے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ میں مشغول تھے، اور مصلحت کس قدر معقول تھی، یہ ایمان لے آئیں تو نہ جانے ان کی وجہ سے کتنے لوگ ایمان لے آئیں گے، مگر اس مصلحت کو بھی پسند نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ بے طلبوں سے اہل طلب کا حق مقدم ہے۔
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہوکر آنحضرت ﷺ کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری)

اور ''ابن کثیر'' کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ: انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا، اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا، اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ کے سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار: عتبہ بن ربیعہ' ابوجہل' ابن ہشام اور آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر (حضرت) عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا

ناگوار ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ (حضرت) عبداللہ بن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے، دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا، بخلاف رؤسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی، اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے محرومی ان کی ظاہر تھی۔ ان مجموعۂ حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عبداللہ) ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا، اور جو گفتگو تبلیغ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۂ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ ﷺ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کے خلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ ہونی چاہئے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت (عبداللہ) ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) سے رخ پھیر لیا، اور دوسری بات یہ تھی کہ: بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں، ان کے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہئے بمقابلے دین کے فروعی احکام کی تعلیم کے جو (حضرت) عبد اللہ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) چاہتے تھے۔ مگر حق تعالی جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ: یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اس کے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو

آپ کا مخالف ہے آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا، اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے، موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہئے۔ (معارف القرآن ص۶۷۳ ج ۸)

نوٹ:......حضرت رحمہ اللہ کا یہ جملہ بہت قابل غور ہے: ''موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہئے''۔

بے طلب کو ہدایت ملے گی یا نہیں یہ امر موہوم ہے، اور اہل طلب تو ہدایت یافتہ ہیں، آپ ﷺ کی صحبت سے ان کے ایمان واعمال میں مزید اضافہ ہوگا۔

اسی طرح جو اہل طلب ہیں، مدارس ومکاتب کے طلبہ، خانقاہوں میں آنے والے مریدین ان حق مقدم ہے۔

خاتمہ...... چند ضروری باتیں

کیا خروج اصل ہے؟

(۱)......اس وقت اہل تبلیغ کا ایک طبقہ جن میں بڑے ذمہ دار حضرات بھی ہیں کہتے ہیں کہ اصل تو خروج ہے۔

یہ بھی غلو فی الدین اور شریعت میں تحریف ہے، کیا اپنے مقام پر رہتے ہوئے آدمی دین نہیں سیکھ سکتا؟ اور دین کی اشاعت نہیں کرسکتا؟ نہ معلوم کہاں سے یہ نکالا کہ خروج اصل ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا خروج یقیناً دین کے لئے تھا، مگر آج کی طرح نہیں کہ تین دن، چلہ اور سال لگالیا، وہ حضرات تو آپ ﷺ اور امیر المؤمنین کے حکم پر تعلیم وتبلیغ کے لئے دور دراز سفروں پر تشریف لے گئے، اس خروج کو آج کے تبلیغی خروج پر قیاس کرنا قطعا درست نہیں۔

علماء اللہ تعالی کے راستہ میں نکلیں

(۲)......علماء سے بھی اہل دعوت کا تقاضا رہتا ہے کہ اللہ تعالی کے راستہ میں نکلیں، اور بعض بڑے تبلیغی حضرات سے اس عاجز نے خود سنا کہ: تعلیم ادنی ہے، تبلیغ اعلی ہے، اس لئے علماء تبلیغ کے لئے نکلیں۔ اور اہل دعوت کا ایک طبقہ واقعی یہی سمجھتا ہے کہ تعلیم وتدریس اور خانقاہ دین کے شعبے نہیں، یا ادنی شعبے ہیں، صرف تبلیغ ہی اللہ تعالی کا راستہ ہے۔

خدارا! اس خیال سے توبہ کریں، اور اللہ تعالی کے دربار میں استغفار کریں، یہ سخت گمراہ کن خیال ہے۔ علماء اپنے اپنے مقامات پر مختلف طریقوں سے دین کے اہم شعبوں کو سنبھال رہے ہیں۔ اور اللہ تعالی نے خود اعلان فرمایا کہ: سب کے سب اللہ تعالی کے راستہ

میں نہ نکلیں، بلکہ ایک جماعت فقہ اور دین کی سمجھ بوجھ میں لگی رہے:

''سب کو اللہ کے راستہ میں نکلنا چاہئے'' کا نظریہ قرآن کے خلاف ہے

(۳)......﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾۔

(پ:۱۱/ سورۂ توبہ، آیت نمبر:۱۲۲)

ترجمہ:......اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں، لہذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے) نکلا کرے، تا کہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تا کہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔

تفسیر:......سورۂ توبہ کے ایک بڑے حصے میں ان لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کریمہ کو سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ ارادہ کرلیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اس میں وہ سب جایا کریں گے، اس آیت نے واضح فرمادیا کہ ہمیشہ کے لئے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے۔ غزوۂ تبوک میں تو ایک خاص ضرورت پیش آئی تھی جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن عام حالات میں مسلمانوں کو تقسیم کار پر عمل کرنا چاہئے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیر عام (یعنی ہر شخص کو جہاد میں شریک ہونے) کا حکم نہ ہو، جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لئے چلے جایا کریں تو سب کی طرف سے یہ

فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جہاد امت مسلمہ کی ایک ضرورت ہے، اسی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی امت کی ایک اہم ضرورت ہے، اگر سب لوگ جہاد میں نکل کھڑے ہوں گے تو علم دین کی درس و تدریس کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں نہ جائیں، وہ اپنے شہروں میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں۔

متنبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام انہوں نے سیکھے ہیں، وہ ان کو بتا دیں کہ فلاں کام واجب ہے اور فلاں کام گناہ ہے۔ (آسان ترجمہ)

نوٹ:......اس آیت کی مزید بہتر اور عمدہ تفسیر کے لئے دیکھئے! معارف القرآن۔

اس آیت میں اور بھی کئی باتیں قابل غور ہیں:

(۱)......سب کو ایک ساتھ جہاد اور اللہ تعالی کے راستہ میں نکلنے سے منع فرمایا گیا، اس لئے یہ تحریک چلانا کہ سب اللہ تعالی کے راستہ میں نکلیں، اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲)......ایک چھوٹی جماعت اللہ تعالی کے راستہ میں اور جہاد میں نکلے، بقیہ لوگ دوسرے شعبوں کو سنبھالیں۔

(۳)......نکلنے میں یہ بھی حکم ہے کہ چھوٹی جماعت جہاد میں نکلے۔ اہل دعوت کی آواز ہے: سب نکلیں۔

(۴)......حصول علم میں پختگی کے لئے اپنے مقام پر رہنا زیادہ بہتر ہے، عامۃً سفر کی مصروفیتوں کے ساتھ دل جمعی نہیں ہوتی، اسی لئے اکثر تبلیغ میں لگنے والے علماء علم میں پختہ نہیں ہوتے، ان کا علم سرسری اور چھ نمبروں تک محدود ہوتا ہے۔

نوٹ:......اس کا مطلب یہ نہیں کہ نہ نکلنے والے سارے ہی اہل علم، علم میں مضبوط اور پختہ

ہوتے ہیں، ہاں نہ نکلنے والے اہل علم میں جو حضرات علم میں پختہ ہوئے ہیں نکلنے والوں میں اس کی مثال کم بلکہ نادر ہے۔

(۵)......مجاہدین (اور مبلغین سب) علماء کے محتاج ہیں کہ ان سے رہنمائی حاصل کریں، ورنہ بغیر علم تمام شعبوں میں افراط وتفریط پیدا ہوگی۔

(۶)......سب علماء کی تشکیل کرنا درست نہیں، بلکہ اہل علم کی ایک بڑی جماعت کو تدریس وافتاء اور تزکیہ وارشاد کے لئے فارغ رہ کر اپنے اپنے مقام پر جم کر کام کرنا چاہئے۔

(۷)......دعوت کا اصول بھی یہی ہے کہ علماء کی تشکیل نہ کی جائے، مگر اب اہل تبلیغ اس اصول سے یکسر منحرف نظر آتے ہیں، اکثر و بیشتر کچھ وقت لگانے والے تبلیغی حضرات علماء کی نہ صرف تشکیل کرتے ہیں بلکہ نہ نکلنے والوں کی آپس میں برائی تک کرتے ہیں، ان کے اکرام میں کوتاہی کرتے ہیں، نکلنے والے اور نہ نکلنے والے علماء میں نمایاں تفریق کا برتاؤ کرتے ہیں، بلکہ نہ نکلنے والے علماء کو تبلیغ کا مخالف کہہ کر ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں، العیاذ باللہ من ذلک۔

(۸)......بعض تبلیغی حضرات کہتے ہیں: علماء نکل کر ہماری سرپرستی فرمائیں، کیا مقام پر سرپرستی کی ضرورت نہیں؟ اور آپ مقام پر ان کی کتنی سرپرستی قبول کرتے ہیں، یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا منشا یہی ہے کہ ہر عالم چلہ لگائے، سہ روزہ لگائے، گشت کرے، اور عام امیر کے تابع ہو کر چلتے رہیں۔

ایک غلط جملہ: دعوت تمام شعبوں کو پانی پہنچاتا ہے؟

(۹)......اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم سب شعبوں کا پانی پہنچا رہا ہے، اہل تبلیغ کا یہ دعوی اور جملہ بھی غلط اور سو فیصد غلط ہے کہ: دعوت سب شعبوں کو پانی پہنچا رہا ہے، مدرسوں

کو بھی اور خانقاہوں کو بھی۔ آپ کے پاس چھ نمبروں کی محدود دعوت کے سوا اور ہے کیا؟ علم سب شعبوں کو پانی پہنچائے گا، اور پہنچا رہا ہے، تبلیغ بھی علم کی محتاج، جہاد بھی علم کا محتاج ہے، خانقاہ بھی علم کی محتاج ہے۔ آپ فضائل کی تعلیم کر رہے ہیں کیا یہ علم نہیں، تو کیا علم آپ کو پانی نہیں پہنچا رہا ہے، کس قدر جہالت کا جملہ زبان زد ہو گیا ہے، اور ذمہ دار حضرات اسے بولتے جا رہے ہیں، بلکہ تبلیغ میں لگنے والے کم استعداد کے علماء بھی اسی کے نقال نظر آئے اور بغیر سوچے سمجھے یہی بولتے جا رہے ہیں، فیاللاسف۔

ہر حال میں نکلنے پر اصرار

(۴)......بعض حضرات میں اس قدر غلو دیکھا گیا کہ ہر حال میں سہ روزہ لگانا ہی ہے، گشت کرنا ہی ہے، چلہ لگانا ہی ہے، چاہے گھر میں کچھ بھی حالات ہوں، بچہ بیمار ہو، بیوی بیمار ہو کوئی بات نہیں، اللہ تعالی کے راستہ میں نکلنے سے سارے مسائل حل ہو جائیں گے، یہ غلط نظریہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ سب ایسے نہیں ہیں، مگر ایک طبقہ ضرور اس غفلت میں مبتلا ہے، اور بعض ذمہ دار حضرات سے ایسے جملے بھی سنے کہ: میری بیوی بیمار تھی، مرض وفات میں مگر میں تو اللہ تعالی کے راستہ میں تھا، یہ کوئی فخریہ جملہ نہیں، اس پر استغفار کرنا چاہئے۔

غزوۂ بدر کی اہمیت سے اہل علم ناواقف نہیں ہیں، اس غزوہ کے مستقل فضائل وارد ہیں، مگر آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجۂ محترمہ اور آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے غزوہ میں شرکت سے روک دیا۔

(۱)......واما تغیبه عن بدر فانه کانت تحته بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم و کانت مریضة، فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: انّ لک اجر رجل ممن

شهد بدرا و سهمه ، الخ۔

ترجمہ:.......اور رہا ان کا (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) غزوۂ بدر میں غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے عقد نکاح میں تھیں اور وہ بیمار تھیں (وہ ان کی تیمارداری میں مصروف تھے) پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کو غزوہ بدر میں حاضر ہونے والے صحابی (رضی اللہ عنہ) کے برابر اجر ملے گا اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔

(بخاری، باب مناقب عثمان بن عفان أبی عمرو القرشی رضی الله عنه ، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ، رقم الحدیث:۳۶۹۹)

گشت کے دن کوئی پروگرام منظور نہیں

(۵)......بعض حضرات اس قدر گشت کو اور گشت کے بعد چھ نمبروں کے بیان کو اہمیت دیتے ہیں کہ اس وقت میں کوئی اور دینی پروگرام بھی گویا ان کے نزدیک حرام ہے، بڑے سے بڑے بزرگ کا وعظ بھی اس وقت انہیں منظور نہیں، بعض کو تو ایسے وقت میں مسجد کی کمیٹی سے لڑتے ہوئے دیکھا گیا کہ اس وقت آپ نے اس بزرگ کا پروگرام کیوں رکھا؟۔ظاہر ہے یہ بھی غلو فی الدین ہے، ایک مباح کام پر اس قدر اصرار ممنوع ہے۔

ایک ہی کتاب کے پڑھنے پر حد سے زیادہ اصرار

(٦)......بعض حضرات میں اس قدر غلو دیکھا گیا کہ: ہمیشہ صرف ایک ہی کتاب کی تعلیم ہوگی، کسی ضرورت کے وقت اگر امام صاحب یا اور کوئی دوسرا عالم کسی اور کتاب سے کچھ سنانا چاہے، مثلاً شب برائت کے موقع پر کسی اور رسالہ سے اس رات کے بارے میں کچھ پڑھنا چاہیں، تو انہیں ہرگز منظور نہیں، گویا ہدایت کی کتاب صرف یہ فضائل ہی کی کتاب

ہے۔ یہ بھی غلو فی الدین ہے، اور امر مباح پر اصرار ممنوع ہے۔

درس تفسیر اور درس حدیث سے دین نہیں پھیلتا

(۷)...... بلکہ اس سلسلہ میں ان کی غلو کی انتہا یہاں تک پہنچی ہے کہ درس قرآن یا درس حدیث کے بھی یہ قولا یا عملا مخالف ہیں، بعض تو کھل کر اس کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے درس سے ہدایت نہیں پھیلتی۔ بعض اکابر کے درس کی بھی ان کو مخالفت کی ہمت ہوئی۔ مسجد کمیٹی کے ذمہ دار اس سلسلہ میں قطعا ان کی بات نہ چلنے دیں، بلکہ ان کو سختی سے روکیں، جہاں درس قرآن یا درس حدیث ہو رہا ہو، اس کی مخالفت کرنا تو بہت سخت معاملہ ہے، اس پر نہ جانے حضرات ارباب افتاء کیا حکم لگائیں گے۔ اللہ تعالی ایسے غالی حضرات کی اصلاح فرمائے، آمین۔

تبلیغ ودعوت میں زبردستی کرنے کی ممانعت

(۸)......اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نماز کے بعد اتنی جلدی تعلیم شروع کر دیتے ہیں کہ دوسرے نمازیوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے، تو یہ فعل تو ناجائز ہے، اور یہ خود بھی نوافل کی ادائیگی میں کمزور ہیں، نہ سنت مؤکدہ صحیح طور پر اطمینان سے ادا کرتے ہیں نہ نوافل، بس یہ فکر ہے کہ تعلیم ہو جائے۔ اللہ کے بندو! اطمینان سے سنن ونوافل ادا کرو، پھر تعلیم بھی کرو، کوئی بیٹھے یا نہ بیٹھے، ہم، سب کو بٹھانے کے مکلّف نہیں، اور نہ ہم سب کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالی نے مختلف مقامات پر فرمایا:

(۱)...... ﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ، وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾۔

ترجمہ:......اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے۔تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کروگے تا کہ وہ سب مؤمن بن جائیں؟۔اور کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر مؤمن بن جائے۔

(پ:۱۱؍سورۂ یونس،آیت نمبر:۹۹؍۱۰۰)

(۲)......﴿ وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ ﴾۔

(پ:۲۶؍سورۂ قٓ،آیت نمبر:۴۵)

ترجمہ:......اور(اے پیغمبر!) آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔لہذا قرآن کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

(۳)......﴿ فَذَكِّرۡ قف اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ، لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ﴾۔

(پ:۳۰؍سورۂ غاشیہ،آیت نمبر:۲۱؍۲۲)

ترجمہ:......اب (اے پیغمبر!) آپ نصیحت کئے جاؤ۔آپ تو بس نصیحت کرنے والے ہو۔ آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا۔

تفسیر:......آنحضرت ﷺ کو کافروں کی ہٹ دھرمی سے جو تکلیف ہوتی تھی،اس پر آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ کر کے پورا ہو جاتا ہے،آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنائیں۔اس میں ہر مبلغ اور حق کے داعی کے لئے بھی یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اسے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے ، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان سے زبردستی اپنی بات منوانے کا ذمہ دار ہے۔(آسان ترجمہ)

یہ بھی ارشاد فرمایا: کیا آپ اس غم میں کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک فرمادیں گئے؟

(۱)......﴿ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴾۔

(پ:۱۵/سورۂ کہف،آیت نمبر:٦)

ترجمہ:......اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے جیسے آپ افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے!۔

(۲)......﴿ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴾۔

(پ:۱۹/سورۂ شعراء،آیت نمبر:۳)

ترجمہ:......(اے پیغمبر!) شاید آپ اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے۔

بے طلبوں میں محنت

کیا بے طلبوں میں طلب پیدا کرنا دین کی اصل محنت ہے؟، ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ، الخ ﴾ سے اس دعوی کی تردید، حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ سے اس دعوی کی تردید، بے طلبوں کو علم کا خزانہ دینی کی ممانعت، ہر بے طلب کو دین سکھانا مضر ہے، بہترین عالم وہ ہیں: اگر لوگ چاہے تو علم سکھائے ورنہ بے نیاز رہے، علم اپنے لئے سیکھو، وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

کیا بےطلبوں میں طلب پیدا کرنا دین کی اصل محنت ہے؟

سوال:...... کیا دعوت وتبلیغ والوں کا یہ جملہ ’’ بےطلبوں میں طلب پیدا کرنا دین کی اصل محنت ہے،اور یہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے‘‘ صحیح ہے؟

الجواب...... حامدا ومصلیا ومسلما :اہل دعوت وتبلیغ کی طرف سے بکثرت یہ جملہ سننے کو ملا کہ ’’ بےطلبوں میں طلب پیدا کرنا دین کی اصل محنت ہے،اور یہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے‘‘۔

اس حدتک تو شاید یہ جملہ درست ہو کہ ’’ بےطلبوں میں طلب پیدا کرنا بھی دین کی محنت ہے‘‘ مگر اہل تبلیغ کا دعوی قابل نظر ہے،اس لئے کہ قرآن کریم کی تعلیم اور آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے جو حکم عطا فرمایا اس سے یہ جملہ میل نہیں کھاتا۔اس کی دومثالیں قرآن کریم سے پیش کی جاتی ہیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ، الخ ﴾ سے اس دعوی کی تردید

(۱)...... کفار قریش کے چند سردار: عتبہ،شیبہ،ابن ربیعہ،مطعم بن عدی،اور حارث بن نوفل وغیرہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور کہا: آپ کے بھتیجے محمد (ﷺ) کی بات سننے اور ماننے سے ہمارے لئے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ان کے اردگرد ہروقت وہ لوگ رہتے ہیں جو یا تو ہمارے غلام تھے، ہم نے ان کو آزاد کردیا،اور یا وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہی رحم وکرم پر زندگی گذارتے تھے،ان حقیر وذلیل لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم ان کی مجلس میں شریک نہیں ہوسکتے،آپ ان سے کہدیں کہ اگر ہمارے آنے کے وقت وہ ان

لوگوں کو مجلس سے ہٹادیا کریں، تو ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے ان کی بات نقل کی، تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اس میں کیا حرج ہے، کچھ دنوں کے لئے آپ یہ بھی کر دیکھیں، یہ لوگ تو اپنے بے تکلف محبین ہیں، ان لوگوں کے آنے کے وقت مجلس سے ہٹ جایا کریں گے۔ اس پر اللہ تعالی نے آیت اتاری:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ ﴾۔

ترجمہ:......اور ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) نہ نکالنا جو صبح وشام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔ (پ ۷: سورۂ انعام، آیت نمبر: ۵۲)

جس میں سختی سے ایسا کرنے سے رسول کریم ﷺ کو منع فرمادیا گیا، نزول آیت کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو معذرت کرنا پڑی کہ میری رائے غلط تھی۔

(معارف القرآن ص۳۴۲ ج۳)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ سے اس دعوی کی تردید

(۲)......سورۂ عبس کے شروع کی آیتوں کے سبب نزول پر بھی غور فرمالیں، آپ نے کس مصلحت کے خاطر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے اعراض فرمایا، مشرکین کے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ میں آپ ﷺ مشغول تھے، اور مصلحت کس قدر معقول تھی، یہ ایمان لے آئیں تو نہ جانے ان کی وجہ سے کتنے لوگ ایمان لے آئیں گے، مگر اس مصلحت کو بھی پسند نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ہم حق پر جمے رہنے کے مکلّف ہیں، مصلحتوں کی وجہ سے حق کو نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ

آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہوکر آنحضرت ﷺ کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری)

اور ''ابن کثیر'' کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا، اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا، اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ کے سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار: عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل، ابن ہشام اور آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس موقع پر (حضرت) عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لئے اصرار کرنا ناگوار ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ (حضرت) عبداللہ بن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے، دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا، بخلاف رؤسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی، اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے محرومی ان کی ظاہر تھی۔ ان مجموعۂ حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عبداللہ) ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا، اور جو گفتگو تبلیغ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۂ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جس میں آپ ﷺ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کے خلاف طرز گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ ہونی چاہیئے تا کہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے اس کے لئے تو آپ نے حضرت (عبداللہ) ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) سے رخ پھیر لیا، اور دوسری بات یہ تھی کہ: بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں، ان کے ازالہ کی فکر مقدم ہونا چاہیئے بمقابلے دین کے فروعی احکام کی تعلیم کے جو (حضرت) عبد اللہ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) چاہتے تھے۔ مگر حق تعالی جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ: یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اس کے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا، اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے، موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہیئے۔ (معارف القرآن ص۶۷۳ ج۸)

احادیث اور آثار سے بھی اہل تبلیغ کے دعوی کی تردید ہوتی ہے، چند احادیث اور آثار نقل کئے جاتے ہیں:

بے طلبوں کو علم کا خزانہ دینے کی ممانعت

(۱)......عن عبد الله قال : لا تَنْشُرْ بَزَّک الا عند مَن يبغيه۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے (علم کے) خزانے کو مت پھیلایا کرو، مگر اس شخص کے سامنے جو اس کو تلاش کرے۔

(۲)......عن ابن مسعود قال : لا تَنْشُرْ سِلْعَتَک الا عند مَن يريدها۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے سامان کو مت پھیلاؤ، مگر اس شخص کے سامنے جو اس کو حاصل کرنے کا ارادہ کرے۔

(۳)......عن مسروق قال : لا تَنْشُرْ بَزَّک الا عند مَن یریده۔

ترجمہ:......حضرت مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا: تم اپنے (علم کے) خزانے کو مت پھیلا، مگر اس شخص کے سامنے جو اس کو حاصل کرنے کا ارادہ کرے۔

(۴)......عن سعید بن جبیر قال : لا اَنْشُرُ بَزِّی عند مَن لا یریده۔

ترجمہ:......حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اپنا خزانہ نہیں پھیلاتا ہوں مگر اس شخص کے سامنے جو اس کو حاصل کرنے کا ارادہ کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹/۱۶۰ ج ۱۳، من قال لا یحدث بالحدیث الا من یریده ، کتاب الادب، رقم الحدیث: ۲۶۱۴۰/ ۲۶۱۴۴/ ۲۶۱۴۱/ ۲۶۱۴۳)

ہر بے طلب کو دین سکھانا مضر ہے

(۵)......عن أبی قلابة قال : لا تُحَدِّثْ بالحدیث الا مَن یَعْرِفُه ، فانّ مَن لا یَعْرِفُه یَضُرُّه، ولا یَنْفَعُه۔

ترجمہ:......حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ نے فرمایا: تو حدیث مت بیان کر مگر اس شخص کے سامنے جو اس کے مرتبہ کو پہچانتا ہو، جس نے اس کے مرتبہ کو نہ پہچانا (اس کو حدیث سنانا) اس کے لئے مضر ہے (اس کو نقصان پہنچائے گا) اور اس کو نفع نہیں پہنچائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹ ج ۱۳، من قال لا یحدث بالحدیث الا من یریده ، کتاب الادب ، رقم الحدیث: ۲۶۱۴۲)

بہترین عالم وہ ہیں: اگر لوگ چاہے تو علم سکھائے ورنہ بے نیاز رہے

عوام کی بھی ذمہ داری ہے کہ اہل علم سے دین سیکھے، اگر عوام میں کوئی طلب نہ ہو تو علماء کو بھی استغناء کرنا چاہئے، بلکہ حدیث شریف میں تو اسے بہترین فقیہ کہا گیا ہے جو عوام کے

استغنی کو دیکھ کر خود بھی مستغنی رہے۔

(۶)......عن علی رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : نِعْمَ الرّجلُ الفقِیهُ فی الدِّین اِنِ احْتِیجَ الیه نفع ' وان اسْتَغْنی عنه أغنی نفسَه۔

(مشکوۃ، کتاب العلم ، الفصل الثالث ، رقم الحدیث:۲۳۴)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو، اگر اس کے پاس کوئی ضرورت لائی جائے تو اس کو نفع پہنچائے ،اور اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو اپنے آپ کو بے نیاز کرلے۔

تشریح:......بہترین فقیہ اور عالم وہ ہے اگر لوگوں کو اس کی طرف ضرورت ہوتو نفع پہنچائے، مسئلہ پوچھیں تو بتائے، سبق پڑھنا چاہیں تو پڑھائے ،اگر لوگ اس سے استغناء ظاہر کرے تو وہ اور مستغنی ہوجائے ، بے پرواہ بن جائے۔

کسی جگہ اگر کوئی عالم نہ ہو اور لوگ اس کے محتاج ہوں تو ان میں رہے،لیکن لوگ محتاج نہ ہوں اور اس سے دین کا فائدہ اٹھانے کی خواہش اور طلب ظاہر نہ کریں تو پھر اس کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو بھی ان سے بے نیاز کرلے، اور اپنے اوقات کو عبادت ، دینی کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علم دین کی خدمت میں صرف کرے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۳۰۴ ج ا۔الرفیق الفصیح ص۴۸۴ ج ۳)

علم اپنے لئے سیکھو

دین اپنے لئے سیکھنا ہے، بے طلبوں کے لئے نہیں،

(۷)......عن لیث بن أبی سُلیم قال : قال لی طاوس : ما تعلمتَ فتعلمه لنفسک ، فان الامانة والحیاء قد ذهبا من الناس۔

ترجمہ:......حضرت لیث بن ابی سلیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: مجھے حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرمایا: جو کچھ سیکھو اپنے لئے سیکھو نہ کہ دوسروں کے لئے، اس لئے کہ اب لوگوں میں امانت وحیا باقی نہیں۔(العلم والعلماء، لابن عبدالبر (اردو) ص۱۰۰)

(جامع بیان العلم وفضلہ ص۵۳۸ ج۱، فصل، رقم الحدیث:۸۸۴، ط: دارابن الجوزیہ)

(۸)...... و قال مالک بن دینار : من طلب العلم لنفسه فقيل العلم [يكفيه] ومن طلبه للنّاس فحوائج الناس كثيرة۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ص۵۳۸ ج۱، فصل، رقم الحدیث:۸۸۵، ط: دارابن الجوزیہ)

ترجمہ:......حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی ذات کے لئے علم حاصل کیا تو کہا گیا کہ وہ علم (اس کے کے لئے کافی) ہے، اور جو شخص لوگوں کے لئے علم حاصل کرتا ہے تو لوگوں کی ضروریات تو بہت ہیں۔ واللہ تعالی أعلم وعلمه أحكم وأتم

ضروری نوٹ

نوٹ:......اس مقالہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ بے طلبوں پر کوئی محنت نہ کی جائے، یقیناً دین سے دور اور دین سے غافل افراد پر محنت کرنا دین کا اہم شعبہ ہے، اور دین اسلام کی عظیم محنت ہے، اور ایک حد تک دعوت وتبلیغ کے اہل کے لئے اپنی استطاعت کے بقدر اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے ضروری ہے، مگر اپنے کام اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرنا کہ دوسرے کاموں کی نفی یا اہمیت ختم ہو جائے درست نہیں، بلکہ یہ ایک حد تک غلو فی الدین ہے، جس کی قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے۔

غلو کی مذمت اور پر ممانعت کی تفصیل کے لئے راقم الحروف کا رسالہ ''غلو کی مذمت''۔ مرغوب الرسائل ص۱۵۳ ج۴۔

مکتب کی اہمیت

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی، چالیس صدیقین کا ثواب، مکتب کے بچے ہمارے بعد مرجع ہوں گے، مکتب کے بچوں سے دعا کرانا، بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اللہ تعالی کے غضب کو، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما معلمین وغیرہ کو تنخواہ دیتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت محمود بالربیع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا بچپن میں کمال علم حاصل کرنا، سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم کرنا، بچپن سے تربیت کے متعلق قرآن کریم کی چند مثالیں وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کیے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

مکتب کی اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

سوال:......مولانا! چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب کی کیا اہمیت ہے، اس پر کچھ لکھ دیں تو احسان ہوگا۔ بعض حضرات سے سنا کہ: علماء چھوٹے بچوں پر اپنی صلاحیت صرف کر رہے ہیں، جو شریعت کے مکلّف ہی نہیں۔

الجواب:......حامدا و مصلیا ومسلما: مکتب کی تعلیم دینے والے عظیم الشان دینی شعبے میں مشغول علماء کے متعلق جو جملہ آپ نے نقل کیا ہے، اس طرح کا جملے یہ عاجز بھی اپنے کانوں سے خود سن چکا ہے، مگر اسے غلو پر محمول کر کے اس پر کبھی توجہ نہیں دی، اور دین میں غلو کرنے والوں کے ایسے جملوں سے ہمیں متأثر بھی نہیں ہونے چاہئے، اس طرح کے غلو کرنے والے بہت کم تعداد میں ہے، زیادہ اہل فہم اور دین کی محنت کرنے والے اس طرح کے غلو سے پرہیز کرنے والے ہیں۔

مولانا محمد الیاس صاحب کے نزدیک مکتب کی اہمیت

اس طرح غلو کرنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ: بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ باوجود فنا فی التبلیغ ہونے کے کس طرح دوسرے شعبوں کو اہم سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے ملفوظات ' مواعظ اور آپ کی سوانح کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ پہلی مرتبہ اہل میوات کے چند مخلصوں نے آپ کو میوات چلنے کی درخواست کی تو فرمایا: ”میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کرو گے“۔

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اوران کی دینی دعوت ص ۷۹)

علامہ اقبال کا فرمان: ”مکتبوں اور مدرسوں کو رہنے دو“

آج کے ترقی یافتہ دور میں (اور درحقیقت وہ تنزلی اور دین بیزاری کا دور ہے) مکاتب اور مدارس پر فقرے کسنے والوں کے لئے ایک گواہی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اور وہ بھی مولوی، ملا کی نہیں، بلکہ ایک مشرق دیدہ اور مغرب رسیدہ کہے جانے والے شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کی۔ حکیم احمد شجاع نے اپنی کتاب ”خون بہا“ (ص ۴۳۹ ج ۱) میں علامہ اقبال مرحوم کے ساتھ اپنی ایک دلچسپ گفتگو نقل کی ہے، جوان لوگوں کے لئے یقیناً چشم کشا ہے جوان مکاتب کے نظام کو فرسودہ اور آوٹ آف ڈیٹ تصور کرتے ہیں، حکیم صاحب کا بیان ہے:

لاہور میں آ کر میں نے پاک پٹن شریف کے مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی، وہ پہلے تو حسب عادت میری بات غور سے سنتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے، پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگے، جب میں اپنی کہانی سنا چکا تو فرمایا: ”جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی، میں بھی وہی کچھ سوچتا تھا جو تم چاہتے ہو، انقلاب ایک ایسا انقلاب ہو جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب و متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے“۔ پھر علامہ نے فرمایا: ”ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمان کے بچوں کو انہیں مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ اب جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور

باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرؤوں اور اسلامی تہذیب کے اثر کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی اٹھ سوسالہ حکومت اوران کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(دینی وعصری تعلیم اور درسگاہیں ص ۱۶)

وہ علاقے اور بستیاں قابل مبارک باد ہیں جہاں مکاتب قائم ہیں اور وہاں ابتدائی تعلیم کا نظم ہے کہ اس میں الف' با سے طالب علم اپنے علم کی ابتداء کرتا ہے، یہی مکاتب بعد میں ذریعہ بنتے ہیں کہ یہاں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کوئی عالم' کوئی مفتی' کوئی مصنف' کوئی حافظ وقاری بنتا ہے۔

جن علاقوں میں مکاتب کا نظام نہیں' خود راقم کو ایسے علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا، ان کے نو جوانوں سے لیکر ۷۰/۸۰ سال کے بوڑھوں تک کو قرآن کریم کی آخری دس سورتیں اور نماز تک یاد نہیں، اور انہیں دین کی بنیادی اور اہم باتوں تک سے غافل پایا۔

آپ کے سوال کے تفصیلی جواب میں اپنا ایک رسالہ جو راقم نے ''مکتب کی اہمیت'' کے نام سے لکھا تھا، اس کا مطالعہ انشاء اللہ کافی ہوگا۔ وہ یہ ہے:

عرض مرتب

اہل برطانیہ پر اللہ تعالی کے انعامات میں سے ایک خصوصی نعمت یہ بھی ہے کہ حضرات علماء کرام کی جد و جہد اور قربانیوں کے سبب یہاں اکثر شہروں اور بستیوں میں مسجد کے ساتھ چھوٹے بچوں کے لئے مکتب کا نظام قائم ہوگیا، اور جہاں نہیں ہے وہاں بھی کچھ فکرمند ارباب علم مکتب کی ابتدا کررہے ہیں۔

اس مختصر رسالہ میں مکتب کی اہمیت پر کچھ لکھا گیا ہے، ساتھ ہی اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ بچپن میں تعلیم وتربیت کی فکر کرنی چاہئے، عامۃً جب بچہ کم عمر کا ہوتا ہے تو اسباق سیکھ بھی جلدی لیتا ہے، اور یاد بھی رکھتا ہے۔

بچے کے لئے سب سے پہلا مکتب والدین ہیں

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے ہے کہ بچے کے لئے سب سے پہلا مکتب والدین ہیں، اور خصوصا والدہ کی تربیت بہت اثر لاتی ہے، امت کے اسلاف کے حالات پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ جو بھی کوئی بنا ہے اس میں ان کی والدہ کی تربیت کا خاص دخل ہے۔

اس لئے ہر والدین کو شروع ہی سے بچہ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ کسی شاعر نے یتیم کی تعریف کہتے ہوئے خوب کہا ہے کہ: ؂

لیس الیتیم من انتھی أبواہ من ہمّ الحیاۃ و خلّفاہ ذلیلا

ان الیتیم ھو الذی تلقی لہ أماً تخلت أو أباً مشغولا

یتیم وہ ہیں جس کے ماں باپ زندگی کے غم سے آزاد ہوگئے ہوں اور اس کو تنہا چھوڑ گئے ہوں۔

یتیم تو وہ ہے ک جس کی ماں نے اسے تنہا اکیلا چھوڑ دیا ہو اور اس کا باپ مشغول رہتا

ہو۔

تجربہ شاہد کہ عامۃً دیندار گھرانوں کی اولاد میں دینی حمیت نظر آتی ہے، جن کے والدین نے بچوں کی اچھی تربیت کی اور انا دینی ذہن بنایا وہ بچے بڑے ہوکر بھی الحمدللہ دین پر جمے اور معل کرتے دیکھے گئے کسی نے صحیح کہا ہے ؎

وینشا ناشئ الفتیان منا علی ما کان عوده أبوه

وما دان الفتی بحجی ولکن یعوده التدین اقربوه

ہم میں سے نیا نیا جوان انہیں عادات واخلاق پر بڑھتا پلتا ہے جن کا اس کے والدین اسے عادی بناتے ہیں۔

اور عقل کے ذریعہ سے کوئی نوجوان بھی دیندار نہیں بنتا، دینداری کا عادی تو اسے اس کے رشتہ دار ہی بناتے ہیں۔

اس لئے والدین کی سب سے بڑی ذمہ اداری ہے وہ اپنے اولاد کی صحیح تربیت کریں، حدیث شریف میں آپ ﷺ نے صاف ارشاد فرمادیا ہے کہ: بچہ تو فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر اس والدین اپنی غفلت وکوتاہی سے اسے برا بنادیتے ہیں:

(۱)......عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسولُ الله صلی الله عليه وسلم: كلُّ مَوْلُودٍ يُولد على الفطرة فأبَواه يُهَوِّدانِه أو يُنَصِّرانِه او يُمَجِّسانه، الخ۔

(بخاری، باب ما قيل فی اولاد المشركين، كتاب الجنائز، رقم الحديث:۱۳۸۵)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین یا اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔

ہمارا کچھ مزاج ایسا بھی بنتا جارہا ہے کہ: ابھی تو یہ بچہ ہے، اسے آزادی دو، جو چاہے

کھیلنے دو، جو چاہے پہننے دو، جو چاہے کرنے دو، بڑا ہو کر سدھر جائے گا، یہ شیطان کا دھوکا ہے، آدمی جیسا بیج ڈالتا ہے ثمرہ وہی ملتا ہے۔

قد ينفع الأدب الأولاد فى صغر وليس ينفعهم من بعده أدب

ان الغصون اذا عدلتها اعتدلت ولا تلين ولو لينته الخشب

بچپن میں ادب سکھانا بچے کو فائدہ پہنچا دیتا ہے، اور یہ عمر گذرنے کے بعد انہیں کسی قسم کا ادب فائدہ نہیں پہنچاتا۔

ٹہنیوں کو اگر آپ سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھی ہو جاتی ہیں، لیکن جب لکڑی بن جائیں تو اس کو نرم کرنا بھی نرم و لچک دار نہیں بنا سکتا۔

اس لئے اپنی اولادوں کے بچپن کے قیمتی اوقات کو والدین وسرپرست غفلت میں برباد نہ کریں۔

اس مختصر فرصت میں اسی موضوع پر چند باتیں لکھی گئی ہیں۔ اللہ تعالی اس کاوش کو اپنے بارگاہ عالی میں شرف قبولیت عطا فرمائے، اور ذخیرۂ آخرت بنائے، اور ہمیں اپنی اولاد کی بچپن ہی سے تربیت کی فکر عطا فرمائے، اور پوری عالم کے چپے چپے میں مکاتیب دینیہ کے نظام کو عام وتام فرما کر ہمارے معصوم بچوں کی دینی واخلاقی تربیت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۴؍صفر ۱۴۴۵ھ مطابق: ۱۰؍ستمبر ۲۰۲۳ء

بروز اتوار

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔اسی لئے صحابۂ کرام اورتابعین کے زمانہ میں بچوں کودین کی اتنی تعلیم ضروری جاتی تھی کہ وہ نمازادا کرسکیں۔

معلم کونابالغ کے مال سے اجرت دینا جائز ہے

فقہاء نے تو یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ:

نابالغ بچے کونماز کے ارکان وواجبات سکھانے کے لئے کسی معلم کواجرت پر رکھنا جائز ہے، بلکہ اس کی اجرت بچے کے مال سے ادا کرنا بھی درست ہے،اگراس کے پاس مال ہو، ورنہ باپ کے مال سے،اوراگر باپ کے پاس مال نہ ہوتو بچے کی ماں کے مال سے اجرت ادا کی جائے۔(مستفاد:الدرالمنضود ص۸۳ج۲، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں قرآن یادکرنا

آپ ﷺ کے زمانہ میں بچوں کے لئے مستقل مکتب کا نظام نہیں تھا،لیکن مدینہ اور اطراف کے بچے اورنوجوان مسجد نبوی میں علم دین حاصل کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ’’باب تعلیم الصبیان القرآن ‘‘میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بچپن میں قرآن یادکرنے کا ذکر کیا ہے۔

(۱)......عن سعید بن جبیر قال : اِنّ الذی تدعونه المُفَصَّلَ هو المُحکم ، قال : وقال ابن عباس رضی الله عنهما : تُوُفِّیَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم وانا ابنُ عشرِ سِنِین وقد قرأتُ المُحکَمَ۔

(بخاری، باب تعلیم الصبیان القرآن ، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث:۵۰۳۵)

ترجمہ:......حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :تم قرآن کریم کے جس حصہ کو مفصل کہتے ہو(یعنی سوۃ الحجرات سے آخرقرآن تک) وہ محکم ہے،اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور میں ''المُحکم'' کو پڑھ چکا تھا۔

(۲)......عن سعید بن جبیر : عن ابن عباس رضی اللہ عنہما : جمَعتُ المُحکم فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ، فقلتُ له : وما المُحکم ؟ قال : المُفَصَّلُ۔

(بخاری، باب تعلیم الصبیان القرآن ، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث:۵۰۳۶)

ترجمہ:......حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ :حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ''المُحکم'' کو جمع کرلیا تھا۔حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے پوچھا:''المُحکم'' کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا:''المُفصل''۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بچپن میں آپ ﷺ کی مجلس میں احادیث سیکھنا صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے۔(ریاض الصالحین ص۱۱۴)

مسجد نبوی میں وفود کے ساتھ بچے بھی شوق سے قرآن سیکھنے آیا کرتے تھے۔ چنانچہ بنی تمیم کے وفد میں تیس بچے شامل تھے۔ مدینہ شریف میں خانگی مکاتب گھر گھر جاری تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب جاری کر کے اس میں معلم مقرر کیا۔بعض لوگوں نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات میں شمار کیا۔

''کنز العمال'' کی روایت میں ہے کہ: آپ نے معلمین کے لئے پندرہ درہم ماہانہ مقرر کیا۔(کنز العمال قدیم ص۱۹۲/۲)

اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ: عوام کی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے معلم ضروری ہے، جو اجرت لے ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے۔ (تربیت الاولاد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن کی تعلیم اور ان کے معلموں پر خاص توجہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مؤذنوں، اماموں اور معلموں کے وظائف مقرر کئے۔

مدینہ منورہ میں صفہ کے علاوہ مکاتب اور درسگاہیں تھیں

آپ ﷺ کے زمانہ میں بچوں کے لئے مستقل مکتب کا نظام نہیں تھا، لیکن مدینہ اور اطراف کے بچے اور نوجوان مسجد نبوی میں علم دین حاصل کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں صفہ کی درسگاہ کے علاوہ بعض اور مکاتب اور چھوٹی درسگاہیں بھی تھیں۔

حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مکان ''دارالقراء'' تھا

حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مکان تو ''دارالقراء'' ہی سے معروف تھا، اور یہاں بھی درس کا ایک نظام قائم تھا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسی ''دارالقراء'' میں مقیم ہوئے۔

(طبقات سعد ص ۱۵۰ ج ۴۔ دینی وعصری تعلیم اور درسگاہیں ص ۱۶)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب تعلیم الصبیان القرآن'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بچپن میں قرآن یاد کرنے کا ذکر کیا ہے۔

چالیس صدیقین کا ثواب

مکتب میں پڑھنے والے بچوں کا اجر ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

''جو شخص طلب علم اور عبادت میں پرورش پاتا ہے یہاں تک کہ اسی حالت میں بڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کو چالیس صدیقین کا ثواب دیتا ہے''۔ (جامع بیان العلم ص۸۲ ج۱)

مکتب کے بچے ہمارے بعد مرجع ہوں گے

اسی لئے بڑوں کی نظر میں مکتب کے بچوں کی بڑی اہمیت تھی۔ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ جب مکتب کے پاس سے گذرتے تو فرماتے کہ: ''یہی ہمارے بعد مرجع ہوں گے''۔

بچوں کی آواز سے قرآن سن کر کیف وسرور حاصل ہونا

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک مرتبہ مکتب کے پاس سے گذرے تو بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوز سن کر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بچوں کی آواز سے قرآن سن کر کیف وسرور حاصل ہوتا ہے۔

محدث اسماعیل بن رجاء رحمہ اللہ مکتب کے بچوں کو جمع کر کے حدیث سنانا

محدث اسماعیل بن رجاء رحمہ اللہ مکتب کے بچوں کو جمع کر کے حدیث سنایا کرتے تھے تا کہ انہیں یاد ہو جائے۔

اسلاف کا بیماری میں مکتب کے بچوں سے دعا کرانا

اسلاف کے واقعات میں یہاں تک لکھا ہے کہ: بیماری میں مکتب کے بچوں سے دعا کرایا کرتے تھے۔ (مستفاد: ''خیر القرون کی درسگاہیں'')

بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اللہ تعالی کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی:۸۰۴

ھ...تحریر فرماتے ہیں:

روایت ہے کہ بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اللہ تعالی کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

(نعم الباری فی شرح صحیح البخاری ص۲۶۳ ج۹، باب تعلیم الصبیان القرآن ، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث:۵۰۳۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معلموں کے لئے ماہانہ تنخواہ مقرر کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کو قرآن سکھانے کے لئے مکاتب قائم کئے، اور ان کے معلموں کے لئے پندرہ درہم ماہوار مقرر کیا۔

(سیرت عمر۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ص۴۰۸۔ کنز العمال قدیم ص۱۹۲ ج۲)

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما معلمین وغیرہ کو تنخواہ دیتے تھے

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه وعثمان بن عفان رضی الله عنه کانا یرزقان المؤذنین والائمة والمعلمین والقضاة۔

(تاریخ بغداد ص۸۱ ج۲، ط: دار الکتب العلمیۃ، بحوالہ ''فتاوی دار العلوم زکریا ص۷۹۴ ج۹)

ترجمہ:......حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مؤذنین، ائمہ، معلمین اور قضاۃ کو تنخواہ دیتے تھے۔

بچوں کی تعلیم کے لئے معلم ضروری ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تو ارشاد ہے کہ: عوام کی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے معلم ضروری ہے، جو اجرت لے، ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے۔

(تربیت الاولاد فی الاسلام۔ خیر القرون کی درسگاہیں۔ ذکر صالحین ص۵۳۰ ج۳)

سماع اور اداء حدیث کے لئے عمر کی شرط

محدثین نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی کہ تحمل حدیث اور اداء حدیث کے لئے کیا عمر ہونی چاہئے۔ تحمل حدیث سماع کو کہتے ہیں، اور اداء حدیث روایت و اسماع حدیث کو کہتے ہیں۔(اس کو اس طرح بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ: تحمل حدیث سیکھنے کو اور اداء حدیث سکھانے کو کہتے ہیں)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اداء حدیث کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، البتہ تحمل حدیث کے لئے بالغ ہونا ضروری نہیں، بچہ اگر قریب البلوغ ہو، اور خیر وشر کے درمیان تمیز کر سکتا ہو اس کا تحمل درست ہے۔(شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ص ۱۵)

اور جمہور کے نزدیک بلوغ سے پہلے تحمل درست ہے۔(علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۲۸، النوع الرابع والعشرون : معرفة كيفية الحديث و تحمله وصفة ضبطه)

نوٹ:...... تفصیل کے لئے دیکھئے! کشف الباری عما فی صحیح البخاری ص ۳۷۴ ج ۳، بـاب متى يصح السِّماع ، كتاب العلم۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''كتاب العلم '' میں مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے: ''باب متى يصح السِّماع '' اور اس میں درج ذیل احادیث لائیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بلوغت سے پہلے حدیث یاد کرنا

(۱)......عن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما قال : أَقْبلتُ راكبا على حِمارٍ أتانٍ ' وأنا يومئذ قد ناهزْتُ الاحتلام ' ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بِمِنًى الى غَير جدارٍ ' فمررتُ بين يدَىْ بعضِ الصَّفِّ ' وأرسلْتُ الأتانَ ترتعُ ' ودخلتُ الصّف '

فلم يُنكِرْ ذلك عَلَيَّ أحد۔

(بخاری، باب متی یصح السِّماع ، کتاب العلم، رقم الحدیث:۷۶)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں گدھے (یا) گدھی پر سوار تھا اوراس وقت میں بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منی میں بغیر کسی دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، میں کسی صف کے سامنے سے گذرا اور میں نے گدھی کو چرنے چھوڑ دیا، پھر میں صف میں داخل ہوگیا تو کسی نے مجھ پر انکار نہیں کیا۔

حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ کا پانچ سال میں حدیث یاد کرنا

(۲)......عن محمود بن الرّبيع قال : عَقَلْتُ من النبى صلى الله عليه وسلم مَجَّةً مَجَّها– وأنا ابن خمس سنين– من دلو۔

(بخاری، باب متی یصح السِّماع ، کتاب العلم، رقم الحدیث:۷۷)

ترجمہ:......حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میرے چہرے پر ڈول کے پانی سے کلی کی تھی، اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بچپن میں کمال علم

(۳)......عن مجاهد قال : صَحِبْتُ ابن عمر رضى الله عنهما الى المدينة فلم اَسْمَعْه يُحَدِّث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الا حديثا واحدا ' قال : كنّا عند النبى صلى الله عليه وسلم فَأُتِىَ بِجُمَّارٍ فقال : انّ من الشجر شجرةً مَثَلُها كمثل المسلم ' فأردتُ ان أقول : هى النّخلة ، فاذا أنا أصغر القوم ' فسكت ' قال النبى صلى الله عليه وسلم هى النّخلة۔

(بخاری، باب الفہم فی العلم ، کتاب العلم، رقم الحدیث:۷۲)

ترجمہ:......حضرت مجاہد رحمہا للہ فرماتے ہیں کہ: میں (مکہ مکرمہ سے) مدینہ منورہ تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ (ایک سفر میں) رہا، میں نے ان سے (پورے سفر میں) رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک حدیث سنی، انہوں نے فرمایا: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس کھجور کا گوند لایا گیا جو چربی سے مشابہ ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جو مسلم کے مشابہ ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ میں کہوں کہ: وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں حاضرین میں سب سے چھوٹا تھا، اس لئے میں خاموش رہا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم کرنا

(۴)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : مُروا أولادكم بالصلوة و هم أبناء سبع سنين ' واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين ، الخ۔

(ابوداؤد، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۴۹۴۔ترمذی، باب ما جاء متى يؤمر الصبى بالصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۴۰۷)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں، اور وہ دس سال کے ہو جائیں (اور نماز چھوڑیں) تو ان کو ماریں۔

(۵)......هشام بن سعد حدثنى معاذ بن عبد الله بن خُبيب الجُهنى قال : دخلنا عليه فقال لامرأته : متى يصلّى الصبى ؟ فقالت : كان رجل منّا يذكُرُ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه سُئل عن ذلك ' فقال : اذا عرف يمينَه من شماله ' فمُرُوه بالصلوة۔(ابوداؤد، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۴۹۷)

ترجمہ:......حضرت ہشام بن سعد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: ہم لوگ حضرت معاذ بن عبد اللہ بن خبیب جہنی کے پاس گئے، انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا: بچہ کب نماز پڑھے گا؟ ان کی اہلیہ نے کہا کہ: ہم میں سے ایک صاحب یہ فرماتے تھے کہ: رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب بچہ دائیں بائیں کی تمیز کرنے لگے تو اس کو نماز کا حکم کرو۔

بچوں کا روزہ

(٦)......وقال عمر رضی الله عنه لنشوان فی رمضان : ویلک و صبیاننا صیام فضربه۔(بخاری، باب صوم الصِّبیان ، کتاب الصوم ، قبل رقم الحدیث:۱۹۶۰)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نشہ باز شخص سے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے (تو نے رمضان میں بھی شراب پی رکھی ہے) حالانکہ ہمارے بچے بھی روزے سے ہیں، پھر اسے مارا۔

(٧)......عن الرُّبَیِّع بنت مُعَوِّذٍ رضی الله عنه قالت : أرسل النبی صلی الله علیه وسلم غَداةَ عاشوراءَ الی قُری الانصار : من أصبح مُفطرا فَلْیُتِمَّ بقیّة یومه ' ومن أصبح صائما فَلْیَصُمْ ، قالت : فکنا نصومُه بعدُ ' ونصوم صِبیانَنا ' ونجعل لهم اللعبة من العِهْن ' فاذا بکی أحدُهم علی الطّعام اعطیناه ذاک حتی یکونَ عند الافطار۔

(بخاری، باب صوم الصِّبیان ، کتاب الصوم ، رقم الحدیث:۱۹۶۰)

ترجمہ:......حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے دس محرم کی صبح کو انصار کی بستیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ: جو شخص صبح کو اس حال میں اٹھا کہ اس کا روزہ نہیں تھا تو وہ باقی دن کھانے سے رکا رہے، اور جو صبح کو روزے کی حالت میں اٹھا تو وہ اپنے

روزہ پر قائم رہے، حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم اس کے بعد روزے رکھتے تھے اور ہم اپنے بچوں کو بھی روزے رکھواتے تھے اور ہم ان کے لئے رنگین اون کی گڑیاں بناتے تھے، پس جب ان میں سے کوئی کھانے کے لئے روتا تو ہم اس کو وہ گڑیاں دے دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔

بچوں کا حج

(۸)......عن السائب بن يزيد قال : حُجَّ بِي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا ابنُ سبعِ سِنِين۔(بخاری، باب حج الصِّبيان ، كتاب الحج ، رقم الحديث:۱۸۵۸)

ترجمہ:......حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامان کے ساتھ حج کرایا گیا اور اس وقت میری عمر سات سال تھی۔

تشریح:......بچوں پر روزہ اور حج فرض نہیں، مگر والدین بچوں کو بچپن میں روزہ رکھوائے تا کہ بڑے ہوکر روزہ کی عادت ہوجائے، اور حج وعمرہ ساتھ کرائیں گے تو وہ حج وعمرہ کا طریقہ سیکھیں گے۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وقال ابن بطال :....الا أن أكثر العلماء استحسنوا تدريب الصبيان على العبادات رجاء البركة ‘ وانهم يعتادونها فتسهل عليهم اذا ألزمهم ‘ وأن من فعل ذلك بهم مأجور‘‘۔(عمدۃ القاری ص۹۸ ج۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت:۱۴۲۱ھ)

اکثر علماء نے برکت کے لئے بچوں کو عبادات کی مشق کی کرانا مستحسن قرار دیا ہے تا کہ بچے عبادات کے عادی ہوجائیں، اور جب ان پر عبادت لازم ہو تو ان کے لئے عبادت کرنا سہل ہو، اور جوان کو عبادت کی مشق کرائے گا اس کو اجر ملے گا۔(نعمۃ الباری ص۴۷۳ ج۴)

بچوں کے بستر الگ الگ کردو

(۹)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : مُروا أولادكم بالصلوة و هم أبناء سبع سنين .....وفَرِّقُوا بينهم في المَضَاجِع۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات سال کے ہوجائیں.....اوران کے بچھونے (بسترے) الگ الگ کردو۔

(ابوداوٴد، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۴۹۵)

تشریح:......یعنی جب بھائی بہن دس سال کی عمر کے ہوجائیں تو پھر ایک جگہ بغیر ستر عورت کے نہ سوئیں تا کہ بدن کا بدن سے تماس (لگنا) نہ ہو، اور اگر ہر ایک اپنے کپڑے میں مستور ہو تو تفریق کے لئے فی الجملہ کافی ہے اگر چہ ایک چادر کے نیچے ہوں، لیکن اولی یہ ہے کہ دس سال کے بعد ہر ایک اپنے بچھونے پر الگ الگ ہو، اس لئے کہ دس سال کی عمر مظنۂ شہوت ہے۔ ''بذل'' میں ''مجمع البحار'' سے یہی نقل کیا ہے۔

اور ابن رسلان ''وفَرِّقُوا بينهم '' کے تحت لکھتے ہیں ''أي بين الغلمان ' فالغلام والجارية بالطريق الاولى ''یعنی دو بھائی اگر ہوں تو بھی تفریق کرنی چاہئے، اور اگر بھائی بہن ہوں تو پھر تفریق بطریق اولی ہوگی..... ''درمختار'' وغیرہ میں دس سال کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ (الدر المنضود ص۸۴ ج۲)

”کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ “ کے مصداق مکتب کے اساتذہ ہوسکتے ہیں

(۱)......﴿ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾۔(پ:۳؍سورۂ ال عمران، آیت نمبر:۷۹)

ترجمہ:...... یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تعالی اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کریں، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے۔

تشریح:......امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ربانی اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کو علم کی بڑی کتابوں سے پہلے چھوٹی کتابیں پڑھائے: ”ویقال : الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کباره“۔

اس تفسیر کے مطابق امید ہے کہ مکتب کے اساتذہ بھی اس آیت کے مصداق ہوں گے انشاءاللہ۔

بچپن سے تربیت کے متعلق قرآن کریم کی چند مثالیں

قرآن کریم نے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں بچپن میں اللہ تعالی کی طرف نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دانائی عطا فرمانے کا ذکر ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اپنی اولاد کو نصیحت فرمانا اور بچپن ہی سے تربیت فرمانا معلوم ہوتا ہے، چند آیات درج ہیں:

حضرت یحیی علیہ الصلوۃ والسلام کو بچپن میں دانائی عطا فرمانا

(۱)......﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾۔

(پ:۱۶/سورۂ مریم، آیت نمبر:۱۲)

ترجمہ:......(پھر جب حضرت یحیی علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہو کر بڑے ہو گئے تو ہم نے ان سے فرمایا:) اے یحیی! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کر دی تھی۔

(۲)......﴿ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾۔

(پ:۲۱/سورۂ لقمان، آیت نمبر:۱۳)

ترجمہ:......اور وہ وقت یاد کرو جب (حضرت) لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''میرے بیٹے! اللہ تعالی کے ساتھ شرک نہ کرنا۔

(۴)......﴿ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ ﴾۔

(پ:۱۲/سورۂ یوسف، آیت نمبر:۵)

ترجمہ:......انہوں نے (یعنی حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام نے اور (حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام) کہا: بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا۔

مستحب پر دوام کا حکم

فقہاء نے مستحب پر اصرار کو منع فرمایا ہے، جو جائز چیز ناجائز تک پہنچادے وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کا واجب کے خوف سے منقول اعمال کو کبھی کبھی ترک کرنا، مثلاً: اجتماعی تلاوت اور درود پڑھنے پر نکیر، سفر میں اتمام فرمانا، احتلام والے کپڑے میں صرف دھبوں کو دھونا، لازم ہونے کے خوف سے قربانی نہ فرمانا، وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

فقہاء نے مستحب اور مندوب پر اصرار کو منع فرمایا ہے

سوال...... مستحب پر اصرار کا کیا حکم ہے؟

الجواب:...... حامدا ومصلیا ومسلما: فقہاء نے مستحب اور مندوب پر اصرار کو منع فرمایا، بلکہ اس کو مکروہ تک فرمایا۔ اور اس اصل کی دلیل ''بخاری شریف'' کی یہ روایت ہے۔

(۱)...... قال عبد اللہ : لا یجعلُ أحدُکم للشّیطان شیئًا من صلوٰتہ یری أنّ حقّا علیہ أن لا ینصرفَ الا عن یمیہ ، لقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرفُ عن یسارہ۔

(بخاری، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث:۸۵۲)

ترجمہ:...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا کوئی حصہ نہ بنائے کہ وہ یہ اعتقاد کرے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ صرف (نماز کے سلام کے بعد) دائیں طرف مڑ کر بیٹھے، کیونکہ میں نے بہت دفعہ نبی کریم ﷺ کو بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ منیر رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ اصول ذکر کیا ہے:

(۱)...... وقال ابن المنیر : ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن رتبتھا، التیامن مستحب فی کل شئی ای من امور العبادۃ ، لکن لما خشی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان یعتقدوا وجوبہ اشار الی کراھتہ۔ (فتح الباری ص۳۹۴ ج۲)

شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۲)......و فيه ان من اصر على امر مندوب و جعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال ، فكيف من اصر على بدعة و منكر۔

(مرقاۃ ص۳۵۳ ج۲، باب الدعاء فی التشھد ، کتاب الصلوۃ)

(۳)......و الاصرار على المندوب يبلغه الى حد الكراهة ، فكيف اصرار البدعة التى لا اصل له فى الشرع۔

(السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ ص۲۶۵ ج۲، باب صفۃ الصلوۃ ، قبیل : فصل فی القراءۃ)

جو جائز چیز ناجائز تک پہنچا دے وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے

فقہاء نے یہ جزئیہ لکھا ہے کہ: جو چیز ناجائز تک پہنچائے وہ بھی ناجائز ہے:

(۱)......وكل ما أدى الى ما لا يجوز لايجوز۔

(الدر المختار مع رد المحتار ص۵۱۹ ج۹، کتاب الحضر والاباحۃ ، فصل فی اللبس ، ط:مکتبۃ دار الباز ، مکۃ المکرمۃ)

مباح کو سنت سمجھنا مکروہ ہے

(۱)......كل مباح يؤدى الى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه ' فهو مكروه۔

(تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ، ص۳۳۳ ج۲، مسائل و فوائد شتی من الحضر والاباحۃ و غیر ذلک ط: مکتبۃ دار المعرفۃ ، بیروت)

(۲)......فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها۔(سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر ص۳۴۔ مجموعہ رسائل اللکھنوی ص۴۹۰ ج۳)

(۳)......سجدة الشكر مستحبة به يفتى ، لكنها تكره بعد الصلوة ، لان الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة ، وكل مباح يؤدى اليه فمكروه۔

(الدر المختار مع رد المحتار ص۵۸۹ ج۲، باب سجود التلاوة ، مطلب : فى سجدة الشكر ، كتاب الصلوة ، قبيل : باب : صلوةُ المسافر ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة۔
حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ص۵۰۰، فصل : سجدة الشكر مكروهة عند ابى حنيفة رحمه الله ، كتاب الصلوة ، قبيل : باب الجمعة ، ط : دار الكتب العلمية ، بيروت)

مصالح پر مفسدات غالب آجائیں تو ان پر حرمت کا حکم عائد ہوگا

علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ: جب مصالح پر مفسدات غالب آجائیں تو ان پر حرمت کا حکم عائد ہوگا۔ ''روح المعانی'' میں ہے:

(۱)......فان المفسدة اذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل۔

(روح المعانى ص۱۷۳ ج۲، سورة البقرة : تحت الآية ﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ :۲۱۹)

جو چیز شر تک پہنچائے وہ بھی شر ہے

(۱)......واستدل بالآية على ان الطاعة اذا أدت الى معصية راجحة وجب تركها ' فان ما يؤدى الى الشر شر۔

(روح المعانى ص۱۷۳ ج۲، سورة الانعام : تحت الآية ﴿ ولا تَسبُّوا الّذين يدعون ﴾ :۱۰۸)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کا واجب کے خوف سے منقول اعمال کو کبھی کبھی ترک کرنا

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے ''الاعتصام'' میں اس مسئلہ پر بڑی عمدہ اور نفیس بحث فرمائی ہے کہ بعض اعمال شریعت میں ثابت ہیں مگر ان پر مداومت سے عوام کا ذہن بگڑ سکتا ہے، مثلاً مباح امور کو سنت سمجھنے لگیں، یا سنت کو واجب سمجھنے لگیں تو ایسے امور پر مداومت کو ترک کیا جائے گا، اوران کا چھوڑ دینا مطلوب ہے۔علماء نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں: چند نقل کرتا ہوں۔اہل علم اس بحث کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کا اجتماعی تلاوت اور درود پڑھنے پر نکیر

(۱)......وعن يونس بن عبيد : ان رجلا قال للحسن : يا أبا سعيد ! ما ترى في مجلسنا هذا ؟ قوم من أهل السنة والجماعة لا يطعنون على أحد ، نجتمع في بيت هذا يوما ' وفي بيت هذا يوما ' فتقرأ كتاب الله ' و ندعوا (ربنا و نصلي على النبي صلى الله عليه وسلم و ندعوا) لأنفسنا ولعامة المسلمين ؟ قال : فنهى الحسنُ عن ذلك أشد النهي۔

(الاعتصام ص۳۲۶ ج۲، فصل البدع الاضافية والعبادات ، الباب الرابع في مأخذ اهل البدع في الاستدلال)

ترجمہ:......حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے پوچھا: اے ابوسعید! ہماری اس مجلس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے بعض لوگ کسی پر کوئی لعن طعن نہیں کرتے، اور ایک دن کسی کے گھر اور

دوسرے دن کسی اور کے گھر جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، اور آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے اس پر سختی سے نکیر فرمائی اور اس کام کو منع فرمایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر میں اتمام فرمانا

(۲)......أنّ عثمان بن عفان اتمّ الصلوة بمنىً من أجل الأعراب لانهم كَثُرُوا عامَئِذٍ ' فصلّى بالناس أربعا لِيُعَلِّمَهُم ان الصلوة اربع۔

(ابوداؤد، باب الصلوة بمنى ، كتاب المناسك ، رقم الحديث:۱۹۶۴)

ترجمہ:......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منی میں اعراب کی وجہ سے نماز میں اتمام کیا (اور قصر نہیں فرمایا) اس لئے کہ اس سال اعراب کی کثرت تھی، تو آپ نے لوگوں کو چار رکعت پڑھائیں تا کہ ان کے سکھائے کہ (اصل) نماز میں چار رکعتیں ہیں۔

تشریح:......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سفر میں قصر نہیں کیا اور اتمام فرمایا، پوچھنے پر فرمایا: میں امام ہوں (اور میری اقتدا میں سب لوگ نماز پڑھتے ہیں) دیہات کے لوگ بھی ہوتے ہیں، کہیں وہ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ نماز (ظہر وعصر یا عشاء کے فرض چار رکعتیں نہیں ہیں) دو رکعتیں ہیں۔ سفر میں قصر سنت ہے یا واجب، تو میں نے قصر کو ان کے دین کی حفاظت کے لئے ترک کیا۔

(الاعتصام ص۳۲۹ ج۲، فصل البدع الاضافية والعبادات ، الباب الرابع فى مأخذ اهل البدع فى الاستدلال)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احتلام والے کپڑے میں صرف دھبوں کو دھونا

(۳)......عن يحى بن عبد الرحمن بن حاطبٍ ' انّه اعتمر مع عمر بن الخطاب

رضـی الله عنه فی رَکْبٍ فیهم عمروبن العاص رضی الله عنه ٬ وانّ عمر بن الخطّاب رضی الله عنه عَرَّسَ ببعض الطّریق قریبا من بعض المِیاه ٬ فاحتلم عمر رضی الله عنه وقد کان أن یُصْبِح ٬ فلم یجد مع الرّکب ماءً ٬ فرَکِب حتّی جاء الماء فجعل یغسل ما رأی مـن ذلک الاحتـلام حتـی أسـفـر ٬ فـقـال لـه عـمرُ وبن العاص رضی الله عنه : أصْبَـحْـتَ و معنا ثِیابٌ ٬ فدعْ ثوبَک یغسل ٬ فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه : واعـجباً لک یا عَمر و بن العاص ! لئن کنت تجد ثیابا افکُلُّ النّاس یجد ثیابا ؟ والله لو فعَلْتُها لکانت سُنّة ٬ بل أغسِل ما رأیت وأنْضِحُ ما لم أرَ۔

(مؤطاامام مالک (مترجم ص ۱۶۱ ج۱)، باب اعادة الجنب الصلوةَ و غسله اذا صلّی ولم یَذکُرُ و غسله ثوبه ، کتاب الطهارة ، رقم الحدیث: ۱۲۷۔ اوجز المسالک ص ۱۱۳ ج۱، رقم الحدیث: ۱۱۳)

ترجمہ:......حضرت یحی بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرہ کا سفر کیا، اس قافلہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رات میں احتلام ہوگیا، صبح قریب تھی اور پانی نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے اور پانی کے قریب پہنچے اور اپنے کپڑوں پر احتلام کے لگے ہوئے دھبوں کو دھونے لگے، یہاں تک کہ روشنی ہوگئی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ نے صبح کی ہے، ہمارے پاس کپڑے موجود ہیں، یہ بعد میں دھل جائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمرو بن العاص! (رضی اللہ عنہ) تعجب ہے تمہارے پاس کپڑے ہیں تو تم سمجھتے ہو کہ سب لوگوں کے پاس کپڑے ہوں گے؟ اللہ کی قسم! اگر میں ایسا کروں تو یہ طریقہ سنت بن جائے گا، بلکہ میں جہاں دھبہ دیکھتا ہوں اسے دھو لیتا ہوں اور جہاں نہیں دیکھتا وہاں پانی چھڑک لیتا ہوں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قربانی نہ فرمانا

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس لئے (کبھی کبھی) قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں۔

(۴)......عن حذيفة بن أسيد الغِفارى قال : رأيت أبا بكر و عمر رضى الله عنهما وما يُضَحِّيان ان يُسْتَنَّ بهما ' فحملنى أهلى على الجَفاء ' بعد أن عَلِمتُ من السنة حتى انى لأضحى عن كلٍّ۔

(معجم کبیر طبرانی ص۳۸۱ ج۴، باب الضحايا ، كتاب المناسک ، رقم الحديث:۸۱۳۹۔

مجمع الزوائد ص۶ ج۴، باب فی الاضحية ، كتاب الاضاحى ، رقم الحديث:۵۹۴۲)

ترجمہ:......حضرت حذیفہ بن اسید بن غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ: انہوں نے قربانی نہیں کی اس ڈر سے کہیں اس کو سنت نہ سمجھ لیا جائے، (چونکہ میں بھی قربانی نہیں کرتا تھا) مجھے میرے گھر والے بخیل سمجھتے تھے، مگر جب مجھے اس کے سنت ہونے کا علم ہو گیا تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا قربانی کو لازم نہ سمجھنے کو محبوب فرمانا

(۵)......قال علقمة : لأن لا أُضَحِّى احبّ اِلىّ من ان أراه حتما علىّ۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۸۲ ج۴، باب الضحايا ، كتاب المناسک ، رقم الحديث:۸۱۴۷)

ترجمہ:......حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں قربانی نہ کروں یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اسے اپنے اوپر لازم سمجھوں۔

حضرت ابومسعود عقبہ رضی اللہ عنہ کا قربانی ترک کرنے کا ارادہ فرمانا

(۶)......عن عقبة بن عمرو رضی الله عنه قال : لقد هممت أن أدع الاضحية ' وانّي لَمِنْ أيسَرِكم بها ' مخافة أن يحسب انها حتم واجب۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۸۳ج۴، باب الضحايا ، كتاب المناسک ، رقم الحديث:۸۱۴۸۔

سنن کبری بیہقی ص۲۶۵ج۱۹، كتاب الضحايا ، رقم الحديث:۱۹۰۷۰/۱۹۰۷۱)

ترجمہ:......حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ارادہ کیا کہ میں قربانی ترک کردوں، حالانکہ میں تم سب کے مقابلہ میں زیادہ آسانی سے قربانی کرسکتا ہوں، لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ لازم اور واجب ہے۔

آپ ﷺ نے بعض امور اس لئے ترک فرمائیں کہ امت پر مشقت نہ ہو، مثلا: مسواک کے متعلق آپ کا ارشاد، نماز عشاء کو تاخیر سے پڑھنا، روزانہ تراویح کی جماعت نہ فرمانا، جن کی تفصیل درج ہے:

آپ ﷺ کا مشقت کے خوف ہر وضو کے لئے مسواک کا حکم نہ فرمانا

(۱)......عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : لولا أن أشُقَّ علی اُمّتی –أو لولا ان اشق علی الناس –لامرتُھم بالسِّواک مع کل صلوۃ...وفی راویۃ : عند کل وضوء۔

(بخاری، باب السواک یوم الجمعۃ ، کتاب الجمعۃ ، رقم الحدیث:۸۸۷۔

بخاری، باب سواک الرطب والیابس للصائم ، کتاب الصوم ، قبل رقم الحدیث:۱۹۳۴)

ترجمہ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا – یا فرمایا: لوگوں پر دشوار نہ ہوتا – تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔

آپ ﷺ کا مشقت کے خوف سے عشاء کی نماز تاخیر ادا نہ فرمانا

(۲)......أعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعشاء فخرج عمر فقال : الصلوۃ یا رسول اللہ ! رقد الناس والصبیان ، فخرج ورأسہ یقطر یقول : لولا أن اشُقّ علی اُمّتی أو علی الناس ...لامرتُھُم بالصلوۃ ھذہ السّاعۃ۔

(بخاری، باب ما یجوز من اللّو ، کتاب التمنی ، رقم الحدیث:۷۲۳۹)

ترجمہ......ایک دن نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھانے میں بہت تاخیر فرمائی،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! صلوۃ، عورتیں اور بچے سو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا- یا فرمایا: مجھے لوگوں پر مشقت کا خوف نہ ہوتا- تو میں ان کو اس وقت نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

فرض کے خوف سے آپ ﷺ کا تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ فرمانا

(۳)......أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلةً من جوف الليل ، فصلى فى المسجد وصلى رجال من صلوته ، فأصبح الناس فتحَدَّثوا فاجتمع اكثرُ منهم فصلى فصلَّوُا معه ، فأصبح النّاس فتحَدَّثوا فكَثُر أهل المسجد من اليلة الثّالثة ، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فصلوا بصلوته ، فلمّا كانت الليلة الرابعة عجَز المجسد عن أهله حتى خرج لصلوة الصُّبح ، فلمّا قضى الفجر أقبل على الناس فتشَهَّد ، ثم قال : أما بعد ! فانه لم يَخْف عليَّ مكانُكم ، ولكنِّى خشيتُ أن تُفرَضَ عليكم فَتَعْجِزُوا عنها ، فَتُوَفِّيَ رسول الله صلى الله عليه وسلم والامرُ على ذلك۔(بخاری، باب فضل من قام رمضان ، كتاب صلوة التراويح ، رقم الحديث:۲۰۱۲)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت باہر تشریف لائے، پس آپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا تو ان میں سے بہت زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے، پس انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا ذکر کیا تو پھر (اس سے بھی) زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے اور تیسری رات کو مسجد بھر گئی، پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف آئے، پس آپ ﷺ نے نماز پڑھی،

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب چوتھی رات آئی تو اتنے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم آ گئے کہ مسجد ان سے تنگ ہوگئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے، جب آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے، پھر کلمہ شہادت پڑھا' پھر فرمایا: امابعد! تمہارا نماز کا شوق مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے گی۔ پھر تم اس کو پڑھنے سے عاجز آ جاؤ گے، پھر رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا اور (اس نماز تراویح کا) معاملہ اسی طرح برقرار رہا۔

(۴)...... انّه صلّى اللّه صلى الله عليه وسلم صلّى بالنّاس عشرين ركعة ليلتين فلمّا كان فى الليلة الثالثة اجتمع النّاس فلم يخرج اليهم ثم قال : من الغد انّى خشيت ان تفرض عليكم فلا تطيقونها ، متفق على صحته ۔

(تلخيص الحبير فى تخريج احاديث الرافع الكبير ص۱۹۹ج۱)

ترجمہ......آپ ﷺ نے دو راتیں لوگوں کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھیں، پھر تیسری رات بھی لوگ جمع ہوئے، مگر آپ ﷺ (حجرہ سے) باہر تشریف نہیں لائے اور فرمایا: کل اس لئے میں نہیں نکلا، کیونکہ مجھے یہ خوف ہوا کہ تم پر یہ نماز (تراویح) فرض نہ ہوجائے اور تم اس کی طاقت نہ رکھ سکو۔

شب برأت میں قبرستان جانا

(۱)......عن عائشة رضى الله عنها قالت : فقَدتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم ليلةً فخرجتُ فاذا هو بالبقيع ' فقال : أكُنتِ تخافين أن يَحِيفَ الله عليكِ ورسولُه ؟ قلتُ : يا رسول الله ظننتُ انّك أتيت بعض نِسائِك ' فقال : انّ الله عزّ وجلّ ينزِل

ليلة النصف من شعبانَ الى السّماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شَعُر غنم كلبٍ۔

(ترمذی، باب ما جاء فی ليلة النصف من شعبان، ابواب الصوم، رقم الحديث:۷۳۹)

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک رات آپ ﷺ کو نہیں پایا، میں باہر نکلی تو آپ ﷺ بقیع میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ڈر رہی تھیں کہ اللہ تعالی اور ان کے رسول ﷺ تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں نے گمان کیا کہ آپ ﷺ دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی عزوجل نصف شعبان کی رات میں قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں اور بنوکلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ مغفرت فرماتے ہیں۔

پندرہ شعبان کی رات میں قبرستان جانا ایک روایت سے ثابت ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: جو چیز رسول اللہ ﷺ سے جس درجے کی ثابت ہو اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، لہذا ساری حیات طیبہ میں آپ ﷺ سے ایک مرتبہ جنت البقیع تشریف لے جانا مروی ہے،...اس لئے اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے، لیکن ہر شب برأت میں جانے کا اہتمام کرنا' التزام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا درست نہیں۔ (مستفاد: اصلاحی خطبات ص۲۶۵ ج۴)

نبی کریم ﷺ سے اس پر مداومت ثابت نہیں، اس لئے اس کو سنت مستمرہ کا درجہ دینا بھی صحیح نہیں، ہاں کبھی کبھی چلا جائے تو مضائقہ نہیں۔ (درس ترمذی ص۵۸۱ ج۲)

فرض نماز کے دعا مستحب ہے، اس کو لازم سمجھ کر دوام درست نہیں

فرض نماز کے بعد دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے، اجتماعی بھی دعا کی جاسکتی ہے، کبھی کبھار جہری کر لی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں، مگر اس دعا کو لازم سمجھنا بدعت ہے، اسی

طرح نماز کے بعد دعا کو نماز کا جز اور سنت صلوۃ سمجھنا جائز نہیں۔ یہ دعا مستحب ہے، اس لئے اس کو لازم سمجھ کر اس پر دوام کرنا درست نہیں۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ص۵۶/۵۹ ج۸)

والله تعالى أعلم وعلمه أحكم وأتم

مرغوب احمد لاجپوری

۱۴۳۹ھ مطابق: ۲؍مئی ۲۰۱۸ء

بدھ

قبلہ سے انحراف

سمت قبلہ درست ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں ایک لکھا گیا فتوی اس رسالہ میں مذکور ہے، اس فتوی پر اکابر و ارباب افتاء نے اپنے تائیدی دستخط ثبت فرمائے ہیں، مثلا: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی، (استاذ حدیث و فقہ ندوۃ العلماء، لکھنو)، حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب، (استاذ حدیث وفقہ مظاہر علوم سہارنپور) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب (شیخ الحدیث و مفتی جامعۃ العلم والہدی، بلیکبرن) حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب (استاذ حدیث و مفتی جامعۃ العلم والہدی، بلیکبرن)۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

قبلہ سے انحراف

سمت قبلہ درست ہونی چاہئے ،جدید تعمیر میں قبلہ کا انحراف درست نہیں، اکابر کے چند فتاوی،مسجد قبلہ سے منحرف ہوتو صفیں قبلہ رخ بنائی جائیں ،معمولی انحراف سے بھی بچنا چاہئے،نئی مساجد کو صحیح جہت میں تعمیر کرنا چاہئے،مسجد کی تعمیر میں لاکھوں کا خرچ مگر قبلہ کی تعیین میں غفلت،عبادات میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا واجب ہے،صرف حطیم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں، انحراف قلیل بھی حضرات شوافع کے نزدیک جائز نہیں، اور یہی حنفیہ میں سے امام طحاوی اور ابوعبداللہ الجرجانی رحمہما اللہ کی رائے ہے، دوسرے مسلک کے مقتدی کی رعایت، کعبہ کو دیکھ سکتا ہوتو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے،سمت قبلہ کو متعین کرنے کے لئے اسلاف کی سنت،قبلہ کی جہت کو متعین کرنے کے لئے آلات جدیدہ کا استعمال وغیرہ اموراس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سمت قبلہ درست ہونی چاہیئے یا انحراف کی گنجائش ہے؟

سوال:......ایک مسجد کا قبلہ منحرف ہے، اب اس میں نیا کام ہونے جارہاہے، اس کی وجہ سے مسجد وسیع ہوجائے گی، قبلہ کے صحیح رخ کرنے میں مسجد والوں میں اختلاف ہوگیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ پرانی جہت ہی رہے گی، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی، (اس لئے بھی کہ صفیں بدلنے سے مسجد کا حسن باقی نہیں رہتا، اور صفیں ٹیڑھی اچھی نظر نہیں آتیں) اور دوسرے حضرات کی اکثریت کا کہنا ہے کہ جب نیا کام ہورہا ہے تو جہت قبلہ درست کرلینا چاہیئے، اور اس کی وجہ سے نمازیوں کو تنگی بھی نہیں ہوگی، اب جان بوجھ کر منحرف جہت سے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ ان دونوں میں کس کی رائے درست اور مناسب ہے؟ جواب میں اپنے اکابر کے چند فتاوی مع حوالجات بھی آجائیں تو بہتر ہوگا۔

جدید تعمیر میں قبلہ کا انحراف درست نہیں

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما:......ایک مسجد کی تعمیر صحیح رخ پر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جہت درست اور صحیح قبلہ سے منحرف ہے، اور اب نیا کام ہورہا ہے، اور مسجد میں وسعت بھی ہے کہ صفیں درست کرنے سے نمازیوں کو تنگی بھی نہیں ہوگی تو قبلہ کا رخ درست اور صحیح سمت پر کرلینا چاہیئے، عمداً منحرف جہت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

بہتر تو یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر ہی درست جہت پر کی جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم صفیں تو صحیح کرلینا از حد ضروری ہے۔ صرف صفیں خوبصورت نظر آئیں، اس لئے غلط جہت پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

مسجد اور صفوں کا ظاہری حسن اصل نہیں ہے، نماز کی روح اصل ہے، باطنی حسن کو چھوڑ کر

ظاہری حسن کی وجہ سے پانچوں وقت کی نمازیں بلاکسی شرعی وجہ کے منحرف سمت میں پڑھنا عقل مندی نہیں ہے، چاہے صفیں ٹیڑھی ہو جائیں، مگر نماز صحیح ہوگی ،اور یہی اصل مقصود ہے۔

ہمارے اکابر کے فتاوی میں اس کی صراحت موجود ہے، آپ کی چاہت پر چند اکابر کے فتاوی نقل کرتا ہوں۔

اکابر کے فتاوی

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتاوی

مسجد قبلہ سے منحرف ہو تو صفیں قبلہ رخ بنائی جائیں

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:...... جہت کعبہ میں تو وسعت ہے، تاہم قبلہ کی جہت مساجد قدیمہ کی جہت سے صحیح کر لینا چاہئے۔

سوال:......ایک مسجد کی بنیاد تھوڑی سی ٹیڑھی رکھی گئی اور عمارت بلند ہو چکی ہے، زمین دار غریب آدمی ہے،اس کی عمارت پر چھت ڈال دی جائے یا کہ نہیں؟

جواب:......بہتر تو یہی ہے کہ مسجد کو قبلہ کی سمت کے موافق کر لیا جائے ، پھر چھت ڈالی جائے ،لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو اور چھت ڈال لی جائے تو مسجد میں صفیں قبلہ رخ کھڑی ہوا کریں،نماز ہو جائے گی۔(کفایت المفتی ص ۱۵۱ ج ۳،ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

قصداً نو دس درجے کا انحراف بھی نہیں رکھنا چاہئے

جواب:......قصداً باوجود علم کے نو دس درجے کے انحراف کو نظر انداز کر دینا اور غلط سمت پر

نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات ووساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا، اس لئے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نمازیں ادا کرنی چاہئے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ادا شدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہے، کیونکہ موجودہ انحراف اتنا نہیں ہے کہ سمت قبلہ کی حد معین سے باہر ہو گیا ہو۔

۲۷/درجہ انحراف پر بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے

ایک جنازہ گاہ جس میں جہت قبلہ ستائیس درجہ منحرف تھا، اب نئی نماز جنازہ کی جگہ درست جہت پر بنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

جواب:......اگر چہ جہت قبلہ کے اندر رہنے کی وجہ سے نماز قدیم جنازہ گاہوں میں بھی ہوجاتی ہے، لیکن باوجود ان کی غلطی معلوم ہوجانے کے ان کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے، یا تو ان جنازہ گاہوں میں سیدھی جہت پر کھڑے ہوکر نماز پڑھیں یا ان کو بالکل ترک کردیں اور سب جدید جنازہ گاہوں میں جو صحیح بنائی گئی ہیں، نماز ادا کریں..... غلطی معلوم ہوجانے پر بھی اس پر اصرار کرنا درست نہیں ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ص ۵۴۹/۵۵۱/۵۵۱/۵۵۷ ج ۳، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی

جواب:......اوپر (معمولی قبلہ سے انحراف) کی گنجائش بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکور ہوئی ہے، تاکہ جمہور مسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے، لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں، جیسے افتراق بین المسلمین، واطالت لسان معترضین، و جسارت عوام علی الخروج عن الحدود، واستخفاف حدود وامثالہا، خلاف مصلحت ہے۔ ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے۔ (امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۵۱۳ ج ۱)

انحراف مذکور فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن اولی یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں، یا قرب و جوار میں ہوں، ان کے موافق اس مسجد کو درست کرالیا جاوے۔ (رسالہ سمت قبلہ ص ۱۸۔ جواہر الفقہ ص ۳۴۴ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاوی

۴۵/درجہ انحراف کو بھی صحیح کر لینا ضروری ہے

جو مسجدیں سمت قبلہ کے مطابق ہیں، خواہ وہ نئی ہوں یا پرانی ان کی نمازوں کے سمت قبلہ کے موافق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، اور جن مسجدوں کے قبلے صحیح سمت نہیں ہیں، اگر وہ پینتالیس درجہ کے اندر تک ہیں جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن قاعدہ کے مطابق ان کی سمت قبلہ صحیح کر لینا ضروری ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ ص ۹۴۔ جواہر الفقہ ص ۴۲۰ ج ۲)

جواب:...... (دس پندرہ ڈگری کے انحراف سے) نماز تو بلاشبہ ہو جائے گی، لیکن اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ شہر کی عام مساجد و نماز گاہوں وغیرہ سے اس کا رخ کچھ پھرا ہوا ہے تو بہتر یہ ہے کہ رفع فتنہ کے لئے اس میں صفوں کے نشانات عام مساجد کے رخ کے موافق قائم کر دیئے جائیں، اور اسی کے موافق نماز پڑھی جائے، کیونکہ اس میں باہمی اختلافات بھی قطع ہو جائیں گے، اور قرب الی عین القبلہ بھی ہونے کی توقع ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند (امداد المفتین) ص ۳۵۲ ج ۲۔ مطبوعہ، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاوی

جان کر قبلہ سے منحرف تعمیر ہرگز نہ کی جائے

جواب:...... دیدہ و دانستہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہرگز نہ کی جائے۔... قصداً بالکل انحراف نہ

کیا جائے۔

۱۸/درجہ انحراف سے بھی بچنا چاہئے

(۱)......پہلی صورت میں:۱۸/ڈگری کا فرق۔

(۲)......دوسری صورت میں قبلہ رخ،مگر صفیں ٹیڑھی کرنی پڑتی ہیں۔

(۳)......تیسری صورت میں صفیں سیدھی مگر:۱۸/ڈگری کا فرق۔

ان تین صورتوں کے سوال پر تحریر فرمایا:

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں نقشہ نمبر:۲/کے موافق نماز ادا کرنا بلاشبہ درست ہے،اگرچہ صفیں ٹیڑھی ہی ہوں گی،مگر رخ صحیح ہوگا،اس لئے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے،قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں،سواس میں مضائقہ نہیں۔

نقشہ نمبر:۱/اور نمبر:۳/کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں ٹیڑھی نہیں،لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں،اگرچہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے،لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

جواب:...... ...(قبلہ سے منحرف مسجد میں)صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگادیئے جائیں،اوران کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے۔

’’مسجد بالکل قبلہ رخ نہیں ہے،تقریباً چھ فٹ کا فرق ہے‘‘اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:......نماز تو اتنے فرق سے بھی ادا ہوجاتی ہے،تاہم اس فرق کو نکالنے اور صفوف کا رخ صحیح کرنے کے لئے صفوف کے نشانات کو صحیح کردینا کافی ہے تاکہ ان نشانات پر نماز ادا کی جائے،تمام مسجد کو گرانے اور شہید کرنے کی ضرورت نہیں۔

''مسجد بالکل قبلہ رخ نہیں ہے،تقریبا دوفٹ کا فرق ہے''اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:......اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشان صحیح رخ پر لگا دیئے جائیں،اور ان نشانوں کے موافق جماعت کھڑی ہو کر نماز پڑھا کرے، تمام مسجد کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے...جو نمازیں پہلے پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص۵۳۰/۵۳۳/۵۳۷/۵۴۰/۵۱۴ ج ۳،ط: جامعہ فاروقیہ،کراچی)

حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہم کا فتوی

نئی مساجد کو صحیح جہت میں تعمیر کرنا چاہئے

یورپ وخصوصا انگلینڈ میں ابھی تقریبا پچاس سال سے مسلم آبادی بڑھنی شروع ہوئی ہے اور اب تک پرانی بلڈیگوں' مکان و چرچ کو مسجد کے طور پر استعمال کرتے چلے آرہے ہیں جو عامۃً جہت قبلہ پر نہیں ہیں،اس لئے جہت قبلہ کے سلسلہ میں دی ہوئی رخصت پر یعنی معمولی انحراف کے ساتھ عمل کرتے ہوئے انہیں مکانوں کو نماز کے لئے استعمال کرتے رہیں،اس میں شرعا نماز درست اور صحیح ہے۔

اب جبکہ زمین خرید کر بنیادی طور پر مساجد قائم کی جارہی ہیں(اور پرانی عمارتوں کو مسجد شرعی میں تبدیل کیا جارہاہے)تو عمارت اور محراب اور قبلہ کو بھی فقہاء کے بتائے ہوئے اور یہاں کی سب سے پرانی مسجدوں کو دیکھ کر صحیح تعمیر کرنی چاہئے تاکہ مستقبل میں جو لوگ اس پر عمل کرنا چاہیں تو صحیح جہت پر نماز پڑھ سکیں،اور جہت مسجد کو غلط قرار نہ دے سکیں۔

(فتاوی دینیہ ص۳۳۵ ج ۵)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتوی

۲۵/ڈگری یا اس سے زیادہ انحراف ہو تو نماز نہیں ہوگی

جواب:...... معمولی انحراف ہو تو نماز (درست) ہو جائے گی، اور اگر: ۲۵/ڈگری یا اس سے زیادہ (انحراف) ہو تو (نماز) نہیں ہوگی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ص ۳۴۲ ج ۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو احتیاط بتلایا ہے۔

(فتاوی دار العلوم (امداد المفتین) ص ۴۲۷ ج ۲، مطبوعہ: کراچی۔ محمود الفتاوی ص ۳۵۳ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کا فتوی

مسجد، مصلے کے قبلہ کا رخ بالکل صحیح اور درست ہو

جواب:...... افضل اور بہتر یہ ہے کہ مسجد، مصلے کے قبلہ کا رخ بالکل صحیح اور درست ہو، اور بالکل انحراف نہ ہو، تاکہ نماز بالکل صحیح سمت کی طرف ادا ہو۔

(فتاوی دار العلوم زکریا ص ۱۸۲ ج ۹، ط: زمزم، کراچی)

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کے فتاوی

جواب:...... محض مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے اس کا رخ: ۴۵/درجہ تک منحرف کر دینا بالکل نامناسب ہے۔ اگرچہ: ۴۵/درجہ کا انحراف بقول مفتی بہ انحراف معفو عنہ کی آخری حد ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسرے قول (جس کو احوط قرار دیا گیا ہے) کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی، اور نماز جیسی اہم اور عظیم عبادت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اسی لئے مسجد حرام میں صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو فریضہ ادا نہ ہوگا، جب کہ طواف میں حطیم کو بھی

شامل کر لینا ضروری ہے۔(ہدایہ ص۲۲۱ ج ۱)

ظاہری خوبصورتی کے مقابلہ میں معنوی و باطنی خوبصورتی کا لحاظ مقدم ہے، سمت قبلہ کا مستقیم ہونا محاسن باطنیہ میں سے ہے، اس لئے سمت قبلہ کو درست کر لینا چاہئے۔

(مستفاد: محمود الفتاوی ص۳۵۳ ج ۲، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

حضرت ایک سوال کے جواب میں جس میں یہ پوچھا گیا کہ:۔بعض لوگ صحیح سمت رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں وہ فتنہ کر رہے ہیں۔تحریر فرماتے ہیں:

اور جو حضرات اپنی انفرادی نمازوں میں صحیح سمت پر رخ کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں ان پر فتنہ بھڑکانے کا الزام دے رہے ہیں، آپ کا یہ رویہ کتنا مبنی بر انصاف ہے وہ آپ خود ہی بتلائیں؟۔(مستفاد: محمود الفتاوی ص۳۵۷ ج ۲، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

مساجد کی تعمیر میں لاکھوں کا خرچ مگر قبلہ کی تعیین میں غفلت

موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں جب سائنس، ریاضی اور دیگر علوم معراج کمال پر پہنچے ہوئے ہیں، ہر قسم کے لطیف آلات ایجاد ہو چکے ہیں، بہترین نقشے موجود ہیں، بحر و بر کے گوشے گوشے کا سروے ہو چکا ہے، سمندروں کی تہہ میں سوراخ کئے جا رہے ہیں، ہوا کے طبقات کی پیمائش ہو چکی ہے، قبلہ کی جہت کا متعین کرنا کیا دشوار ہے؟۔

ایک طرف تو یہ حقیقت ہے کہ مسلمان تمام عالم کے معلم ہیں، انہوں نے علوم وفنون کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، انہی کی بنیاد پر آج دنیا بام ترقی پر پہنچی ہے، اور دوسری طرف یہ عذر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس عمارت کے لئے اعلی درجے کے انجنیر اور ماہر کاری گر رکھے جا سکتے ہیں (بلکہ رکھے جا رہے ہیں) اور نہ صرف تعمیر پر، بلکہ اس کی تزئین پر ہزاروں نہیں لاکھوں پاؤنڈ خرچ کئے جا رہے ہیں، وہاں جہت قبلہ درست کرنا کیا دشوار

ہے؟۔لوگوں نے فقہاء کے حکم رخصت کو سمجھنے میں غلطی کی ہے،اوران کے دلوں میں تعیین سمت قبلہ کی اہمیت نہیں رہی ،سہل انگاری سے کام لیا گیا ،ایسی اہم اور بنیادی چیز کو جاہل معماروں کے سپرد کر کے مطمئن اور غافل ہو گئے ،اس کا لازمی اورافسوس ناک نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسجدیں جہت قبلہ کے مطابق نہیں بنیں۔

(مستفاد: کفایت المفتی ص۵۶۱/۵۶۲ ج۳،ط: جامعہ فاروقیہ،کراچی)

آج کے سائنسی دور میں ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں جو سمت قبلہ بتانے میں غیر معمولی ترقی کا ثبوت دے رہے ہیں، اوراس وقت سمارٹ (smart) فون پر ایسے آپ (app) موجود ہیں جن سے بیت اللہ کی درست اور صحیح جہت معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں۔ایسے دور میں مساجد کے قبلہ کی جہت میں گنجائش گنجائش کر کے درست جہت اختیار نہ کرنا قطعاً غیر مناسب عمل ہے،اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔

حق واضح ہوجانے کے بعد غلط جہت پر اصرار کرنا اپنی عبادت میں نقص پیدا کرنے کے برابر ہے۔

ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ

ہوائی جہاز میں نماز کے بارے میں شروع میں بعض اہل علم کی رائے عدم جواز کی تھی، مگر بعد میں جواز کا رجحان ہوگیا،اس لئے کہ فقہاء نے سجدہ کی تعریف اس طرح کی ہے: ’’وضع الجبهة على الارض أو على ما يستقر عليها‘‘اورہوائی جہاز نہ تو زمین پر ہے اورنہ اڑتے وقت زمین پر ٹکا ہوا ہے۔جس وقت فقہاء نے یہ تعریف کی تھی اس وقت ان کے ذہنوں میں ہوائی جہاز کا مسئلہ نہیں تھا،اورانہوں نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے ارض بول کر ایسی جگہ مراد لی تھی جس پر بآسانی چلا پھرا جا سکے،اور جو دبانے سے دب نہ سکے،اور

چونکہ یہ اوصاف صرف زمین یا زمین پر ٹکی ہوئی چیزوں پر ہی پائے جاتے تھے، اس لئے انہوں نے مذکورہ تعریف فرمائی تھی، لیکن ہوائی جہاز کے ایجاد کے بعد پتہ چلا کہ یہ صفات ہوا میں معلق چیزوں پر بھی پائی جاسکتی ہیں، لہذا ہوائی جہاز میں سجدہ کا تحقق ہوجانا چاہئے، اور فقہاء کی قدیم تعریف کو عدم جواز کی دلیل نہیں بنانا چاہئے۔

(مستفاد: فتوی نویسی کے رہنما اصول ص ۲۴۱)

''فتاوی دار العلوم زکریا'' میں ہے:

الجواب: ...... ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے بارے میں بعض علماء کو یہ اشکال تھا کہ ہوائی جہاز زمین پر موضوع نہیں ہے، اور سجدہ زمین پر یا کسی ایسی چیز پر ہو جو زمین پر موضوع ہو، اس وجہ سے وہ حضرات ناجائز کہتے تھے، لیکن شریعت مطہرہ کا اصل منشا یہ ہے کہ سجدہ ایسی چیز پر ہو جس پر پیشانی اچھی طرح ٹک سکے، لہذا اون کے گالے جن میں پیشانی دبتی چلی جاتی ہے اور کوئی مستقر نہ ملے تو اس پر نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اور ہوائی جہاز زمین کے اجزاء سے بنایا گیا ہے، اور زمین کے اجزاء زمین ہی ہیں، پھر اس پر پیشانی اچھی طرح ٹک جاتی ہے، بنابریں ہوائی جہاز میں نماز صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

(فتاوی دار العلوم زکریا ص ۱۲۷ ج ۲، ط: مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

لاؤڈ اسپیکر میں نماز کا مسئلہ

لاؤڈ اسپیکر میں نماز کا مسئلہ دیکھئے، شروع میں ہمارے کئی ارباب افتاء عدم جواز کے قائل تھے، مگر جب سائنسی تحقیق سے امام کی آواز کا اصلی ہونا معلوم ہوا تو جواز کا فتوی دیا گیا۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز درست ہے یا نہیں؟ شروع میں اہل علم کے درمیان اس

مسئلہ میں اختلاف تھا، بعض حضرات کی رائے تھی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہے، بلکہ اس کی آواز کی بازگشت ہے، اس لئے اس آواز پر مقتدیوں کی نقل وحرکت گویا امام کی بجائے ایک دوسری آواز کی بناء پر ہوگی، اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ مقتدی امام کے بجائے کسی اور کی آواز پر نقل وحرکت کرے۔

اس کے مقابلے میں دوسری رائے یہ تھی کہ اس کے باوجود نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح ہے، اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے کہ نماز سے باہر کے ایک شخص کی تلقین پر نمازیوں نے نقل وحرکت کی، چنانچہ جب بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور مدینہ (منورہ) کے مضافات کی بعض مساجد میں جہاں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کر رہے تھے، قبلہ کی تبدیلی کی ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے اطلاع دی تو سب ہی نے اپنا رخ بدل لیا، ظاہر ہے کہ یہ نقل وحرکت ایک ایسے شخص کی آواز پر عمل میں آئی جو نماز سے باہر تھا۔

لیکن اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی نقل نہیں ہے، بلکہ بعینہ امام ہی کی آواز ہے، جو اس کی زبان سے نکلتی ہے، اس لئے اب لاؤڈ اسپیکر سے نماز وامامت کے جائز ہونے پر قریب قریب علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

(جدید فقہی مسائل ص ۲۸۸ ج ۱۔ ط: نعیمیہ، دیوبند۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! فتاوی دار العلوم زکریا ص ۳۹۹ ج ۲۔ ط: مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

کان میں دوا ڈالنے پر روزہ کا مسئلہ

ہمارے اکابر کے بعض فتاوی میں جہت قبلہ: ۴۵؍ ڈگری انحراف تک نماز کے جواز کے فتاوی دیئے ہیں۔ یہ فتاوی اپنی جگہ درست ہیں، قلیل انحراف سے نماز جائز ہے، مگر جب صحیح

سمت معلوم ہو جائے تو پھر ان فتاوی کے سہارے عمداً غلط جہت پر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔
ہمارے اکابر کے فتاوی میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ: کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر جب اطباء کی نئی تحقیق ارباب افتاء کے سامنے آئی تو علماء نے کیا فتوی دیا؟ دار العلوم کراچی کے ارباب افتاء کا فتوی ملاحظہ فرمائیے!

جبکہ تمام اطباء اور تشریح ابدان کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کان میں دوا ڈالنے سے دماغ تک اس کے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ کان میں دوا ڈالنے کی صورت میں حلق تک اس کے پہنچنے کا بھی عام حالات میں کوئی راستہ نہیں، تو اس کا کسی جوف معتبر تک پہنچنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ منافذ معتبرہ سے جوف معتبر تک پہنچنے ہی سے روزہ فاسد ہوتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' نے درج ذیل امور پر بطور خاص غور کیا:

(۱)......فقہاء کرام رحمہم اللہ کی عبارات۔

(۲)......حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی وہ تحقیق جو حضرت موصوف نے اپنی تحقیقی کتاب ''ضابطة المفطرات'' کے ص ۵۸/ پر درج فرمائی ہے، اور جس کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

(۳)......حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کا جو فتوی ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ کو تحریر کیا گیا۔ اس فتوی میں بھی کان میں دوا ڈالنے کو مفسد صوم قرار نہیں دیا گیا۔

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کان کے اندر پانی، تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا

پردہ پھٹا ہوا ہو،اور وہ پانی، تیل یا دوا وغیرہ اس کے حلق تک پہنچ جائے۔

(ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی، بابت رمضان ۱۴۲۲ھ۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! مرغوب الفتاوی ص ۴۴۷ ج ۳۔مرغوب الفقہ ص ۲۳۶ ج ۶)

ایسی کئی مثالیں تتبع سے لکھی جاسکتی ہیں، اسی طرح جہت قبلہ کے سلسلہ میں پہلے علماء کی رائے یہ تھی کہ جہت قبلہ کافی ہے، اور ایک حد تک انحراف میں گنجائش ہے، مگر بعد میں جب نئے آلات سے اس کی تعیین آسان ہوگئی تو اس کے مطابق فتوی دیا گیا۔

عبادات میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا واجب ہے

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مفید ہے کہ: عبادات کے باب میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے ’’مبسوط سرخسی‘‘ کے حوالہ سے لکھا ہے:

’’ فی مبسوط السرخسی : من أن الأخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب ‘‘۔

(شامی ص ۳۲۱ ج ۳، باب صدقة الفطر ، مطلب : فی مقدار الفطرة بالمد الشّامی ، کتاب الزکوة (ط : مکتبة دار الباز ، مکة المکرمة۔مبسوط سرخسی ص ۱۱۲ ج ۳، باب صدقة الفطر)

احتیاط: کے بعض معانی یہ ہے:

(۱)......معاملات میں زیادہ عزم اور وثوق والے پہلو کو اختیار کرنا۔

(۲)......غلطی سے احتراز کرنا۔

(۳)......بچنا، اجتناب کرنا، اسی معنی میں لفظ احتیاط مشہور محاورہ ’اوسط الرأی الاحتیاط‘ میں استعمال ہوا ہے، یعنی بہترین رائے وہ ہے جس میں احتیاط ہو۔

بہت سے فقہی احکام احتیاط کی بنیاد پر ثابت ہوتے ہیں ’’مسلم الثبوت‘‘ کے شارح شیخ عبد العلی انصاری احتیاط وجوبی کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تیسویں رمضان کا روزہ، اس میں اصل وجوب ہے، بادل کا عارض پیش آنا اس وجوب میں مانع نہ ہوگا، لہذا تیسویں رمضان کا روزہ احتیاط کی بنا پر واجب ہوگا۔

(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت ' بهامش المستصفی ص۱۸۲ ج۲۔ نیز دیکھئے! المعتمد ' لابی الحسین البصری ص۲۷۸ ج۱ طبع: دمشق۔ موسوعہ فقہیہ (اردو) ص۱۷۴ ج۲، بعنوان: احتیاط)

احتیاط کسی مسئلہ میں اس رائے اور طریقہ کو ترجیح دینے کا نام ہے جس میں شک وشبہ اور احتمال کم ہو۔ علامہ جرجانی نے اس کی تعریف ''حفظ النفس عن الوقوع فی العالم'' سے کی ہے۔ (کتاب التعریفات ص۲۲)

امام ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ (متوفی: ۳۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ: احتیاط اللہ تعالی کے حقوق میں برتی جائے گی، بندوں کے حقوق میں نہیں، مثلا اگر نماز کے بارے میں جائز اور فاسد ہونے کا شبہ پیدا ہو جائے تو احتیاط یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرلیا جائے۔

(قاموس الفقہ ص۱۴۱ ج۲، بعنوان: احتیاط)

احتیاط کا مطلب فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ ہے:

''العمل باقوی الدلیلین'' یعنی دو دلیلوں میں جو قوی ہو، اس پر عمل کرنے کا نام احتیاط ہے۔ (دروس مظفری ص۳۰۳ ج۳، باب ما جاء فی القراء ة خلف الامام)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے ایک بحث میں احتیاط کے پہلو پر بحث فرماتے ہوئے مذہب اسلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا ہی عمدہ جملے نقل کیے ہیں، تحریر فرماتے ہیں: ''فلله درّ هذا الشرع الطاهر قفد حسم مادة الفساد، ومن لم يحط فی الامور يقع فی المحذور وفی المثل: لا تسلم الجرة فی كل مرة''۔

(شامی ص۵۴۹ ج۹، باب الاستبراء و غیره، کتاب الحظر والاباحة، ط: مكتبة دارالباز، مكة)

اس شریعت مطہرہ کا کیا کہنا کہ اس نے فساد کے مادہ ہی کو خاکستر کرڈالا، یہ مسلم ہے کہ

جولوگ ان امور میں احتیاط نہیں کرتے ناجائز کام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، مثل مشہور ہے کہ: ’’گھڑا ہر بار نہیں بچتا‘‘ (کبھی ٹوٹ بھی جاتا ہے)۔

(اسلام میں غیر فطری عمل کی قباحت اور سزا، ص ۱۷)

احتیاط پر عمل کی احادیث

حدیث شریف میں بھی احتیاط پر عمل کی تاکید بڑے بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اختصار کے ساتھ چند مثالیں درج ہیں:

(۱)......نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حلال (بھی) ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں۔ (بخاری، حدیث نمبر: 2051)

(۲)......آپ ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں تم کو شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں تم کو شک نہ ہو۔ (نسائی، حدیث نمبر: ۲۵۱۸)

(۲)......نبی کریم ﷺ راستہ میں پڑی ہوئی کھجور کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو میں اسے کھالیتا۔ (بخاری: ۲۴۳۱)

(۳)......ایک حدیث میں شکار کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اگر تم شکار کو پانی میں غرق پاؤ تو اس شکار کو مت کھاؤ، اس لئے کہ تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جانور پانی میں غرق ہونے کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر سے مرا ہے۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۱۹۲۹)

(۴)......رسول اللہ ﷺ نے: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو عتبہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے پردہ کا حکم دیا تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۵۳۳)

(۵)......آپ ﷺ نے حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو رضاعت کے شبہ پر نکاح کو ختم کرنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۸۸)

(۷)......مجوس کے میوہ جات کے قبیل سے ہوتو تم ان کو کھالیا کرو اور جو چیز ان کے علاوہ ہوتو اس کو واپس کر دیا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۶ ج ۱۲، حدیث نمبر: ۲۴۸۵۶)

(۸)......نبی کریم ﷺ نے مجوس کے برتنوں کے بارے میں فرمایا: ان کو خوب دھولو، اور ان میں کھانا پکاؤ۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۷۹۶)

نوٹ:......ان احادیث کی تفصیل مع حوالجات اور روایات کے الفاظ وترجموں کے لئے دیکھئے! راقم کا رسالہ ''حلت وحرمت کی تحقیق میں غلو''۔ مرغوب المسائل ص ۲۷۸ ج ۴۔

صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں

اسی احتیاط کی وجہ سے فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے: صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ (مستفاد: محمود الفتاوی ص ۳۵۳ ج ۲، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

دیکھئے! طواف کا بیت اللہ میں ہونا ضروری ہے، اور (خبر آحاد سے معلوم ہوتا ہے کہ) حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے (لیکن یہ امر ظنی ہے) اور استقبال قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، اگر کوئی آدمی صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی حقانیہ ص ۳۷۷)

(۱)......قال العلامة الشامی رحمه الله : تحت قوله : فانه اذا استقبله المصلی لم تصح صلوته ' لان فرضية استقبال الكعبة ثبتت بالنص القطعی ' وكون الحطيم من الكعبة ثبت بالآحاد فصار كأنه من الكعبة من وجه دون وجه۔

(شامی ص ۵۰۸ ج ۳، قبیل : مطلب فی طواف القدوم ، كتاب الحج ' ط : مكتبة دار الباز ، مكة)

(۲)......الكعبة اسم للعرصة ... ولو صلى الى الحطيم وحده لا يجوز۔

(کبیری ص ۲۲۵ ، الشرط الرابع فروع فی شرح الطحاوی)

(۳)...... ولو صلی مستقبلا بوجهه الی الحطیم لا یجوز۔

(عالمگیری ص۷۰ ج۱، (ط: بیروت)، الفصل الثالث فی استقبال القبلة، باب شروط الصلوة کتاب الصلوة)

انحراف قلیل بھی حضرات شوافع کے نزدیک جائز نہیں

اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ انحراف قلیل احناف کے نزدیک جائز ہے، مگر حضرات شوافع کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ قبلہ سے قلیل انحراف بھی نہ رکھا جائے۔ ''فتاوی خیریہ'' میں ہے:

''وان کان فیه انحراف قلیل یجوز عند الحنفیة ولا یجوز عند الشافعیة''۔

(الفتاوی الخیریة علی هامش الفتاوی الحامدیة ص۷ ج۱، بحوالہ: محمود الفتاوی ص۳۴۶)

بعض حنفیہ بھی کعبہ شریف سے دور والوں کے لئے بھی عین قبلہ کے قائل ہیں۔ ''احکام القرآن'' میں ہے:

فقہاء عراق - جن میں (امام) قفال شاشی رحمہ اللہ بھی ہیں - فرماتے ہیں کہ: عین کعبہ کی رخ کرنا ضروری ہے۔ (احکام القرآن (مترجم) ص۱۳۴ ج۱)

دوسرے مسلک کے مقتدیوں کی رعایت

علماء نے لکھا ہے کہ امام کے لئے مناسب ہے کہ دوسرے مسلک کے مقتدیوں کی رعایت کرے، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام کو چاہئے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ امام کے پیچھے اگر کوئی شافعی، حنبلی یا مالکی مقتدی ہو تو وہ اپنی سورۂ فاتحہ پوری نہ کر سکے۔ ائمۂ ثلاثہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ

کے نزدیک سری نماز میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے (فرض یا واجب نہیں) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔(تحفة الالمعی ص۱۱۴ ج۲)

اس مسئلہ میں بھی حضرات شافعیہ کے مسلک کی وجہ سے قبلہ کو درست کر لینا چاہئے۔

نجاست کو باقی رکھتے ہوئے نماز مکروہ ہے

نجاست غلیظہ کی قدر درہم مقدار معاف ہے، یعنی اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہوجاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے ازالہ پر قدرت ہونے کے باوجود اس کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے، بلکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ: اس طرح کی نماز مکروہ ہوگی۔ اور وقت میں وسعت ہو تو اس کا ازالہ افضل ہے چاہے جماعت ترک ہوجائے۔

’’ومراده من العفو صحة الصلوة بدون ازالته لا عدم الكراهة لما فى السراج الوهاج وغيره ان كانت النجاسة قدر الدرهم تكره الصلوة معها اجماعا، وان كانت أقل وقد دخل فى الصلوة نظر ان كان فى الوقت سعة فالأفضل ازالتها واستقبال الصلوة، وان كانت تفوته الجماعة‘‘۔

(بحر الرائق ص۳۹۶ ج۱، باب الانجاس، كتاب الطهارة۔ ط: دار الكتب العلمیہ، بیروت)

اسی طرح اگرچہ قبلہ سے معمولی انحراف سے نماز تو درست ہوجاتی ہے، مگر جب انحراف کا علم ہوجائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

کعبہ کو دیکھ سکتا ہو تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ:

الجواب:...... جو شخص بلندی پر چڑھ کر عمارت کعبہ دیکھ سکتا ہو اس کے لئے استقبال عین کعبہ

ضروری ہے۔(احسن الفتاوی ص۳۱۹ ج ۲۔مستفاد: کتاب النوازل ص۴۴۳ ج ۳)

اس جزئیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ: آج بھی کوئی ذریعہ ایسا ہو جس سے کعبہ شریف کی عمارت دیکھی جا سکتی ہو تو اس وقت عین کعبہ کا استقبال نماز کے لئے ضروری ہوگا، اب اس ترقی یافتہ دور میں ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن سے دنیا کے گوشہ گوشہ سے بیت اللہ کی جہت معلوم ہو سکتی ہے اور اس طرح لکیر دیکھی جا سکتی ہے کہ جو اپنے مقام سے سیدھی بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے، اس لئے اب نماز کے لئے قبلہ کی سمت طے کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، اور اس طرح نماز ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے کہ معمولی انحراف بھی نہ ہو۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ: اگر قدرت ہو تو عین استقبال قبلہ شرط ہے، اگر قدرت نہ ہو تو جہت کعبہ کافی ہے۔

(۱)......استقبال القبلة شرط ان قدر عليه ' والا فيكفى بالجهة۔

(تاتارخانیہ ص۳۶ ج ۲ ، الفصل الثانى فى فرائض الصلوة ، كتاب الصلوة ، رقم :۱۶۱۶)

(۲)......لو ترك استقبال وجهه الى القبلة وهو قادر عليه ' لا يجزئه فى قولهم جميعا ، الخ۔(البحر الرائق ص۲۰۷ ج ۲، باب صلوة المريض ، ط : دار الكتب ، بيروت)

اب ایسے آلات کی موجودگی میں- جن سے یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ عین قبلہ کی سمت معلوم کی جا سکتی ہے- درست سمت کو چھوڑ کر غلط سمت پر نماز پڑھتے رہنا اور اس پر اصرار اور ضد کرنا قطعا درست نہیں ہے۔"غنیۃ" میں ہے:

(۱)......حتى لو أزيلت الموانع لا يشترط أن يقع استقباله على عين الكعبة لا محالة۔(غنیۃ ص۲۱۸ ، الشرط الرابع فروع فى شرح الطحاوى)

''شامی''میں ہے:

(۲)......فیشترط اصابة العین ' بحیث لو رفع الحائل وقع استقباله علی عین الکعبة

(شامی ص۱۰۸ ج۲ ، مبحث فی استقبال القبلة ، کتاب الصلوة ، ط : مکتبة دار الباز ، مکة)

دوربین سے رویت ہلال کا مسئلہ

دوربین سے رویت ہلال کا مسئلہ اس کی نظیر ہے۔

دوربین اور خوردبین سے بھی چاند دیکھنا شرعاً معتبر ہے۔(کیونکہ یہ آلات صرف دیکھنے میں سہولت پیدا کرتے ہیں،معدوم کو موجودنہیں کر سکتے)۔(کتاب المسائل ص۱۲۴ ج۲)

حضرت مولانا خالدسیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

ہوائی جہاز یا دوربین کے ذریعہ رویت میں جو تکلف ہے وہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے،تاہم اگر اس طرح چاند دیکھا جائے تو اس وقت اس کا اعتبار ہوگا جبکہ ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز اتنی اونچی نہ کی گئی ہو کہ مطلع بدل جائے۔.....

دوربین کے سلسلہ میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے ذریعہ رویت کی حیثیت محض کشف کی ہے،یعنی ایسانہیں ہے کہ ایک چیز وجود میں نہ ہو اور اس کی وجہ سے خواہ مخواہ نظر آنے لگے، بلکہ وہ ایک موجود شئی کو جسے ہم دوری' غبار یا بصارت ونظر کی کمی کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے،ہمارے لئے قابل دید بنادیتی ہے۔

اس کی نظیر خود فقہاء متقدمین کے یہاں بھی ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص بلند مقامات سے چاند دیکھے جبکہ نیچے سے چاند نظر نہ آرہا ہو تو اس کی اطلاع قابل اعتبار ہوگی، اس لئے دوربین سے رویت ہلال بھی معتبر ہوگی، بشرطیکہ اس کا قابل اعتبار مناسب انتظام ہو۔

(جدید فقہی مسائل ص۲/۱۷۲ ج۳)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! ’’امداد الفتاوی جدید‘‘ (ص۱۹۱ ج۴) کا حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ والا حاشیہ۔

فقہاء کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟

بعض حضرات کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ فقہاء کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟

شرعی رخصتیں جو قرآن کریم یا سنت نبوی سے ثابت ہوں ان کی تلاش وجستجو میں کوئی مضائقہ نہیں، (اس لئے کہ احادیث میں ان کی اجازت ہے)۔

لیکن اجتہادی مذاہب کی رخصتوں کو تلاش کرنا اور ان کے پیچھے دوڑنا جبکہ ضرورت و حاجت اور ان جیسے دیگر اسباب میں سے کوئی سبب نہ ہوتو یہ شرعی احکام سے راہ فرار اختیار کرنا اور ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے، اور اوامر ونواہی کی عزیمتوں کو ضائع کرنا ہے، اور یہ عبادت میں حق اللہ کا انکار کرنا اور بندوں کے حقوق کو ختم کرنا سمجھا جائے گا، جو شارع حکیم کے مقصد کے خلاف ہے، جس میں عام طور پر تخفیف اور خاص طور پر رخصت کی ترغیب دی گئی ہے... علماء کرام نے اس عمل کو فسق قرار دیا ہے جو حلال نہیں ہے۔.....

حاصل یہ کہ رخصتوں کو اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تکلیف سے چھٹکارا پانے کے لئے ان کی تلاش وجستجو کی جائے، بلکہ کسی سبب شرعی کے پیش نظر سخت حکم سے آسان حکم کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔ (موسوعہ فقہیہ (اردو) ص۲۰۴ ج۲۲، عنوان: رخصت)

نوٹ:......مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! راقم الحروف کا رسالہ: ’’رخصت پر عمل‘‘۔ مرغوب المسائل ص۳۰۴ ج۴۔

’’کفایت المفتی‘‘ میں ہے: یہ جو کچھ لکھا اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ فقہاء کی دی

ہوئی رخصت سے ہمیں اختلاف ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ ایک قائم رہنے والی یادگار کی تعمیر وتزئین پر جب کہ ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اوراس کے لئے سخت مشقت برداشت کی جاتی ہے تو کچھ رقم اور کچھ مشقت اس کی سمت صحیح کرنے کے لئے برداشت کر لینے میں کیا حرج اور کیا گناہ ہے؟ فقہاء کی لکھی ہوئی رخصت کو سمجھنے کے لئے بھی حساب کی ضرورت ہے، اگر ''نحن امة امّية '' کہہ کر علم ہندسہ، علم ہیئت وغیرہ کا پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا جائے تو میراث، زکوۃ اوراوقات صلوۃ کے اہم ابواب میں کیا کیا جائے گا؟۔ (کفایت المفتی ص۵۶۱/۵۶۲ ج ۳، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

سمت قبلہ کو متعین کرنے کے لئے اسلاف کی سنت

سمت قبلہ کو متعین کرنے کے لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کی سنت یہ ہے کہ جن شہروں اور ملکوں میں پرانی مساجد موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جائے، ان کے خلاف جہت متعین کرنا اسلاف سے سوءظن کا مترادف ہے۔

جن مما لک میں مسلمان نئے نئے آباد ہوئے ہوں، وہاں چونکہ پرانی مساجد کا وجود نہیں ہے، اس لئے ایسے مما لک اور شہروں میں مساجد کے قبلہ کی جہت متعین کرنے کے لئے جدید آلات کا استعمال کرنا چاہئے، اوران سے جہت قبلہ متعین کرنا چاہئے، آج کے دور میں ایسے غیر معمولی اہمیت کے حامل آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن سے جہت کی تعیین کوئی مشکل نہیں، بلکہ بہت حد تک درست اور صحیح سمت بتانے میں وہ آلات ظن اور تحری سے بہتر اور اعلی ہیں۔

نوٹ:...... پرانی مساجد (مساجد قدیمہ) سے وہ مساجد مراد ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کی بنائی ہوئی ہوں، یا ان کو دیکھ کر جو مساجد بنائی گئی

ہوں۔(مستفاد:محمود الفتاوی ص۳۴۳ ج۲، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

قبلہ کی جہت کو متعین کرنے کے لئے آلات جدیدہ کا استعمال

علماء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ: قبلہ کی جہت کو متعین کرنے کے لئے آلات جدیدہ کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۱)......حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مسجد کے قبلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں تحریر فرمایا:

یہ مسئلہ سمت قبلہ کا ہیئت کا ہے، میں ہیئت کا ماہر نہیں، میرے خیال میں ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے ذریعہ سے کسی ماہر ہیئت سے تحقیق فرمانا مناسب ہے۔

(رسالہ سمت قبلہ ص۸۔ جواہر الفقہ ص۳۳۴ ج۲)

(۲)......حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ ''فتاوی خیریہ'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

''وقال (فی حق قبول قول الفلکی) و مع ذلک یعمل به بلا شبهة اذا خلا عن المعارضة بما هو مثله أو هو فوقه''۔(بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب ص۷۶)

''انه یجوز اعتبار الادلة الهندسیة فی باب القبلة ، والاعتماد بقول الفلکی فی محاریب غیر الصحابة والتابعین عندنا ، وأما عند الشافعیة فیجوز الاعتماد بها وان کان فی محاریبهم (بل یجب عندهم)''۔

(بغیة الاریب فی مسائل القبلة والمحاریب ص۷۷/۷۸، بحوالہ: محمود الفتاوی ص۳۴۳)

(۳)......حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جنگلات اور ایسی نو آبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جاوے، تو مضائقہ نہیں.....البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی

شبہ ہو جائے کہ وہ سمت قبلہ سے اس درجہ منحرف ہیں کہ نماز ہی درست نہ ہوگی تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جاوے، بلکہ قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے۔

(رسالہ سمت قبلہ ص ۲۹۔ جواہر الفقہ ص ۳۵۵ ج ۲)

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جائے تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جائے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟

اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ: جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں تو باتفاق علماء ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے، بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لئے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے، کیونکہ وہ محض تحری وتخمینہ سے زیادہ مفید ظن غالب ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ ص ۴۸۔ جواہر الفقہ ص ۳۷۴ ج ۲)

(۴)......حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(الف)......اب جبکہ صحیح علم کا ذریعہ موجود ہے،.....قطب نما سے بھی اندازہ کرلیا جائے۔

(ب)......جس مقام پر مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں اور قواعد شرعیہ کے موافق قبلہ کا رخ متعین کرنے والے مسلمان بھی نہ ہوں، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر واقف کار مسلمان رخ متعین کر سکتے ہیں، اور آلات رصدیہ کے ذریعہ قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے تو اسی طرح رخ متعین کر کے اس کے موافق نماز ادا کرتے رہیں۔

(ج)......سمت قبلہ معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہاء نے لکھی ہیں، قطب بھی ایک دلیل ہے، بلکہ اقوی الادلہ ہے۔

(د)......اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشان صحیح رخ پر لگا دیئے جائیں۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص۵۳۰/۵۳۳/۵۳۷/۵۴۱ ج ۳، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

(۵)......حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

موجودہ زمانہ کی سائنسی تحقیقات سے بھی مدد تو لی جاسکتی ہے۔ (فتاوی دینیہ ص۳۳۵ ج ۵)

(۶)......حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر صحابہ و تابعین کے زمانہ کی مساجد موجود ہیں تو سمت قبلہ کی تعیین کے لئے انہی کو معیار بنانا ضروری ہے، آلات رصدیہ کا کوئی اعتبار اس صورت میں نہیں ہوگا، اور صحابہ و تابعین کے زمانہ کی مساجد کے نہ ہونے کی صورت میں اگر جواب میں مذکور نوع کی مساجد ہوں ان کو سمت قبلہ کی تعیین کے لئے معیار بنایا جائے گا، اور اگر اس نوع کی بھی کوئی مسجد نہیں تو آلات رصدیہ کو صحیح استعمال کرنے والا ماہر موجود ہے اور اس نوع کے ماہرین کے اقوال میں آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا تو اس صورت میں اس ماہر کی متعین کردہ سمت قبلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: وہ ممالک اور مقامات جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سلف سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمت قبلہ متعین کیا جائے۔

(مستفاد: محمود الفتاوی ص۳۴۶/۳۵۲ ج ۲، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

(۷)......حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

آلات اور مقیاس، کمپاس وغیرہ کے ذریعہ جو صحیح رخ سامنے آئے وہی قابل عمل ہے، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیئے۔ (فتاوی قاسمیہ ص۶۰۳ ج ۵)

(۸)......حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

جنگلات یا نو آبادیاں تو ان میں قطب نما اور چاند' سورج وغیرہ کے ذریعہ سمت کی پہچان کر کے غور وفکر کے بعد قبلہ متعین کیا جائے گا۔(کتاب النوازل ص۴۳۱ ج ۳)

(۱)......وجهة الكعبة تعرف بالدليل ، والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم ، فان لم تكن فالسوال من أهل ذلك الموضع ، وأما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم ، هكذا فى فتاوى قاضى خان۔

(عالمگیری ص۶۳ ج۱ (ص۷۰ ج۱، ط: بیروت) ، الفصل الثالث فى استقبال القبلة ، باب شروط الصلوة ، كتاب الصلوة۔ تاتارخانیہ ص۳۴ ج۲ ، الفصل الثانى فى فرائض الصلوة ، رقم :۱۶۱۱)

(۲)......وعلى ما وضعوه لها من الألات كالربع والاصطرلاب ' فانها ان لم تفد اليقين تفيد غلبة الظن للعالم بها ' وعليه الظن كافية فى ذلك۔

(شامی ص۱۱۲ ج۲ ، باب شروط الصلوة ، مبحث فى استقبال القبلة ،كتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲۰ ربیع الاول:۱۴۴۶ھ مطابق:۲۴ستمبر۲۰۲۴ء

منگل

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
العبد: احمد عفی عنہ خانپوری	شبیر احمد	العبد اکرام الحق غفرلہ ولوادیہ
۴ جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ		

خاتمہ

فتوی کی تکمیل کے بعد بعض اضافے کئے گئے ہیں، ان کو خاتمہ کے عنوان سے اس لئے موسوم کرتا ہوں کہ میرے ہر دو بزرگ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہما نے اس کی تصویب فرمائی اور اپنے تائیدی دستخط سے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالی انہیں اس کا دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

راقم الحروف نے یہ فتوی استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی خدمت میں بھی بغرض اصلاح وتائید ارسال کیا، حضرت والا نے پورے رسالہ پر گہری نظر فرمائی، بعض اغلاط کی اصلاح فرمائی، اور اپنے تائیدی دستخط سے تصوب فرما کر راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالی حضرت والا کو دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے، اور آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر طویل نصیب فرمائے، آمین۔

یہ بعد میں کئے گئے اضافے ان کی نظر سے نہیں گذرے، اس لئے مناسب سمجھا کہ ان کی تصویب کے بعد جو باتیں بعد میں بڑھائی گئی ہیں وہ ان کی تائیدی دستخط کے بعد شامل کی جائیں، تاکہ کسی دھوکہ کا شائبہ نہ ہو۔

دارالافتاء علامہ بنوری ٹاؤن کے فتاوی

مسجد کی نئی تعمیر کے وقت قبلہ سے انحراف کی اجازت نہیں

دارالافتاء علامہ بنوری ٹاؤن نے ایک سوال میں لکھا کہ:

جواب:...... واضح رہے کہ نئی مساجد کی تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ ان کی سمت قبلہ کا لحاظ رکھا جائے اور اس میں مساجد قدیمہ کی اتباع کی جائے، اور کسی جگہ پرانی مساجد نہ ہوں تو

وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد حاصل کی جائے، لہذا صورت مسئولہ میں مسجد کی تعمیر کے وقت اس کے قبلہ کی سمت صحیح رخ پر (پرانی مساجد کے رخ پر اور اگر وہ نہ ہوں تو قواعد ریاضیہ کے مطابق) کرنا ضروری ہے۔

فقہاء کرام نے جو: ۴۵/درجہ سے کم انحراف سے اداء صلوۃ کا حکم لکھا ہے وہ اس صورت میں ہے جب غلط رخ پر نماز پڑھ لی جائے یا ان مساجد قدیمہ کے لئے ہے جو پہلے ہی سے کچھ درجہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہوں، لیکن نئی مسجد کی تعمیر کے وقت قصداً قبلہ سے انحراف کی فقہاء کرام نے اجازت نہیں دی ہے۔ (آن لائن، فتوی نمبر: ۱۴۴۲۰۸۲۰۱۳۷۸)

قبلہ منحرف ہو تو صفیں سیدھی بچھا دی جائیں

ایک اور فتوی میں ہے:

جواب: ...... مذکورہ انحراف چونکہ: ۴۵/ڈگری سے کم ہے، اس لئے اس انحراف کے ساتھ پڑھی گئی نمازیں ادا ہوگئی ہیں، اگر فی الحال مسجد کی تعمیر کو از سر نو تعمیر کر کے قبلہ کا رخ درست کرنا مشکل ہو تو فی الحال نمازیوں کو اس بات سے باخبر کر کے ان کو قبلہ کی درست سمت بتا کر تاکید کی جائے کہ وہ مسجد کی تعمیر کے مطابق قبلہ کی طرف رخ کرنے بجائے درست سمت کی طرف رخ کریں، اور نمازیوں کی آسانی کے لئے لکیریں وغیرہ کھینچ کر قبلہ کی تعیین کر دی جائے، پھر جب کبھی مسجد کی تعمیر کا موقع آئے اس وقت مسجد کو قبلہ کی درست سمت کے موافق تعمیر کر لیا جائے، فی الحال نمازی حضرات خود ہی اپنا رخ صحیح سمت کر لیا کریں۔

(آن لائن، فتوی نمبر: ۱۴۴۱۱۱۲۰۰۵۴۰)

قبلہ منحرف ہو تو صفیں عین قبلہ کے مطابق بچھانا ضروری ہے

ایک اور فتوی میں ہے:

جواب:......واضح رہے کہ مکہ مکرمہ سے باہر کی مساجد میں : ۴۵/ڈگری تک انحراف کی گنجائش ہے،لہذا صورت مسئولہ میں اگر واقعۃً یہ بات ثابت ہو جائے کہ مذکورہ مسجد کا قبلہ ۳۰/سے : ۴۰/درجہ تک منحرف ہے، تب بھی مذکورہ مسجد میں ادا کی گئی تمام نمازیں درست ہیں، استقبال قبلہ کے اس انحراف سے نماز میں خلل نہیں آئے گا۔

البتہ جب انحراف کا علم ہو گیا تو پھر انحراف کے ساتھ نماز نہیں پڑھنی چاہئے، بلکہ اگر مسجد کی از سر نو تعمیر کی گنجائش ہو تو مسجد کی تعمیر عین قبلہ کی سمت درست کی جائے، ورنہ کم از کم صفیں عین قبلہ کے مطابق بچھانا ضروری ہے۔(آن لائن)

بعض اہل علم کا خدشہ اور اس کا جواب

بعض اہل علم کو اس بات پر اصرار ہے کہ عین قبلہ صرف بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لئے ضروری ہے اور جو بیت اللہ سے دور ہوں ان کے عین قبلہ نہیں بلکہ سمت قبلہ کافی ہے،اس میں کوئی شک نہیں کہ احناف کا مسلک یہی ہے۔

مگر اس وقت ایسے آلات موجود ہیں جن سے عین قبلہ کی تعیین بہت حد تک ہو جاتی ہے تو کیا ان کے ہوتے ہوئے عمداً اس سے ہٹ کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اکابر کے فتاوی سے ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمداً قبلہ سے منحرف ہونا درست نہیں ہے۔

سمت قبلہ کے قائل کا عمل اپنے گھر میں قابل تعجب

اور تعجب ہے جو حضرات سمت والے قول پر مصر ہیں وہ بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں تو اپنے سمت والے قول کو چھوڑ دیتے ہیں، جب گھر میں صف ٹیڑھی کر کے نماز پڑھتے ہیں جو انفرادی عمل ہے تو مساجد اور عبادت گاہوں میں جہاں اجتماعی عمل ہے وہاں کیوں سمت والے قول پر مصر ہیں؟

عین قبلہ کے قائلین

اکابر کی ایک جماعت - جن میں امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض اہل علم شامل ہیں - کی رائے یہ ہے کہ سب کے لئے عین قبلہ ضروری ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”استقبال جهة الكعبة وهو الذى ذهب اليه البخارى ، هو الذى نص عليه الشافعى فى الام (۱/۸۱) والرسالة (۷) وهو رواية عن احمد اختارها أبو الخطاب وغيره ، وبه قال الباجى و جماعة من المالكية ، والطحاوى وأبو عبد الله الجرجانى من الحنفية“۔

(نبراس الساری فی ریاض البخاری ص۲۷۵ ج۲، باب التوجه نحو القبلة حيث كان ، كتاب الصلوة رقم الحديث:۳۹۹)

”نعمۃ الباری“ میں ہے: اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو، اس پر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ اس پر سمت کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے، یہ کرخی، ابوبکر رازی اور عامۃ المشائخ الحنفیہ کا قول ہے، اور ابو عبد اللہ الجرجانی کا قول ہے کہ حاضر اور غائب سب پر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب۔

(نعمۃ الباری ص۱۳۶ ج۲، تحت رقم الحديث:۳۹۲)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ قبلہ کے مسئلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں، ان کے نزدیک عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے، جہت کا استقبال کافی نہیں۔

(تحفۃ القاری ص۲۳۹ ج۲، باب جاء فى القبلة)

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے عظیم الشان مسئلہ کی طرف اشارہ کیا جس کی طرف باب اول میں اشارہ ذکر کر چکا ہوں، وہ یہ کہ مشاہد کعبہ کے لئے عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے حتی ان انحرف عنها بطلت صلوته، اور اگر مشاہد نہیں بعید از مکہ ہے تو اختلاف ہے کہ عین کعبہ کی توجہ ضروری ہے یا جہت کا استقبال کرے؟ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام'' میں عین کعبہ کے استقبال کو اختیار کیا، اسی طرح ''الرسالہ'' میں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے مشہور یہی ہے اور عام متبعین نے نقل کیا، یہی امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کما نقله العلامة شمس الدين بن أبي عمر المقدسي في شرح المقنع ،اسی کو ابو الخطاب رحمہ اللہ نے اختیار کیا، یہی امام ابو الولید باجی وغیرہ بعض مالکیہ رحمہم اللہ کی رائے ہے، شیخ ابو عبداللہ جرجانی استاذ قدوری رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔.....

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ ترجمہ کے دیکھنے سے یہ کہا جائے گا کہ جمہور کے قول کو اختیار کیا گیا، اور ایک زمانہ تک میں یہی سمجھتا رہا، اب غور کرنے کے بعد یہ سمجھ میں آیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عین استقبال کعبہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

جو حضرات عین کعبہ استقبال کعبہ کے قائل ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں مطالبہ ہے کہ مسجد حرام کی طرف توجہ کرو ﴿فول وجهک شطر المسجد الحرام﴾، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''هذه القبلة'' معلوم ہوا کہ عین قبلہ کی طرف توجہ کی جائے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مضمون پر مختلف روایات سے استدلال کیا ہے، کہیں لفظ ''استقبال'' کہیں ''توجه نحو الكعبة'' کہیں ''استقبل القبلة'' کا ذکر ہے، مختلف طرح کی روایت ہے، ظاہر ہے کہ جس میں استقبال قبلہ کا ذکر ہے وہاں ذات کعبہ مراد

ہوگی، ایسے ہی جس میں کعبہ کا لفظ ہے وہاں عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے، اسی طرح ’’نحو الكعبة ‘‘ سے مراد جانب کعبہ ہے، حاصل یہ ہے کہ روایات میں جہاں استقبال کا لفظ ہے وہاں کعبہ کا استقبال مراد ہے، اور کعبہ جب بولا جائے تو عین کعبہ مراد ہوتا ہے، ایسے ہی قبلہ جب بولیں تو عین قبلہ مراد ہوگا، تو بعینہ توجہ الی القبلہ ضروری ہوگا، لہذا امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ظاہر ہوگیا، اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا کی معلق روایت ذکر کی جو موصولا ص۹۲۴؍ پر آرہی ہے، معلوم ہوا کہ عین کعبہ کا استقبال مطلوب ہے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔(الفیض الجاری فی دروس البخاری ص۳۵۴ ج۳)

نوٹ:......’’نبراس الساری‘‘ اور’’الفیض الجاری‘‘ کے دونوں حوالے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ(شیخ الحدیث واستاذ فقہ جامعۃ العلم والہدی ،بلیکبرن) نے ارسال فرمائیں ہیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

....

(۱)...... عن سِماک الحنفی قال : سمعت ابن عباس يقول :لا تَجْعلُ شيئا من البيت خَلْفا ، وأتَمَّ به جميعا۔

ترجمہ:......حضرت سماک حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ: (نماز پڑھتے ہوئے) بیت اللہ کا کوئی حصہ اپنے پیچھے نہ رکھو، بلکہ اسے پوری طرح اپنے سامنے رکھو۔

(۲)...... عن ابی العالية قال :﴿ شطره ﴾ تِلقاءَ ہ۔

ترجمہ:......حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آیت کریمہ میں’’ شطره ‘‘سے مراد ہے اس کے سامنے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۸ ج۳، فی الرجل يصلی بعض صلوته لغير القبلة ، من قال يعيدها ،كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۳۳۹۸/۳۳۹۹)

تائیداز: حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب مدظلہ

مفتی مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ تعالی

نماز میں سمت قبلہ صحیح ہونا ضروری ہے، بالخصوص مسجد کی تعمیر جدید میں اس کا خیال ہونا چاہئے، اورعین کعبہ سے: ۴۵/ڈگری کا انحراف مجبوری کے تحت ایک گنجائش کے درجہ کی چیز ہے، نہ یہ کہ بلاضرورت اس کو گوارا کیا جائے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دات برکاتہم -ڈیوز بری- (انگلینڈ) کا زیرنظر رسال ''قبلہ سے انحراف'' باوجود مختصر ہونے کے نہایت جامع ہے، جس سے اس مسئلہ کی صحیح نوعیت سامنے آگئی ہے، مسئلہ کا ہر پہلوا کابر کے فتاوی سے مبرہن ہے، تعبیر واضح اور سلیس ہے۔ حق تعالی شانہ اس رسالہ کو بے حد نافع بنائے، اور قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اس سے قبل بھی موصوف زید مجدہم کی کئی اہم تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، جن سے عوام وخواص کو بہت نفع ہوا۔

العبد: محمد طاہر عفا اللہ عنہ

خادم الحدیث والافتاء

مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

۱۴۴۶/۴/۲۹ھ

مظاہر علوم سارنپور کا فتوی

الجواب و باللہ التوفیق :......سمت قبلہ سے: ۴۵ ڈگری انحراف کے ساتھ نماز اداء ہوجانے کا جو قول ہے وہ محض ایک گنجائش ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قدر انحراف معفو عنہ ہے، اور ایسی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنے انحراف کو قصداً اختیار کیا جاسکتا ہے، لہذا اصل یہی ہے کہ مطلق انحراف کے بغیر نماز اداء کی جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نجاست غلیظہ ایک درہم اور نجاست خفیفہ چوتھائی کے بقدر معفو عنہ ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قصداً بھی اتنی مقدارِ نجاست گوارا ہے، بلکہ اس قلیل نجاست کا ازالہ بھی مطلوب ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں جبکہ مسجد کی توسیع کا کام جاری ہے تو اس کی سمت درست کرلینا بھی ضروری ہے، یا کم ازکم صفوں کو درست سمت میں بچھا لینا لازم ہے، اس سے لوگوں کا اضطراب وتشویش بھی ختم ہوجائے گا۔

(ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ص ۲۱۹ ج ۱۔ جواہر الفقہ ص ۴۲۰ ج ۲۔ فتاوی محمودیہ ص ۵۳۴ ج ۵)

فقط واللہ اعلم

العبد: محمد طاہر عفا اللہ عنہ

مظاہر علوم سہارنپور

۲۵/۴/۱۴۴۶ھ

الجواب صحیح
مقصود

الجواب صحیح
بشیر احمد

تائیدوتصدیق از: حضرت مولانا عتیق احمد بستوی دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ، والصلوة والسلام علی سید الانبیاء والمتقین ، خاتم النبیین محمد بن عبد الله الأمین ، وعلی اله وأصحابه أجمعین ، أما بعد

ہمارے دوست اور کرم فرما حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری (مقیم ڈیوزبری ، برطانیہ) دامت برکاتہم برطانیہ کے فکر مند اور بافیض علماء دین میں سے ہیں، تحقیق اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، علوم اسلامیہ خصوصا اسلامی فقہ میں انہیں اچھی مہارت ہے، اچھے مصنف اور صاحب قلم ہیں، دسیوں مختصر اور مفصل کتابیں ان کے نوک قلم سے وجود میں آچکی ہیں، اور اہل علم وافتاء سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں۔

دور قدیم سے سلف کے یہاں یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضرات کسی موضوع یا مسئلہ پر توجہ مرکوز کر کے مختصر رسائل لکھا کرتے تھے، جن میں اس موضوع یا مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہوتا تھا، اور متقدمین نیز معاصرین کی آراء کا خلاصہ اور تجزیہ ہوتا تھا، ایسے رسائل کو وہ لوگ عام طور سے ''جزء'' کے نام سے موسوم کرتے تھے، مثلا امام بخاری رحمہ اللہ کی ''جزء قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام'' وغیرہ۔ جناب مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کو مختلف مسائل پر ایسے اجزاء کی تصنیف کا بہترین ذوق ہے، انہوں نے خاص طور سے مختلف فقہی موضوعات اور مسائل پر ایسے رسائل تصنیف کئے ہیں جو بہت مفید اور علم آموز ہیں۔

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی تازہ تصنیف ''قبلہ سے انحراف''

اسی سنہری سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں مصنف نے چالیس صفحات میں اپنے موضوع کا کامیاب احاطہ کیا ہے، اور زیر بحث موضوع پر معتدل اور درست موقف پیش کیا ہے۔

استقبال قبلہ کے مسئلہ میں بعض حضرات افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں، جبکہ صحیح راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے قبلہ رو کھڑا ہونا ضروری ہے، اور پوری نماز میں انسان کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، جو شخص عین کعبہ کا استقبال کر سکے ان کے لئے بعینہ کعبۂ مشرفہ کی طرف چہرہ کرنا ضروری ہے، اور جن کی نگاہوں سے قبلہ (کعبۂ مشرفہ) اوجھل ہو اس کے لئے کعبہ کے رخ کی طرف چہرہ کرنا ضروری ہے، خواہ ان کی رہائش مکہ میں ہو، اور اتنی دور ہو کہ کعبہ نظر نہ آتا ہو، یا وہ کسی اور شہر یا علاقہ میں ہو۔

جو لوگ کعبۂ مشرفہ سے دور ہیں اور ان کے لئے اپنی نگاہوں سے کعبہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے وہ لوگ بلاشبہ اسی پر قادر ہیں کہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، حتی الامکان اس سے انحراف نہ کریں، استقبال قبلہ نماز کے بنیادی مسائل میں سے ہے، جس کی قرآن کریم میں بار بار تاکید فرمائی گی ہے، اس لئے اس کی گنجائش سرے سے نہیں ہے کہ انسان دوران نماز بلا مجبوری سمت قبلہ سے ذرا بھی منحرف ہو کر نماز پڑھے، دانستہ ایسا کرنے کی گنجائش نہیں ہے، نا دانستہ اگر ایسا ہو جائے تو فقہاء اس پر گفتگو کرتے ہیں کہ کتنے انحراف سے نماز درست نہیں ہوتی، اور کتنے انحراف سے بکراہت نماز ادا ہو جاتی ہے۔

جہاں تک مساجد اور نماز گاہوں کی تعمیر کا مسئلہ ہے تو ان کی تعمیر تو جدید آلات کی مدد سے صحیح سمت قبلہ دریافت کرنے کے بعد ہی ہونا چاہئے، اور آج کل یہ جاننا بہت آسان ہو گیا ہے، ہاں پہلے جو مسجدیں کچھ انحراف کے ساتھ ناواقفیت کی وجہ سے تعمیر ہو گئی ہیں ان

میں بھی نماز کی ادائیگی صحیح سمت قبلہ کے اعتبار سے صفیں قائم کر کے ہونی چاہیئے، خواہ اس کی وجہ سے دیکھنے میں منظر خراب لگے، یا آگے پیچھے جگہ بچ جائے، ہاں اگر معمولی انحراف ہو جو دائرۂ کراہت میں نہیں آتا تو تعمیر کے مطابق صفیں استوار کی جائیں، اور نماز ادا کی جائیں، اور زیادہ غلو سے کام نہ لیا جائے۔

جن مسجدوں کی تعمیر ناواقفیت کی وجہ سے قبلہ سے کافی انحراف کے ساتھ پہلے ہوگئی تھی، اور اب نئے آلات سے اس انحراف کا علم ہوا، اور کسی وجہ سے ان مساجد کی نئی تعمیر کا مرحلہ در پیش ہو تو منتظمین پر ضروری ہے کہ ان کی تعمیر اس طرح کرائیں کہ صفیں صحیح سمت میں قبلہ رو ہوجائیں، قدیم تعمیر کے رخ کا اعتبار بالکل نہ کریں، ورنہ نئی تعمیر کرنے والوں کو یہ گناہ ہوگا کہ انہوں نے جان بوجھ کر مسجد کی تعمیر میں سمت قبلہ کا لحاظ نہیں رکھا، ماضی کی غلطیوں کی اصلاح کر لینے میں خیر ہے، نہ کہ ان پر اصرار کرنے میں۔

اللہ تعالی مصنف کتاب حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے قبلہ سے انحراف کے موضوع پر یہ مفید رسالہ مرتب فرمایا، اور اس جانب بھی اشارہ کیا کہ امام شافعی اور بعض دوسرے فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے، اس لئے احتیاط کی بات یہی ہے کہ استقبال قبلہ کے مسئلہ میں کچھ احتیاط سے کام لیا جائے، اور جانتے بوجھتے ذرا بھی انحراف گوارا نہ کیا جائے، اللہ تعالی اس رسالہ کو نفع بخش بنائے، اور اس پر عمل کی توفیق دے۔

محتاج دعا

عتیق احمد بستوی

۲۰ رشعبان ۱۴۴۶ھ......۱۹ رفروری ۲۰۲۵ء

مجلس الافتاء والبحوث یورپ: کا فتوی

سوال:...... چند سال پہلے جمیعت نے ایک کمرہ اقامت نماز اور غیر ملکی افراد کی تعلیمی بیداری کے لئے حاصل کیا، اور فی الفور قبلے کی سمت کو چند قطب نماؤں سے ضبط کیا، اور نماز تقریبا چند ہفتے اسی اساس پر ہوتی رہی، لیکن جس کتب نما سے قبلے کی سمت کی طرف اشارہ کیا گیا وہ جائے نماز کی دیوار کے متوازی اور برابر نہ تھی....اور امام جماعت نے وہاں سمت قبلہ کے بدلنے کے جواز یا افضلیت کا فتوی دے دیا جس وجہ سے صفیں کمرے کی لمبی دیوار کے برابر اور متوازی ہوجائیں، اس تبدیلی کے بعد اس سمت قبلہ جو کہ مقرر ہو چکی تھی جو تقریبا: ۳۰ ریا اس سے کچھ زائد درجے تبدیلی کی مقدار ہوگئ۔.....

اگر کوئی بھائی اس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ سمت قبلہ کو اصل سمت کی طرف کیا جائے تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ ہماری اس تبدیلی پر فتوی موجود ہے۔ لہذا اس تبدیلی سمت قبلہ کا شرعی حکم کیا یہ؟

جواب:...... تحقیق مسلمانوں نے زمانہ قدیم سے قبلہ کی سمت کی تحدید کا بڑا اہتمام کیا ہے، اور اس کے لئے انہوں نے علامات اور اشارات بھی واضع کئے، اور ہمارے موجودہ زمانہ میں کمپاس اور قطب نما ایجاد ہوئے جسے انسان اپنے ہاتھ میں اٹھالیتا ہے تو جس جگہ بھی وہ ہو اس کے لئے قبلے کا تعین ہوجاتا ہے۔

جب مسلمان کوشش کر کے قبلے کی تحدید کرلیں تو پھر جائز نہیں بغیر عذر کے اس سے جان بوجھ کر ہٹنا، خاص طور پر مسجدوں میں، کیونکہ مسجدوں میں قبلہ تو ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے قبلے تحری (تلاش) میں انتہائی زیادہ دقت اور باریک بینی سے مسلمان اس بات پر حریص اور شائق رہتے ہیں کہ قبلے کی سمت صحیح رہے اور غلطی نہ ہوجائے کہ اس پر مسجد

والوں پر قبلے کی سمت نا معلوم اور غلط ہو جائے۔

اور تحقیق نے ہم مسلمانوں دیکھا ہے جو حکومتی دفاتر میں پلاٹوں کو یا کمروں کو نماز کے لئے خاص کرتے ہیں یا طیاروں میں یا سکولوں وغیرہ میں.....ان جگہوں میں جو اصلا مسجدیں نہیں ہوتیں.....جو قبلے کی طرف درست اور سیدھے نہیں ہوتے تو وہ خط کھینچ کر نشان لگاتے ہیں یا لمبی رسی رکھ لیتے ہیں جس سے مکمل سمت قبلہ کی تحدید ہو جاتی ہے، اگر چہ وہ مکان کی دیوار کے برابر نہ ہی ہو، ایسے ہی ہم نے امریکہ اور اروبا میں دیکھا ہے کہ جب وہ کبھی کنیسہ (گرجا) خریدتے ہیں تو قبلے کی جانب صفوں کے لئے خط کھینچ لیتے ہیں۔

لہذا ہمیں اس مسجد میں ان بھائیوں کے اس عمل پر بڑا تعجب ہوا کہ انہوں نے مسلسل قبلے سے تیس درجہ اس تبدیلی کو برقرار رکھا۔.....

اور جو انہوں نے استدلال کیا ہے صف اول کے پورے کرنے کی دلیل ضرورت کی وجہ سے نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے، تو ایسی بات ہے جو کسی بھی فقیہ اور محدث نے نہیں کہی، اور نہ ہی یہ مطلوب ہے کہ ایک صف جس کی تعداد زیادہ ہو اسے پر کیا جائے، جبکہ مقصود اور مطلوب یہ ہے کہ مسلمانوں کی مسجدیں چوڑائی میں ہوں نہ لمبائی میں، لیکن یہ مسجد کی بنیاد رکھتے وقت ہے، اور اگر ہم کسی جگہ کو تبدیل کر کے مسجد بنالیں تو پھر اس کے حالات وہ ہوں گے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہم نہیں جانتے کسی فقیہ کو کہ جس نے جان بوجھ کر اس بات کو جانتے ہوئے کے قبلے کی جہت انتہائی کوشش کے بعد متعین کر دی گئی ہو اس سے انحراف کی اجازت دی ہو۔....

لہذا اس مسجد کے ذمہ داران بھائیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس غلطی سے باز آجائیں اور اللہ تعالی سے استغفار کریں، اور اس جواب کے بعد وہ ایسا نہ کریں، اور اگر وہ

اسی غلطی پر ڈٹے رہے اور اڑے رہے اور اس حوالے سے انہوں نے سرکشی کا مظاہرہ کیا تو وہ لوگ جان لیں کہ ان کی نمازیں باطل ہیں۔

(مستفاد: بیانات اور فتاوی جات ص ۱۱۰ رتا: ص ۱۱۵)

نوٹ:...... یاد رہے کہ ''مجلس الافتاء والبحوث یورپ'' کے اراکین میں حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم بھی ہیں۔

اذان واقامت کے

چند مسائل اور طریقہ

حدیث فقہ کی دلائل سے مدلل اذان کے چند ضروری مسائل، اوراذان کا مسنون طریقہ، اسی طرح اقامت کے چند ضروری مسائل اوراقامت کا مسنون طریقہ پر مشتمل مختصراور مفید رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اذان کے چند ضروری مسائل

سوال:......اذان کے ضروری اور اہم مسائل کیا ہیں؟ اور اذان کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں تو احسان ہوگا۔

جواب:......حامدا و مصلّیا و مسلما :اذان کے چند ضروری اور اہم مسائل یہ ہیں:

مسئلہ:......بلند جگہ پر اذان دی جائے۔

(۱)......امرأة من بنی النّجار قالت :کان بیتی من أطول بیتٍ کان حول المسجد ، فکان بلال رضی اللہ عنہ یؤذن علیہ الفجر۔

(ابوداؤد، باب الاذن فوق المنارة ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۵۱۷)

ترجمہ:...... بنی نجار کی ایک عورت کہتی ہیں کہ: میرا مکان مسجد کے اطراف میں سب سے زیادہ اونچا مکان تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس (کی چھت) پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔

(۲)......عن ھشام عن أبیہ قال : أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالا أن یؤذّن یوم الفتح فوق الکعبة۔

ترجمہ:......حضرت ہشام اپنے والد رحمہ اللہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ: کعبہ (کی چھت کے) اوپر (چڑھ کر) اذان دیں۔

(۳)......عن عبد اللہ بن شقیق قال : من السنة الاذان فی المنارة ' والاقامة فی المسجد ، وکان عبد اللہ یفعلہ۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سنت یہ ہے کہ: اذان مینارہ پر (مسجد سے باہر) ہو، اور اقامت مسجد کے اندر ہو۔ حضرت عبداللہ ایسا ہی کرتے تھے۔

مسئلہ:......کھڑے ہوکر اذان کہی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۸/۳۶۹ ج ۲، فی المؤذن یؤذن علی الموضع المرتفع : المنارة وغیرها ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث:۲۳۴۴/۲۳۴۵)

(۱)......عن عبد الجبار بن وائل ' عن ابیه قال : حق وسُنة أن لا یُؤَذِّن الا وهو قائم۔

(سنن کبریٰ بیہقی ص ۱۰۴ ج ۳، باب الاذن راکبا وجالسا ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۸۶۰)

ترجمہ:......حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ضروری اور سنت مؤکدہ ہے کہ: (مؤذن) اذان نہ دے مگر یہ کہ وہ کھڑا ہو۔

نوٹ......مسافر سواری پر بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے۔

(۱)......ان رسول الله صلی الله علیه وسلم أمر بلالا فی سفر ، فأذَّن علی راحلته۔

(سنن کبریٰ بیہقی ص ۱۰۵ ج ۳، باب الاذن راکبا وجالسا ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۸۶۳)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک سفر میں حکم فرمایا کہ: تو انہوں نے اپنی سواری پر اذان دی۔

مسئلہ:......قبلہ کی طرف منہ کر کے اذان دی جائے۔

(۱)......قال : فجاء عبد الله بن زید...و قال فیه : فَاسُتَقبل القبلة۔

(ابوداؤد، باب کیف الاذن ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۵۰۵)

ترجمہ:......راوی فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ آئے، اور اس روایت میں فرمایا: (اس فرشتے نے جو اذان سکھانے آئے تھے، انہوں نے) قبلہ کی طرف رخ

کیا۔

مسئلہ:......اذان باوضو دی جائے۔

(۱)......قال أبو هريرة رضى الله عنه : لا ينادى بالصلوة الا متوضى ء۔

(ترمذی، باب ما جاء فی کراهية الاذان بغير وضوء ، کتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۰۱)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نماز کے لئے اذان باوضو ہی اذان کہی جائے۔

بعض فقہاء کے نزدیک بے وضواوراذان واقامت کہنا مکروہ ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ بے وضواقامت مکروہ ہے، اذان کہنا مکروہ نہیں۔

اس کے حاشیہ میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

احقر کی ناقص رائے میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نفی کراہت تحریمی یا اساءت کی ہے، اوراثبات کراہت تنزیہی یعنی خلاف اولی کا ہے۔(آداب اذان واقامت ص۴۳)

مسئلہ:......اذان بلندآواز سے دی جائے۔

(۱)......فلمّا أصبَحتُ أتيتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرتُه بما رأيتُ ، فقال : انّها لَرُؤيا حقٌّ ان شاء الله تعالى ، فقُمْ مع بلال فَألْقِ عليه ما رأيتَ فَليؤذِّن به ، فانّه أندى صوتا منك ، الخ۔

(ابوداؤد، باب كيف الاذن ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۴۹۷۔ترمذی، باب ما جاء فی بدء الاذان ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۸۹۔ابن ماجہ، باب بدء الاذان ، ابواب الاذان والسنة فيها رقم الحديث:۷۰۶)

ترجمہ:......(حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:) جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ میں نے جو خواب دیکھا اس کی خبر آپ ﷺ کو دوں، آپ ﷺ نے (میرا خواب سن کر) فرمایا: انشاء اللہ یہ خواب حق ہے، آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ اور خواب میں جو دیکھا ہے (یعنی جو کلمات سیکھے ہیں) وہ انہیں کہتے جاؤ، اس لئے کہ ان کی آواز آپ سے بلند ہے۔

مسئلہ:......اذان کہتے ہوئے کانوں کے سوراخ کو شہادت کی انگلیوں سے بند کیا جائے۔

(۱)......أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بلالا : أن يجعل اِصْبَعَيْه في أُذُنَيْه ، وقال : اِنه أرفعُ لِصَوتك۔

(ابن ماجہ، باب السنة فى الاذان ، ابواب الاذان والسنة فيها ، رقم الحديث:۷۱۰)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: (اذان کے وقت) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے۔ اور فرمایا: یہ آواز کے بلند ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۲)...... ويذكر عن بلال رضى الله عنه انّه جعل اصبعيه فى اذنيه ۔

(بخاری، باب هل يتتبع المؤذن فاه هاهنا و هاهنا؟ ، كتاب الاذن ، قبل رقم الحديث:۶۳۴)

ترجمہ:......اور یہ مذکور ہے کہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ (اذان کے وقت) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے تھے۔

نوٹ:......"بخاری" میں ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے۔

(۳)...... وكان ابن عمر رضى الله عنهما لا يجعل اصبعيه فى اذنيه۔

(بخاری، باب هل يتتبع المؤذن فاه هاهنا و هاهنا؟ ، كتاب الاذن ، قبل رقم الحديث:۶۳۴)

یہ واقعہ سفر کا ہے،حضرت سفیان رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت نسیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اپنے اونٹ پر اذان دے رہے تھے،حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ان سے کہا: کیا تم نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے کانوں میں انگلی دالتے تھے؟ حضرت نسیر رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں۔

(۴)......عن سفیان ، عن نُسیر قال : رأیت ابن عمر رضی الله عنهما یؤذِّن علی بعیرہ ، قال سفیان : قلت له : رأیتَه یجعل اِصبعیه فی أذنئیه ؟ قال : لا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳۵ ج ۲، من کان اذا اذن جعل اصابعه فی اذنیه ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سارے مدینہ کے لئے اذان دیتے تھے،اس لئے بلند آواز کرنے کے لئے کانوں کو بند کرتے تھے،اورحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قافلہ والوں کے لئے اذان دی ہے،اس لئے آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ہوا ناک،منہ اور کان سے نکلتی ہے،اور ناک اور منہ میں سے ایک وقت میں ایک ہی جگہ سے نکلتی،پس جب (مؤذن) کلمات اذان پکار رہا ہوگا تو صرف منہ سے ہوا نکلے گی، ناک سے نہیں نکلے گی،اور جب انگلیوں سے کانوں کے سوراخ بند کر دیئے تو وہاں سے بھی ہوا نہیں نکلے گی اور منہ سے زور سے ہوا نکلے گی،اور آواز بلند ہوگی۔

علاوہ ازیں یہ بہ تکلف بہرہ بننا ہے،اور بہرہ آدمی زور سے بولتا ہے،اس لئے جب تک وہ اپنی آواز نہیں سنتا اسے تسلی نہیں ہوتی۔(تحفۃ القاری ص ۴۹۶ ج ۲)

نوٹ:......حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ: اپنے دونوں ہاتھ کانوں کے اوپر رکھ لے۔

(۱)......وان جعل يديه على اذنيه ' فحسن۔

(بدائع ص ۴۶۷ ج ۱، فصل فيما يرجع الى صفات المؤذن ، كتاب الصلوة ، ط: بيروت)

نوٹ:......دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ کان پر رکھنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ:......اذان سے پہلے تعوذ اور تسمیہ (یعنی اعوذ باللہ اور بسم اللہ) پڑھنا ثابت نہیں۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے:

اذان یا اقامت سے پہلے'' اعوذ بالله ''اور'' بسم الله ''سرا یا جہرا پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس لئے '' اعوذ بالله ''اور'' بسم الله '' نہ بلند آواز سے پڑھے نہ پست آواز سے پڑھے۔ (احسن الفتاوی ص ۲۷۸ ج ۲)

(اذان سے پہلے بسم اللہ (یا اعوذ باللہ) پڑھنا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ وغیرہم سے منقول نہیں، نہ ائمہ فقہاء رحمہم اللہ اس کو ذکر کرتے ہیں، لہذا متوارث عمل نہ پڑھنے کا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل (جدید) ص ۲۸۶ ج ۳)

اذان سے پہلے ''اعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، یہ زیادۃ علی الشرع کے مترادف ہے، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (فتاوی حقانیہ ص ۵۴ ج ۳)

مسئلہ:......بہتر ہے کہ اذان اچھی آواز سے دی جائے۔

وتحسين الصوت بالاذان حسن ما لم يكن لحنا۔

(اعلاء السنن ص ۱۴۵ ج ۲، باب الاذان على مكان مرتفع خارج المسجد قائما والاقامة فى المسجد ، كتاب الاذان والاقامة ، تحت رقم الحديث:۶۲۱)

(۱)......عن أبى محذورة رضى الله عنه : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بنحو عشرين رجلا فاذنوا فأعجبه صوت أبى محذورة فعلمه الاذان ، الخ۔

ترجمہ:......حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے تقریبا بیس مؤذنین کواذان دینے کا حکم دیا، ان میں سے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے آواز کو پسند فرمایا تو انہیں اذان سکھلائی۔

(سنن دارمی ص۱۱۶ ج۱، باب الترجیع فی الاذان ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۱۱۹۹(۱۲۳۲)

(۱)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : قد سمعت فی هؤلاء تأذين انسان حَسنِ الصوت ، الخ۔(نسائی، الاذان فی السفر ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث:۶۳۴)

مسئلہ:......اذان کے کلمات کوآخر میں ساکن پڑھا جائے۔یعنی اذان کے تمام کلمات کوآخر میں ساکن کرنا مسنون ہے،حرکت دے کر پڑھنا خلاف سنت ہے۔البتہ پہلے ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' کی راء پر زبر لگا کر دوسرے '' اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' سے ملاکراس طرح کہے کہ:'' اَللّٰہُ اَکْبَرَ اَللّٰہُ اَکْبَرْ ''تو یہ صحیح ہے۔''عالمگیری''میں ہے:

ويسكن كلماتهما على الوقف ، لكن فى الاذان حقيقة ' وفى الاقامة ينوى الوقف۔

(عالمگیری ص۵۶ ج۱، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة وكيفيتهما ، كتاب الصلوة)

''شامی''میں ہے:

ان السنة أن يُسكن الراء من الله اكبر الاول أو يصلها بالله اكبر الثانية ، فان سكنها كفى وان وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة ' فان ضمّها خالف السنة۔(شامی ص۵۲ ج۲، باب الاذان ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبة الباز ، مكة المكرمة)

سنت یہ ہے کہ: پہلے ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' کی راءکوساکن کرے، یااس کودوسرے ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' سے ملائے،اگر پہلے ''اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' کی راءکوساکن کیا تو کافی ہے،اوراگراس کوملایا توسکون کی نیت کرتے ہوئے راءکوفتحہ (زبر) دے،اگرراء پرضمہ(پیش) پڑھا سنت کے خلاف

کیا۔(آداب واذان واقامت ص۴۹)

مسئلہ:......اذان کے دوکلموں کے درمیان سکتہ کیا جائے (یعنی سانس توڑ دے)۔

(۱)...... ومنها أن يُفصل بين كلمتى الاذان بالسكتة۔

(بدائع ص۴۶۲ ج۱، فصل فى بيان سنن الاذان ، كتاب الصلوة ، ط: بيروت)

مسئلہ:......اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کرادا کئے جائیں۔(زبدۃ الفقہ ص۱۶ ج۲)

کلمات اذان کے مابین وقفہ قلیلہ جس میں اچھی طرح اذان کا جواب دیا جاسکے سنت ہے، اوراس سے زیادہ وقفہ کرنا کہ فاصلہ شمار کیا جائے اوراذان ختم ہونے کا گمان ہوجائے درست نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، اور(اس طرح دی ہوئی)اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

(فتاوی دارالعلوم زکریا ص۷۷ ج۲، ط: دیوبند)

مسئلہ:......اذان کے کلمات جس طرح منقول ہیں، اسی ترتیب سے ادا کئے جائیں۔کسی کلمے کوآگے پیچھے نہ کیا جائے۔

مسئلہ:......اذان کے درمیان میں کوئی اورکام نہ کرے، پوری اذان بلاکسی فصل کے دی جائے۔اذان میں موالاۃ یہ ہے کہ:اذان کے کلمات اس طرح ادا کیے جائیں کہ ان کے درمیان کسی قول یا عمل کے ذریعہ فصل نہ ہو۔(موسوعہ فقہیہ (مترجم) ص۵۲۲ ج۲، مادہ:اذان)

(۱)...... ومنها : أن يوالى بين كلمات الاذان۔

(بدائع ص۴۶۳ ج۱، فصل فى بيان سنن الاذان ، كتاب الصلوة ، ط: بيروت)

مسئلہ:......اذان کے درمیان چلنا خلاف سنت ہے۔ایک ہی جگہ کھڑے ہوکراذان کہی جائے۔

(۱)...... ولا يمشى فى الاذان .....لمخالفة المتوارث۔

یعنی اذان کے درمیان نہ چلے، اس لئے کہ یہ نقل متواتر کے خلاف ہے۔
(کبیری ص ۳۷۶۔ کتاب المسائل ص ۲۵۷ ج۱، اذان واقامت کے مسائل)

مسئلہ:......اذان کے درمیان کسی سے بات نہ کرے، نہ کسی کو سلام کرے، نہ سلام کا جواب دے۔ اگر کسی نے اذان کے درمیان تھوڑی سی بات کرلی تو اذان درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر زیادہ بات کی تو اذان کا اعادہ بہتر ہے۔

(۱)......(ولا یتکلم فیهما) اصلا ولو برد سلام، فان تکلم استأنفه...وفی الشامية : الا اذا كان الكلام يسيرا۔

(شامی ص ۵۶ ج۲، باب الاذان، كتاب الصلوة، ط: مكتبة الباز، مكة المكرمة)

(۲)...... و يكره الكلام فى خلال الاذان ولو برد السلام ..... ويستحب اعادته، أى الاذان بالكلام فيه، لان تكراره مشروع ' كما فى الجمعة۔

(حاشية الطحطاوى ص ۲۰۰، باب الاذان، كتاب الصلوة، ط: مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت)

حضرت ابوعامر مزنی، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابن سیرین، حضرت شعبی رحمہم اللہ اذان کے درمیان بات کرنے کو مکروہ فرماتے ہیں۔

(۱)......عن ابى عامر المزنى، عن ابن سيرين : انهما كرها أن يتكلم حتى يتكلم حتى يفرغ۔

(۲)......عن الشعبى : انه كره الكلام فى الاذان۔

(۳)......عن ابراهيم : انه كره ان يتكلم المؤذن فى اذانه حتى يفرغ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳۸/۳۳۸ ج۲، من كره الكلام فى الاذان، كتاب الصلوة، رقم الحديث: ۲۲۱۷/۲۲۱۹/۲۲۲۰)

مسئلہ:...... ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ '' کہنے سے پہلے چہرہ دائیں طرف پھیرلے، پھر ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ '' کہے، اسی طرح پہلے چہرہ بائیں طرف پھیرلے پھر ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ '' کہے۔

(مستفاد: فتاوی قاسمیہ ص ۳۷۸ ج ۵)

(۱)...... فاذا انتهى الى الصلوة والفلاح حوله وجهه يمهنا و شمالا... ويقول حى على الصلوة ،الخ۔

(عالمگیری ص ۵۶ ج ۱ (جدید ص ۱۱۳ ج ۱)، الباب الثانى فى الاذان ، كتاب الصلوة۔

فتاوی تاتارخانیہ ص ۱۳۸ ج ۲، الباب الثانى فى الاذان ، كتاب الصلوة، رقم :۱۹۵۶)

صرف سرہی گھمائے سینہ اور قدم نہ گھمائے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ص ۸۸ ج ۲، ط: دیوبند)

مسئلہ:......اذان میں ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ ''اور ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ '' کہتے ہوئے صرف چہرہ پھیرے، سینہ اور قدم قبلہ ہی کی طرف ہونا چاہئے، سینہ پھیرنا غلط ہے۔

(۱)......حدثنا عون بن أبى جحفة ' عن أبيه رضى الله عنه قال : أتيت النبى صلى الله عليه وسلم بمكة وهو بالأبطح....قال : فتوضأ وأذّن بلال ' قال : فجعلتُ أتتبّع فاه هاهنا هاهنا (يقول : يمينا و شمالا) يقول : حى على الصلوه ، حى على الفلاح۔(مسلم، باب سترة المصلى ، الخ ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۵۰۳)

مسئلہ:......گانے کی طرز پر اذان نہ دی جائے۔

(۱)......عن يحى البكائى رحمه الله قال : قال رجل لابن عمر رضى الله عنهما : انى لاحِبُّک فى الله ، فقال ابن عمر : لكنى اُبْغِضُک فى الله ، قال : ولم ؟ قال : انّک تتغنى فى أذانک ، الخ۔

(مجمع الزوائد ص ۶۷ ج ۲، باب أجر المؤذن ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۹۰۹)

ترجمہ:......حضرت یحی بکائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں آپ سے اللہ تعالی کے لئے محبت کرتا ہوں، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں تجھ سے اللہ تعالی کے لئے بغض رکھتا ہوں، تو اس شخص نے کہا: اس کی کیا وجہ؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس لئے کہ تو اپنی اذان میں گانے کا طرز اختیار کرتا ہے۔

کلمات اذان کھینچ کر ادا کرنے کا مسئلہ

مسئلہ:......کلمات اذان کھینچ کر ادا کئے جائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

اذان کے کلمات میں جن حرفوں پر کوئی مد نہیں ہے، ان کو کھینچنا حرام اور لحن جلی ہے، مثلا ''الله اکبر ''اور''اشهد'' کے ہمزہ کو کھینچ کر اس طرح پڑھنا''آلله ، آکبر ، آشهد ''اسی طرح''اکبر'' کی باء کو کھینچ کر''اکبار''پڑھنا اور''محمد''کو''موحامّد''اور''رسول''کو''راسول''پڑھنا بھی ناجائز ہے، اور ایسی اذان کا لوٹانا ضروری ہے۔

لیکن اذان کے کلمات میں سے جن کلمات پر مد اصلی ہے، جیسے''اللـه اکبر''میں لفظ''الله''اور''الصلوة خير من النوم''میں''الصلوة''یا جہاں مد منفصل ہے، جیسے''لا اله''یا جہاں مد عارض وقفی ہے، جیسے''الا الله ، رسول الله ، الصلوة ، الفلاح ''اور''النوم''ان کلمات کو اذان میں کھینچنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مطلوب و مستحسن ہے، مگر مدّ و جزر اور راگ پیدا کرنا مکروہ ہے''مراقی''اور''طحطاوی''میں ہے:

''(ويتـمهّـل) يترسّل (فى الاذان) بالفصل بسكتةٍ بين كلّ كلمتين (مراقى) وقيـل بتـطـويـل الكلمات كما فى البحر عن عقد الفرائد ، و كل ذلک مطلوب فى

الاذان فيُطَوِّل الكمات بدون تَغنٍّ و تطرِيبٍ ، كما في العناية ''۔(طحطاوی ص۱۱۶)

آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر اذان دے، یعنی ہر دو کلموں کے درمیان تھوڑی دیر ٹھہر جائے، اور بعض حضرات نے کہا کہ: آہستہ آہستہ اذان دینے کا مطلب یہ ہے کہ کلمات اذان کو کھینچے اور دراز کرے۔ ....اور یہ باتیں اذان میں مطلوب ہیں، اس لئے کلمات اذان کو دراز کرے، گانے کا انداز اور راگ پیدا کئے بغیر۔

نیز فن تجوید کے اعتبار سے بھی اذان کے اُن کلمات کو جن پر صرف مد اصلی ہے تعظیم و اہتمام کی غرض سے ایک الف سے زائد کھینچنا درست ہے، مفتی عنایت احمد صاحب (صاحب علم الصیغہ) تحریر فرماتے ہیں:

(فائدہ)......ایک اور موقع مد کا ہے، جس پر وہی لوگ قادر ہیں جو معانی سے واقف ہیں، وہ یہ ہے کہ موقع عظمت و جلال میں یا اور کسی جگہ جو قابل اہتمام ہو مد کرے، مثلاً '' لله الوحد القهار '' کے سب الفوں پر مد کر کے بہ ہیبت و عظمت پڑھے، یا '' ان الابرار لفی نعیم '' میں '' ابرار '' کے الف اور '' لفی '' کی یاء پر مد کرے، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی '' اتقان '' میں یہ موقع مد کا ذکر کیا ہے۔(رسالہ البیان الجزیل ص۵۵/۵۶)

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مد کے سبب کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......لفظی، جو تلفظ میں پایا جائے، اور وہ ہمزہ اور سکون ہے۔

(۲)......معنوی: جو لفظ میں نہیں ہوتا، اور معنی کے ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

اور معنوی بھی دو ہیں:

(۱)......نفی میں مبالغہ یعنی نفی کو خوب اور پوری طرح ظاہر کر دینا، اور اسی لئے طیبہ کے طریق

سے امام حمزہ رحمہ اللہ نفی جنس کے ''لا'' میں توسط کرتے ہیں، جیسے ''لا ریب ''اور''فلا مرد ''
وغیرہ۔
(۲)......تعظیم: یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا، اور یہ لفظ ''اللـہ ''میں ہوتا ہے، اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر مد کرنا بھی درست بتایا ہے۔ (مفتاح الکمال ص ۶۵/۶۶)
لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' وکذا اذا ازاد فی المد الاصلی و الطبیعی علی مدّہ العرفی من قدر الف بان جعله قدر الفین أو أکثر کما یفعله أکثر الائمة من الشافعیة والحنفیة فی الحرمین الشریفین ' فانه محرم قبیح ' لا سیما وقد یقتدی بهم بعض الجهلة و یستحسن ما صدر عنهم من القراء ة ''۔(المنح الفکریة ص ۵۰)

جس طرح مد کی مقدار میں کمی کرنا غلط اور لحن جلی ہے، اسی طرح مد اصلی کو اس کی عرفی مقدار یعنی ایک الف سے زیادہ دو یا تین چار الف تک کھینچنا بھی غلط ہے، جیسا کہ حرمین شریفین میں اکثر امام خواہ شافعی ہوں یا حنفی ایسا کرتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنا حرام اور برا ہے، اور اس کی حرمت وقباحت ایسے اماموں کے حق میں اور بڑھ جاتی ہے، جن کی جاہل لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس طرح بھی وہ پڑھیں اس کو بہتر اور صحیح سمجھتے ہیں۔

لہذا تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اذان میں تو لفظ ''اللــــہ ''کو ایک الف سے زائد کھینچنا چاہئے، جیسا کہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ اور مفتی عنایت احمد صاحب نے ارقام فرمایا ہے، مگر نماز میں لفظ ''اللہ ''کو ایک الف سے زائد نہ کھینچے جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، کیوکہ اذان میں مد صوت مطلوب ہے، اور نماز میں صرف بلیغ صوت مقصود ہے۔
اس تطبیق پر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مگر زیادہ کھینچنا درست نہیں ہے، تین الف کے بقدر کھینچنا مستحسن ہے سات الف تک جائز ہے اوراس سے زیادہ ناجائز ہے، اور ایک الف کی مقدار ہے بند انگلی کو کھولنے کے بقدر یا کھلی انگلی کو بند کرنے کے بقدر، لہذا بعض مؤذنوں کو جو دیکھا جاتا ہے کہ جب تک سانس میں گنجائش رہتی ہے کھینچتے رہتے ہیں یہ ناجائز ہے۔امام ابومحمد جوینی رحمہ اللہ ''تبصرہ'' میں لکھتے ہیں:

''ولا يجوز المد الّا على الاف التى بين اللام والهاء ، ولا يخرجها بالمد عن حد الاقتصاد للافراط''۔(شرح المہذب للنووی ص۲۹۲ ج۳)

بلکہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تو اذان میں ''الله ، الصلوة ''اور''الفلاح'' کے لام کو مطلقا ایک الف سے زائد کھینچنا لحن خفی قرار دیتے ہیں، اگر چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''مرقاة شرح مشكوة'' (ص۱۵۴ ج۲، مطبوعہ: ملتان) میں حالت وقف میں یعنی جہاں مد عارض وقفی ہے، ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا ہے، البتہ جہاں مد اصلی ہے یعنی تکبیر میں جو لفظ ''الله ''ہے اور''الصلوه خير ''الخ، میں جو''الصلوة'' ہے اس میں ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کو برقرار رکھا ہے، لہذا اذان دینے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، اور تکبیر کے لفظ ''الله'' کو بہت زیادہ نہیں کھینچنا چاہئے، والله الموفق۔

سعید احمد پالنپوری

(آداب واقامت ص۴۶ تا۴۹)

اذان کا مسنون طریقہ

اذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ: مؤذن وضو کر کے قبلہ رو کھڑا ہو کر، شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے دونوں سوراخ کو بند کر کے یا چار انگلیوں کو ملا کر کان پر رکھ کر اونچی آواز سے ایک سانس میں دو مرتبہ ’’ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ‘‘ کہے، اور خاموش ہو جائے (یعنی سانس توڑ دے) پھر ایک سانس میں دو مرتبہ ’’ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ‘‘ کہے، اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں ایک مرتبہ ’’ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دوسری مرتبہ ’’ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں ایک مرتبہ ’’ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہُ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دوسری مرتبہ ’’ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہُ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں ایک مرتبہ صرف چہرہ کو داہنی طرف پھیرتے ہوئے ’’ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دوسری مرتبہ صرف چہرہ کو داہنی طرف پھیرتے ہوئے ’’ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں ایک مرتبہ صرف چہرہ کو بائیں طرف پھیرتے ہوئے ’’ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دوسری مرتبہ صرف چہرہ کو بائیں طرف پھیرتے ہوئے ’’ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دو مرتبہ ’’ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک مرتبہ: ’’ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ‘‘ کہے۔ فجر کی اذان میں ’’ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ ‘‘ کے بعد ایک سانس میں ایک مرتبہ ’’ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمْ ‘‘ کہے اور خاموش ہو جائے، پھر ایک سانس میں دوسری مرتبہ ’’ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمْ ‘‘ کہے۔

اقامت کے چند ضروری اور اہم مسائل

اقامت کے چند ضروری اور اہم مسائل

سوال:......اقامت کے ضروری اور اہم مسائل کیا ہیں؟ اور اقامت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟۔

جواب:......حامدا و مصلّیا و مسلما :اقامت کے چند ضروری اور اہم مسائل یہ ہیں:

مسئلہ:......اقامت مسجد میں دی جائے۔

(ا)......حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ اقامت مسجد کے اندر ہو، مسجد کے باہر اذان کی جگہ سے نہ ہو۔

(کشف الغمہ ص ۱۲۱ ج ۲۔شمائل کبری ص ۶۹۵ ج ۶، ط: زمزم پبلیشرز، کراچی)

جب کوئی صحابی کسی عمل پر سنت کا اطلاق فرمائے تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت مراد ہوگی۔" وأعلم أن الصحابی اذا أطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبی صلی الله علیه وسلم "۔

(اعلاء السنن ص ۱۴۵ ج ۲، باب الاذان علی مکان مرتفع خارج المسجد قائما والاقامة فی المسجد ، کتاب الاذان والاقامة ، تحت رقم الحدیث: ۶۲۱)

(۲)......عن عبد الله بن شقیق قال : من السنة الاذان فی المنارة ' والاقامة فی المسجد ، وکان عبد الله یفعله۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۹ ج ۲، فی المؤذن یؤذن علی الموضع المرتفع : المنارة وغیرها ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث: ۲۳۴۵)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سنت یہ ہے کہ: اذان مینارہ پر (مسجد سے باہر) ہو، اور اقامت مسجد کے اندر ہو۔ حضرت عبداللہ ایسا ہی کرتے تھے۔

مسئلہ:......مؤذن خود اقامت کہے۔

(۱)......قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من أذّن فهو يقيم۔

(ترمذی، باب ما جاء ان من أذن فهو يقيم ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۹۹)

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جواذان دے وہی اقامت کہے۔

مسئلہ:......کھڑے ہوکر اقامت کہی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۸/۳۶۹ ج ۲، فی المؤذن يؤذن على الموضع المرتفع : المنارة وغيرها ، كتاب الاذان ، رقم الحديث:۲۳۴۴/۲۳۴۵)

(۱)......عن عبد الجبار بن وائل ' عن ابيه قال : حق وسُنة أن لا يُؤذِّن الا وهو قائم۔

(سنن کبری بیہقی ص ۱۰۴ ج ۳، باب الاذن راكبا وجالسا ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۸۶۰)

ترجمہ:......حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ضروری اور سنت مؤکدہ ہے کہ: (مؤذن) اذان نہ دے مگر یہ کہ وہ کھڑا ہو۔

مسئلہ:......اقامت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ (یعنی اعوذ باللہ اور بسم اللہ) پڑھنا ثابت نہیں۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے:

اذان یا اقامت سے پہلے'' اعوذ بالله '' اور'' بسم الله '' سرا یا جہرا پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس لئے '' اعوذ بالله '' اور'' بسم الله '' نہ بلند آواز سے پڑھے نہ پست آواز سے پڑھے۔ (احسن الفتاوی ص ۲۷۸ ج ۲)

مسئلہ:......اقامت باوضو کہی جائے۔

بعض فقہاء کے نزدیک بے وضو اور اذان و اقامت کہنا مکروہ ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ بے وضو اقامت مکروہ ہے، اذان کہنا مکروہ نہیں۔

اس کے حاشیہ میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

احقر کی ناقص رائے میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نفی کراہت تحریمی یا اساءت کی ہے، اور اثبات کراہت تنزیہی یعنی خلاف اولی کا ہے۔ (آداب اذان واقامت ص۴۳)

مسئلہ:......اقامت قبلہ رو ہو کر کہی جائے۔

(۲)......عن ابراهيم قال : يستقبل المؤذن باوّل اذانه والشهادة والاقامة : القبلة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۴ ج۲، من قال يقول : اذا اذن المؤذن استقبل القبلة ، كتاب الاذان رقم الحديث:۲۲۴۵)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مؤذن اذان کے شروع میں شہادت میں اقامت میں قبلہ رو ہو۔

مسئلہ:......اقامت میں ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ ''اور''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ '' کہتے ہوئے چہرہ دائیں، بائیں پھیرنا مسنون نہیں، جائز ہے۔

مسئلہ:......اقامت کے وقت ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ ''میں دائیں طرف اور''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ '' کے میں بائیں طرف منہ پھیرنا مستحب ہے۔

(فتاوی دار العلوم زکریا ص۱۰۵ ج۲، ط: دیوبند)

(۱)...... فاذا انتهى الى الصلوة والفلاح حوله وجهه يمهنا و شمالا ... ويقول حى على الصلوة ،الخ۔

(عالمگیری ص۵٦ ج۱ (جدید ص۱۱۳ ج۱)، الباب الثانى فى الاذان ، كتاب الصلوة۔

فتاوی تاتارخانیہ ص۱۳۸ ج۲، الباب الثانى فى الاذان ، كتاب الصلوة، رقم :۱۹۵٦)

صرف سر ہی گھمائے سینہ اور قدم نہ گھمائے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ص ۸۸ ج ۲، ط: دیوبند)

مسئلہ:......اقامت کے کلمہ پر اعراب ظاہر کرنا خلاف سنت ہے، مثلاً اس طرح اقامت کہنا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهُ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

"عالمگیری" میں ہے:

ویسکن کلماتهما علی الوقف ، لکن فی الاذان حقیقة ' وفی الاقامة ینوی الوقف۔

(عالمگیری ص ۵۶ ج ۱، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة وکیفیتهما ، کتاب الصلوة)

"شامی" میں ہے:

(۲)......ان السنة أن یُسکن الراء من الله اکبر الاول أو یصلها بالله اکبر الثانیة ، فان سکنها کفی وان وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة ' فان ضمّها خالف السنة۔ (شامی ص ۵۲ ج ۲، باب الاذان ، کتاب الصلوة ، ط: مکتبة الباز ، مکة المکرمة)

مسئلہ:......اقامت کے دو کلموں کے درمیان سکتہ سے فصل کیا نہ جائے، بلکہ ان کے دونوں کلموں کو ایک کلمہ بنایا جائے۔

(۱)...... ومنها أن یُفصل بین کلمتی الاذان بالسکتة ، ولا یفصل بین کلمتی الاقامة بل یجعلهما کلاما واحدا، لان الاعلام المطلوب من الاول لا یحصل الا بالفصل ، والمطلوب من الاقامة یحصل بدونه۔

(بدائع ص ۶۴۲ ج ۱، فصل فی بیان سنن الاذان ، کتاب الصلوة ، ط: بیروت)

مسئلہ:......اقامت کے کلمات جلدی جلدی کہے جائیں، اذان کی طرح ٹھہر ٹھہر کر نہ ہو۔

(مستفاد: زبدۃ الفقہ ص۱۶ ج۲۔ اذان واقامت کے سنن ومستحبات ومکروہات)

(۱)......عن أبی الزبیر مؤذن بیت المقدس قال : جاء نا عمر بن الخطاب رضی الله عنه ' فقال :اذا اذنت فترسل ' واذا اقمت فاحذم۔

ترجمہ:...... بیت المقدس کے مؤذن حضرت ابوزبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہمارے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو فرمایا: آپ جب اذان دیں تو ٹھہر ٹھہر کر دیں، اور اقامت کہے تو جلدی جلدی کہے۔

(۲)......عن أبی جعفر: أن ابن عمر رضی الله عنهما کان یرتل الأذان و یحذُر الاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۴ ج۲، من قال یترسل فی الاذان و یحذر فی الاقامة ، کتاب الاذان ، رقم الحدیث: ۲۲۴۸/۲۲۴۹)

ترجمہ:...... حضرت ابوجعفر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اذان ٹھہر ٹھہر کر دیتے تھے، اور اقامت جلدی جلدی کہتے تھے۔

مسئلہ:......اقامت کے کلمات جس طرح منقول ہیں، اسی ترتیب سے ادا کئے جائیں۔ کسی کلمے کو آگے پیچھے نہ کیا جائے۔

مسئلہ:......اقامت کے درمیان میں کوئی اور کام نہ کرے، پوری اقامت بلا کسی فصل کے دی جائے۔

(۱)...... و منها : أن یوالی بین کلمات الاذان والاقامة۔

(بدائع ص۶۴۳ ج۱، فصل فی بیان سنن الاذان ، کتاب الصلوة ، ط: بیروت)

مسئلہ:......اقامت کے درمیان چلنا خلاف سنت ہے۔ایک ہی جگہ کھڑے ہوکر اقامت کہی جائے۔

(۱)...... ولا يمشى فى.....الاقامة لمخالفة المتوارث۔

(کبیری ص ۳۷۶۔کتاب المسائل ص ۲۵۷ ج ۱،اذان واقامت کے مسائل)

یعنی اذان کے درمیان نہ چلے،اس لئے کہ یہ نقل متواتر کے خلاف ہے۔

مسئلہ:......اقامت کے درمیان کسی سے بات نہ کرے، نہ کسی کو سلام کرے، نہ سلام کا جواب دے۔اگر کسی نے اقامت کے درمیان تھوڑی سی بات کر لی تو اقامت درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(۱)......(ولا يتكلم فيهما) اصلا ولو برد سلام ، فان تكلم استأنفه...وفى الشامية : الا اذا كان الكلام يسيرا۔

(شامی ص ۵۶ ج ۲، باب الاذان ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبة الباز ، مكة المكرمة)

(۲)......(و) يكره الكلام (فى الاقامة) لتفويت سنة الموالاة (ويستحب اعادته) أى الاذان بالكلام فيه ، لان تكراره مشروع ' كما فى الجمعة (دون الاقامة)۔

(حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۰۰، باب الاذان ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبة دار الكتب العلمية ، بيروت)

حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب کوئی اقامت کے درمیان بات کرے تو اس کا اعادہ کرے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اذان واقامت کے درمیان بات کرنے کو مکروہ فرماتے ہیں۔

(۱)......عن عثمان بن ابى رَواد ' عن الزهرى قال : سمعته يقول : اذا تكلم فى

اقامته فامته فانه يعيد۔

(۲)……عن ابراهيم : انه كره ان يتكلم فی أذانه حتى يفرغ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۹ ج۲، فی المؤذن يتكلم فی الاقامة أم لا ؟ كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۲۲۱/۲۲۲۲)

اقامت کا مسنون طریقہ

اقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کے آخر کو ساکن پڑھے، اس طرح کہ پہلے ایک سانس میں چار مرتبہ'' اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' کہے، اور خاموش ہوجائے (یعنی سانس توڑدے) پھر ایک سانس میں دو مرتبہ'' اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کہے اور خاموش ہوجائے، پھر ایک سانس میں دو مرتبہ'' اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہُ ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہُ '' کہے اور خاموش ہوجائے، پھر ایک سانس میں دو مرتبہ'' حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ '' کہے اور خاموش ہوجائے، پھر ایک سانس میں دو مرتبہ'' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ '' کہے اور خاموش ہوجائے، پھر ایک سانس میں ایک مرتبہ'' قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ '' کہے، پھر دوسری سانس میں دوسری مرتبہ'' قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ '' کہے، پھر ایک سانس میں دو مرتبہ'' اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ '' کہے اور خاموش ہوجائے، پھر ایک مرتبہ:'' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کہے۔

واللہ تعالی أعلم وعلمه أحكم واتم

مرغوب احمد لاجپوری

۲۰/ذیقعدہ ۱۴۴۵ھ، مطابق: ۲۹/مئی ۲۰۲۴

بروز بدھ

جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور پہلے چار پڑھیں یا دو؟

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور پہلے چار پڑھیں یا دو؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:...... جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ چار یا چھ؟ اور ان رکعتوں کو کس ترتیب سے پڑھا جائے، پہلے چار پھر دو یا پہلے دو پھر چار؟۔

الجواب:...... حامدا ومصلیا ومسلما: جمعہ کی نماز کے بعد حضرت امام ابو یوسف، امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام مجاہد، امام طحاوی، امام عطاء بن ابی رباح، امام حمید بن عبد الرحمٰن رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک چھ رکعتیں سنت ہیں۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ص ٣١٤ ج ٢)

آپ ﷺ سے جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور چار رکعتیں بھی، گویا مجموعی طور پر آپ سے چھ رکعتیں پڑھنا منقول ہے۔

(١)...... عن علی رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم یصلّی قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا، یجعل التّسلیم فی آخرھنّ۔

(المعجم الاوسط ص ٤٤٠ ج ١، رقم الحدیث: ١٦١٧۔ اعلاء السنن، رقم الحدیث: ١٧٦٢۔ نصب الرایہ ص ٢٠٦ ج ٢)

ترجمہ:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور سلام آخری (چوتھی) رکعت میں پھیرتے تھے۔

(٢)...... عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یصلّی قبل الجمعۃ اربعا و بعدھا اربعا۔

(المعجم الاوسط ص ٥٦٨ ج ٤، رقم الحدیث: ٣٩٧١۔ جدید ص ٩١ ج ٣، رقم الحدیث: ٣٩٥٩)

ترجمہ:...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بیشک آپ ﷺ جمعہ

سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

نوٹ:......آپ ﷺ کے دو رکعت پڑھنے کی روایت آگے نمبر:۱۰/اور ۱۱/ پر آرہی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوموسی اشعری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت مسروق، حضرت ابراہیم نخعی رحمہما اللہ سے جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔

(۳)......عن ابی عبد الرحمن رحمه الله عن علی رضی الله عنه انه قال : من کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستا۔

(طحاوی ص۲۳۳ ج۱، باب التطوع بعد الجمعة کیف هو ؟ رقم الحدیث:۱۹۳۳)

ترجمہ:......حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھے اسے چاہیے کہ وہ چھ رکعتیں پڑھے۔

(۴)......عن ابی بکر بن ابی موسی، عن أبیه : کان یصلّی بعد الجمعة ستّ رکعات۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱۸ ج۴، من کان یصلّی بعد الجمعة رکعتین ، کتاب الصلوة ، رقم : ۵۴۱۳)

ترجمہ:......حضرت ابوبکر بن ابی موسی اپنے والد حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔

اور بہتر ہے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھی جائیں پھر چار۔ اگر کسی نے اس کے برعکس کیا تو بھی ناجائز نہیں، مگر آپ ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اولاً دو پھر چار پڑھنا مروی ہے۔

(۱)......ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى الجمعة صلى بعدها ركعتين ثم اربعا۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ جب جمعہ پڑھتے تو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار پڑھتے۔

(المعتصر ص۵۶ ج۱، فی التنفل بعد الجمعة۔معارف السنن ص۴۱۴ ج۴۔شمائل کبری ص۴۴۸ ج۸)

(۲)......عن ابى عبد الرحمن السلمى رحمه الله قال : كان عبد الله رضى الله عنه: يأمرنا أن نصلّى قبل الجمعة اربعا و بعدها اربعا ' حتى جاء نا على رضى الله عنه ' فأمرنا أن نصلّى بعدها ركعتين ثم اربعا۔

ترجمہ:......حضرت عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم: جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھیں اور جمعہ کے بعد بھی، حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ: ہم جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر چار رکعتیں پڑھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۴۷ ج۳، باب الصلاة قبل الجمعة و بعدها ، رقم الحديث:۵۵۲۵)

(۳)......عن ابى عبد الرحمن رحمه الله قال : قدم علينا ابن مسعود رضى الله عنه فكان يأمرنا أن نصلّى بعد الجمعة اربعا ' فلمّا قدم علينا على رضى الله عنه ' أمرنا ان نصلّى ستّا ، فأخذنا بقول على ' وتركنا قول عبد الله ، قال : كان يصلّى ركعتين ' ثمّ اربعا۔

ترجمہ:......حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہمارے پاس حضرت عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم: جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھا کریں، پھر جب ہمارے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (جمعہ کے بعد) چھ رکعتیں پڑھیں۔ (اس کے بعد) ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو لیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ: (حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد پہلے) دو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۷ ج ۴، من کان یصلی بعد الجمعة رکعتین ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث: ۵۴۱۰۔ معجم طبرانی ص ۳۱۰ ج ۹، رقم الحدیث: ۹۵۵۰)

(۴)......عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما : انه کان یصلّی قبل الجمعة اربعا ‘ لا یفصل بینهنّ بسلام ‘ ثم بعد الجمعة رکعتین ‘ ثم اربعا۔

(طحاوی ص ۴۳۵ ج ۱، باب التطوع باللیل والنهار کیف هو ؟ رقم الحدیث: ۱۹۱۹)

ترجمہ:......حضرت جبلہ بن سحیم رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ان کے درمیان (دو رکعتوں پر) سلام سے فصل نہیں کرتے تھے، پھر جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر چار رکعتیں۔

(۵)......عن عطاء رحمه الله قال : کان ابن عمر رضی الله عنهما ‘ اذا صلّی الجمعة ‘ صلّی ستّ رکعات ‘ رکعتین ‘ ثمّ اربعا۔

(ترمذی، باب فی الصلوة قبل الجمعة وبعدها ‘ ابواب الجمعة ، رقم الحدیث: ۵۲۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۷ ج ۴، من کان یصلی بعد الجمعة رکعتین ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث: ۵۴۱۲)

ترجمہ:......حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب

جمعہ پڑھتے تو جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے ، پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔

(۶)......عن عطاء قال أبو اسحاق : حدثنی غیر مرة قال : صلیت مع ابن عمر رضی الله عنهما یوم الجمعة فلمّا سلم قام فصلّی رکعتین ، ثم قال : فصلی اربع رکعات ، ثم انصرف۔

(طحاوی ص۴۳۸ ج۱، باب التطوع بعد الجمعة کیف هو ؟ رقم الحدیث:۱۹۳۲)

ترجمہ:......حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت ابو اسحٰق رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ یہ روایت نقل کی کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں، پھر حضرت ابو اسحٰق رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ نے پھر چار رکعتیں پڑھیں، پھر تشریف لے گئے۔

(۷)......عن محمد بن المنتشر ‘ عن مسروق قال : کان یصلّی بعد الجمعة ستّا ‘ رکعتین واربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱۸ ج۴، من کان یصلی بعد الجمعة رکعتین ، رقم الحدیث:۵۴۱۴)

ترجمہ:......حضرت محمد بن منتشر رحمہ اللہ‘ حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پہلے دو پھر چار۔

(۸)......عن ابراهیم قال : صلّ بعد الجمعة رکعتین ‘ ثم صلّ بعدهما ما شئت۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱۸ ج۴، من کان یصلی بعد الجمعة رکعتین ، رقم الحدیث:۵۴۱۵)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے بعد (پہلے) دو رکعتیں پڑھو، پھر دو رکعتوں کے بعد جتنی چاہیں پڑھتے رہو۔

(۹)......قال الامام الترمذی رحمه الله : ورُوِی عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه : انّه کان یصلّی قبل الجمعة أربعا و بعدها أربعا ، ورُوِی عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه : أنّه أمر أن یصلّی بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا ، الخ۔

(ترمذی، باب فی الصلوة قبل الجمعة و بعدها ، ابواب الجمعة ، رقم الحدیث:۵۲۳/۵۲۳)

ترجمہ:......امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے بھی اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے بعد پہلے دو پھر چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد اولاً دو رکعتیں پھر چار رکعتیں پڑھنا نقل کیا ہے، اور یہی قول سفیان ثوری اور امیر المؤمنین عبد اللہ بن مبارک رحمہما اللہ کا ہے۔

(ترمذی، باب فی الصّلوة قبل الجمعة وبعدها ، ابواب الجمعة ، رقم الحدیث:۵۲۳)

''بخاری شریف'' کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۱۰)......عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما : انّ رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یصلّی قبل الظهر رکعتین و بعدها رکعتین ، وبعد المغرب رکعتین فی بیته‘ وبعد العشاء رکعتین ، وکان لا یصلّی بعد الجمعة حتی ینصرف فیصلی رکعتین۔

(بخاری، باب الصلوة بعد الجمعة وقبلها ، کتاب الجمعة ، رقم الحدیث:۹۳۷)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور مغرب کے بعد اپنے

گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے، اور عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ اپنے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے۔

(۱۱)......عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : صلّيتُ مع النبی صلی الله علیه وسلم سجدتين قبل الظهر ' وسجدتين بعد الظهر، وسجدتين بعد المغرب' و سجدتين بعد العشاء ' و سجدتين بعد الجمعة ، فامّا المغرب والعشاء ففی بیته۔

(بخاری، باب التطوع بعد المکتوبة ، کتاب التهجد ، رقم الحدیث:۱۱۷۲)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھیں اور ظہر کے بعد دو رکعت پڑھیں، اور مغرب کے بعد دو رکعت پڑھیں، اور عشاء کے بعد دو رکعت پڑھیں، اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھیں۔ پس مغرب اور عشاء (کے بعد کی رکعتیں) تو وہ آپ ﷺ نے اپنے گھر میں پڑھیں۔

ان روایات سے یہ بات تو ثابت ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے دو پڑھی جائیں یا چار؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ: پہلے چار پڑھی جائیں پھر دو، اس لئے کہ پہلے دو کو پڑھنے سے جمعہ کی مشابہت نہ ہو جائے کہ جمعہ کی بھی دو رکعتیں ہیں اور سنت بھی دو۔ لیکن خود آپ ﷺ اور اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی منقول ہے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھی جائیں پھر چار۔

مسئلہ:......طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ چار رکعتیں ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک چھ ہیں۔

مسئلہ:...... جمعہ کے بعد چار سنتوں کا مؤکدہ ہونا تو متفق علیہ ہے، اس کے بعد دو سنتوں کے مؤکدہ ہونے میں ائمۂ احناف کا اختلاف ہے، پس احتیاط اسی میں ہے کہ جمعہ کے بعد

چھ رکعتیں پڑھی جائیں۔ (امداد المفتین ص ۳۳۷ ج ۲)

مسئلہ:......(جمعہ کے بعد کی) چھ رکعات میں بھی ہمارے یہاں ترتیب یہ ہے کہ پہلے چار اور پھر دو، لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے دو پڑھے اور پھر چار، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے عمل سے یہی ثابت ہے۔

(انعام الباری ص ۱۲۱ ج ۴)

پھر ان چھ رکعتوں کی ترتیب میں مشائخ کا اختلاف رہا ہے، بعض مشائخ حنفیہ پہلے چار رکعات اور پھر دو رکعات پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض اس کے برعکس صورت کو افضل قرار دیتے ہیں، یعنی پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے آخری قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آثار سے مؤید ہے۔ (درس ترمذی ص ۳۰۱ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مگر میں نے آج (۵/ج، ۱۴۰۶ھ) اس کے خلاف کیا ہے کہ پہلے دو پڑھ لیں بعد میں چار رکعت پڑھیں، کیونکہ اجازت اس کی بھی ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص ۴۳۹ ج ۳۰)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

پھر قاضی ابو یوسف اور (امام) طحاوی رحمہما اللہ کے نزدیک پہلے چار اور بعد کو دو رکعتیں پڑھی جائیں، اور حضرت علی اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کے معمول سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو رکعتیں ادا کی جائیں' پھر چار، چنانچہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تائید کی وجہ سے حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ (قاموس الفقہ ص ۱۳۲ ج ۳)

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور چھ رکعت کا ثبوت حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے، اس میں دو کا تذکرہ پہلے ہے، لہذا دو پہلے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، بلکہ کبھی کبھی اس پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ نیز ''لا یصلّی صلاۃ مثلھا'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے، نیز جمعہ خطبہ کی وجہ سے چار رکعت کے حکم میں ہے۔

(فتاوی دار العلوم زکریا ص۵۶۵ ج۲)

ضروری نوٹ:...... ہمارے یہاں عامۃً لوگ جمعہ کے بعد آٹھ رکعتیں پڑھتے ہیں، چار دو پھر دو۔ اس طرح جمعہ کی کل رکعتیں چودہ ہوتی ہیں۔ راقم کو باوجود تتبع کے چودہ کی روایت نہ مل سکی، ممکن ہے کسی کی نظر سے گذری ہو، ناظرین کی نظر سے گذرے تو مجھے بھی ضرور مطلع فرمائیں، احسان ہوگا۔ واللہ تعالی أعلم وعلمہ أحکم وأتم

مرغوب احمد لاجپوری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت کی روایت اور اس کی وضاحت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت کی روایت اور اس کی وضاحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پڑھنے کی کراہت آئی ہے، اس لئے پہلے چار پھر دو نہیں پڑھنی چاہئے؟۔

الجواب:......حامدا و مصلیا و مسلما: امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کراہیت کی ایک روایت نقل کی ہے:

(۱)......انّ عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یکرہ أن یصلی بعد صلوۃ الجمعہ مثلھا۔

(طحاوی ص۴۳۹ ج۱، باب التطوع بعد الجمعۃ کیف ھو؟ کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:۱۹۳۶)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے بعد اسی جیسی نماز کو مکروہ فرماتے تھے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے عمل کو مکروہ فرما سکتے ہیں؟ جیسا کہ میں نے نقل کیا کہ: آپ ﷺ جمعہ کے بعد دو پھر رکعتیں پڑھتے تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فتوی پر حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور خود ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے عمل نہیں کیا۔ اسی طرح اسلاف میں سے: حضرت مسروق، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت سفیان ثوری اور حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ وغیرہ حضرات بھی عمل نہیں کرتے تھے، اور وہ حضرات بھی جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں پڑھنے کے قائل تھے۔ (پہلے فتوی میں سب کے مکمل حوالجات نقل کر چکا ہوں)۔

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی یہ تاویل اختیار کرنی پڑے گی کہ: شاید انہیں

آپ ﷺ کے عمل کی روایت نہیں پہنچی ہوگی، یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا جمعہ کی بعد پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھنے کا عمل معلوم ہوتا تو آپ قطعاً اس کی کراہت کا فتویٰ نہ دیتے۔

اور شاید اسی لئے دوسرے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ نے ان کے فتویٰ کو اختیار نہیں فرمایا، اور وہ حضرات جمعہ کے بعد پہلے دو پھر چار رکعتیں پڑھنے کے قائل تھے۔

دوسری تاویل یہ بھی ممکن ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: ’’لا یصلّی صلاۃ مثلھا‘‘ یعنی کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے، مطلب یہ کہ آدمی جمعہ کے بعد پھر جمعہ نہ پڑھے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا ص ۵۶۵ ج ۲)

اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے سے جمعہ کی مشابہت کسی صورت میں لازم نہیں آتی، اس لئے جمعہ کی دو رکعت جہراً ہے، سراً نہیں، اور سنت سراً ہے، جہراً نہیں۔ اسی طرح جمعہ کی اپنی ایک خاص شان ہے، بڑے مجمع میں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، جب کہ سنت انفرادی عمل ہے، پھر جمعہ کے لئے خطبہ ہے، اس لئے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کو اس لئے مکروہ کہنا کہ اس میں جمعہ کی مشابہت اور مثلیت پائی جاتی ہے، قابل غور ہے۔

اور ’’لا یصلّی صلاۃ مثلھا‘‘ کا یہ مطلب لینا کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے، اس لئے بھی بہتر ہے کہ مسافر حالت قصر میں جب قصر کرے گا، اور مثلاً ظہر کی نماز دو رکعت فرض پڑھے گا تو اسے سنت بھی دو ہی پڑھنی ہے، اگر اسے مکروہ کہا جائے تو ظاہر ہے یہ مطلب درست نہ ہوگا۔

اگر چہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ مطلب نہیں لیا، اور انہوں نے جمعہ کے بعد جمعہ کی

دو رکعت کی طرح سنت کی دو رکعت پڑھنے پر محمول کیا۔

اس معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی جس میں ہے کہ: ایک رات میں دو مرتبہ وتر نہیں ہے، یعنی ایک مرتبہ وتر کی نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری مرتبہ نماز وتر نہیں پڑھی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱)......لا وتران فی لیلةٍ۔

(ابوداؤد، باب فی نقض الوتر، کتاب الصلوة، رقم الحدیث:۱۴۳۹۔ ترمذی، باب ما جاء لا وتران فی لیلة، ابواب الوتر، رقم الحدیث:۴۷۰۔ نسائی، باب نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن الوترین فی لیلة، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، رقم الحدیث:۱٦۸۰)

بہر حال جمعہ کی نماز بعد بہتر ہے کہ پہلے دو رکعتیں پڑھی جائیں پھر چار، جیسا کہ خود آپ ﷺ اور اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی منقول ہے کہ وہ حضرات پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر چار۔ والله تعالى أعلم وعلمه أحكم وأتم

مرغوب احمد لاجپوری

آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے

آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال:......کیا جمعہ سے پہلے سنتیں ہیں؟ اور آپ ﷺ سے جمعہ سے پہلے سنت پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟۔

الجواب:......حامدا ومصليا ومسلما: احناف کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہے: ’’(وسنّ) مؤكدا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة)، الخ‘‘۔

(الدر المختار ص۴۵۱ ج۲، باب الوتر والنوافل، كتاب الصلوة، ط: مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

اور احناف کا یہ مسلک کوئی قیاسی نہیں، آپ ﷺ سے جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا کئی احادیث میں منقول ہے۔

(۱)......عن علی رضی الله عنه قال: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلم يصلّى قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعا، يجعل التّسليم فى آخرهنّ۔

(المعجم الاوسط ص۴۴۰ ج۱، رقم الحديث: ۱۶۱۷۔ اعلاء السنن ص۱۳ ج۷، باب النوافل والسنن، رقم الحديث: ۱۷۶۲۔ نصب الرایہ ص۲۰۶ ج۲، باب صلوة الجمعة)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اور سلام آخری (چوتھی) رکعت میں پھیرتے تھے۔

(۲)......عن عبد الله رضى الله عنه: عن النّبى صلى الله عليه وسلم انه كان يصلّى قبل الجمعة اربعا و بعدها اربعا۔

(المعجم الاوسط ص۵۶۸ ج۴، رقم الحديث: ۳۹۷۱۔ جدید ص۱۹۱ ج۳، رقم الحديث: ۳۹۵۹)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بیشک آپ ﷺ جمعہ

سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۳)......عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : كان النّبی صلی الله علیه وسلم یرکع قبل الجمعة اربعا لا یفصل فی شیء منهنّ۔

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے، اوران رکعتوں میں فصل نہیں کرتے تھے۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلوة قبل الجمعة ، ابواب اقامة الصلوات والسنة فیها ' رقم الحدیث :۱۱۲۹۔المعجم الکبیر ص۱۰۱ج۱۲، رقم الحدیث:۱۲۶۷۴۔مجمع الزوائد ص۳۵۴ج۲، باب فی سنة الجمعة ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۳۱۹۰)

(۴)......عن أبی هريرة رضی الله عنه مرفوعا : من كان مصلّيا فليصلّ قبلها اربعا وبعدها اربعا۔ (کنز العمال ، سنة الجمعة ، رقم الحدیث:۲۱۲۲۵)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے دن جونماز پڑھے وہ چار رکعتیں جمعہ سے پہلے اور چار رکعتیں جمعہ کے بعد پڑھے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا ثابت ہے:

(۵)......عن قتادة رحمه الله ان ابن مسعود رضی الله عنه : كان يصلّی قبل الجمعة اربع ركعات و بعدها اربع ركعات ، الخ۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۴۷ج۳، باب الصلاة قبل الجمعة و بعدها ، رقم الحدیث:۵۵۲۴۔ ترمذی، باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها ، ابواب الجمعة ، رقم الحدیث:۵۲۳)

ترجمہ:......حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

جمعہ سے پہلے بھی اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۶)......عن ابراهيم رحمه الله قال : ان عبد الله بن مسعود رضی الله عنه : كان يصلّی قبل الجمعة اربعا و بعدها اربعا ' لا يفصل بينهن بتسليم۔

(طحاوی شریف ص۴۳۶ ج۱، باب التطوع بالليل والنهار كيف هو ؟ رقم الحديث:۱۹۲۵)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے بھی اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور ان رکعتوں کے درمیان سلام سے فصل نہیں فرماتے تھے۔

(۷)......عن أبی عبيدة رحمه الله : ان عبد الله رضی الله عنه : كان يصلی قبل الجمعة اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱۴ ج۴، الصلوة قبل الجمعة ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۵۴۰۲)

ترجمہ:......حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۸)......عن صفية بنت حُيَی رضی الله عنها : انّها صلّتُ اربع ركعات قبل خروج الامام للجمعة ' ثمّ صلّت مع الامام ركعتين۔

(رواه ابن سعد فی الطبقات فی أواخر الكتاب ، كذا فی نصب الراية ص۲۰۷ ج۲، باب صلوة الجمعة ۔ المقالات الاعظمية ، العربی ص۳۱)

ترجمہ:......حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: وہ امام کے جمعہ کے لئے نکلنے سے پہلے چار رکعات پڑھتی تھیں، پھر امام کے ساتھ دو رکعت (جمعہ کی) پڑھتی تھیں۔

(۹)......عن ابراهيم قال : كانوا يصلون قبلها اربعا۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۱۵ج۴، الصلوۃ قبل الجمعۃ، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:۵۴۰۵)

واللہ تعالی أعلم وعلمہ أحکم وأتم

مرغوب احمد لاجپوری

دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟

دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟ اس سلسلہ میں پانچ آراء: دعاء خطبہ کے بعد کی جائے، نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں کی گنجائش ہے، دعاء نماز کے بعد کی جائے، دونوں موقعوں کے بعد دعا کو مسنون نہ سمجھا جائے، نماز و خطبہ دونوں کے بعد دعا نہ کی جائے وغیرہ امور پر مشتمل مختصر اور مفید رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

بسم الله الرحمن الرحیم

دعا نماز عید کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟

سوال:......نماز عید کے بعد دعا کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور دعا نماز کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟ علماء دیوبند کے فتاوی میں کیا موقف اختیار کیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کا معمول کیا تھا؟

جواب:......حامدا ومصلّیا ومسلما :عیدین کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دعاء کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کی پانچ رائیں ہیں:

ایک رائے: دعاء خطبہ کے بعد کی جائے

(ایک یہ کہ)......بعض اکابر کے نزدیک دعاء خطبہ کے بعد کی جائے، نماز کے بعد نہیں۔ اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ: نماز اور خطبہ میں فصل نہیں ہونا چاہئے، اگر نماز کے بعد دعا کی جائے گی تو نماز اور خطبہ کے درمیان فصل لازم آئے گا۔

(۱)......حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مانگنا اچھا ہے۔

(کفایت المفتی ص۳۱۱ ج ۵۔ ط: ادارۃ الفاروق، کراچی)

(۲)......حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نماز کے فورا بعد خطبے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، یہی عمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجتہدین اور علماء امت کا رہا ہے جس کی تائید کتاب العیدین سے متعلقہ حدیث وفقہ کی تمام کتابوں موجود ہے، نماز عید اور خطبہ کے درمیان فصل وتاخیر کبھی بھی برداشت نہیں کی گئی۔.....

جیسا کہ علماء کرام نے نماز عید کے بعد خطبہ میں وعظ ونصیحت کو نامناسب سمجھتے ہوئے نماز سے قبل کی فرصت میں مناسب جانا، بالکل اسی طرح دعا کو بھی خطبہ عیدین کے بعد مناسب اور مستحسن سمجھا، کیونکہ عید کے مسنون اعمال نماز اور خطبہ ہیں، الخ۔

(۳)......حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق پر اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

مکرم ومحترم مولانا زرولی خان صاحب کی تحریر پڑھی، بعد خطبہ دعا مانگنا حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق انیق کے مطابق زیادہ بہتر ہے۔

حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے تقریبا:۱۵/سال پہلے ایک بار راقم کی موجودگی میں نماز عید پڑھائی اور خطبہ کے بعد فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ سے خصوصی طور پر دعا تو ثابت نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کا اجتماع ہے، اور ایسے موقعوں پر دعاء اقرب الی الاجابت ہے، اس لئے دعاء کرلیں''

اور مختصر سی جامع دعا فرمائی، اور حاضرین کو عید کی مبارک باد دی۔

(فتاوی بینات ص ۳۰۸/۳۰۹ ج ۲)

دوسری رائے: نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں کی گنجائش ہے

(دوسری یہ کہ)......بعض اکابر کے نزدیک دونوں طرح کے عمل کی گنجائش ہے، چاہے نماز کے بعد دعا کی جائے یا خطبہ کے بعد۔

(۱)......حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد، دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۳۱۰ ج ۵۔ ط: ادارۃ الفاروق، کراچی)

(۲)......حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول نہیں دیکھا گیا، اور ''دعوتھم'' سے استدلال ناتمام ہے، کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعاء کس وقت ہوتی ہے، پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے، اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں، لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے، کیونکہ عمومات نصوص سے فضیلت دعا بعد الصلوۃ کی ثابت ہے، پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے، اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔

(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۵۶۶ ج ۲)

(۳)......حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

دعا بعض حضرات نماز کے بعد کرتے ہیں، اور بعض خطبہ کے بعد، دونوں کی گنجائش ہے، آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء امت رحمہم اللہ سے اس سلسلے میں کچھ منقول نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ص ۱۵۸ ج ۴)

(۴)......حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

نماز عید کے بعد ہیئت اجتماعیہ سے دعا مانگنا نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع ہے۔

نماز عید یا خطبہ عید کے بعد دعا کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قول رسول یا فعل رسول مروی نہیں ہے، اور حدیث میں جو مروی ہے: ''ویشھدن دعوۃ المسلمین'' تو یہ لفظ دعا' وعظ اور عبادت تینوں کو کہا جاتا ہے، نیز صلوۃ استسقاء کو بھی کہا جاتا ہے صرف دعا کو نہیں کہا جاتا ہے تو ایسے احتمالات سے تمسک کرنا بہت ہی نازیبا ہے، مگر بہرحال احتمال کی وجہ سے مرتکب پر اشد انکار کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

حضور ﷺ سے نماز عید کے بعد یا خطبہ کے بعد دعا کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کوئی روایت ہمیں معلوم نہیں، البتہ بظاہر نہ کرنا راجح معلوم ہوتا ہے، والا لنقل الینا۔ نیز پیغمبر علیہ السلام سے اس کے منع کے متعلق بھی کوئی روایت مروی نہیں ہے، پس قواعد کی رو سے یہ دعا عفو اور مباح ہے۔ (فتاوی فریدیہ ص ۲۰۰/۲۰۱/۲۰۲ ج ۳، باب صلوۃ العیدین)

(۵)......حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

البتہ کسی جگہ نماز کے بعد دعا مانگنے کے بجائے خطبہ کے بعد دعا مانگی جائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاوی دینیہ ص ۱۸۵ ج ۲)

تیسری رائے: دعاء نماز کے بعد کی جائے

(تیسری یہ کہ)......اکثر اکابر کے نزدیک دعاء نماز کے بعد کی جائے، خطبہ کے بعد نہیں، اس لئے کہ نماز کے بعد دعاء کا ثبوت ہے، خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت کہیں منقول نہیں۔

علماء دیوبند کے اکثر فتاوی میں یہی موقف اختیار کیا گیا ہے کہ دعا نماز عید کے بعد کی جائے، چند فتاوی میں خطبہ کے بعد دعا کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ہمارے اکابر کا معمول بھی یہی منقول ہے کہ وہ عید کی نماز کے بعد دعا کرتے تھے، اور خطبہ کے بعد نہیں کرتے تھے۔

(۱)......حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(خطبہ کے بعد دعا کرنا) کہیں ثابت نہیں، اگر چہ دعاء ہر وقت جائز ہے، مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے، اور دبر الصلوۃ اوقات اجابت دعاء بھی ہے۔ بہر حال بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغییر سنت ہے، اور قابل احتراز۔ (امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص۵۶۴ ج۲)

(۲)......حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

طریقۂ متعارفہ کے طور پر نماز عیدین کے بعد دعا مانگنا رسول اللہ ﷺ سے صراحۃً واضحۃً ثابت نہیں ہوا.....لیکن کسی خاص قضیہ کا حکم ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس کا نام بھی بالتعیین وارد ہوا ہو، بلکہ عمومات حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہوسکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہوسکے گا، مثلا: مدارس کا قائم کرنا تعلیم دین کے لئے مستحب ہے، حدیث میں اس کا نام کہاں وارد ہوا ہے؟ ریل میں سفر کرنا جائز ہے، حدیث میں اس نام

سے کہاں وارد ہوا ہے؟ علی ہذا، پس بعد عیدین کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا گو صراحۃً احادیث میں نظر سے نہیں گذرا، مگر بعض احادیث سے ہر نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا ثابت ہے، ....پس عیدین کی نماز کے بعد مناجات و دعا کرنا عمومات حدیث سے مستحب ہے۔

(امداد الاحکام ص۲۴۷ ج۱، فصل فی الجمعۃ والعیدین)

(۳)......حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

احادیث قولیہ میں نبی کریم ﷺ سے باسانید صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نماز عید بھی داخل ہے دعا مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے، اگر چہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں، مگر نفی بھی منقول نہیں، اس لئے حدیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا۔ (امداد المفتین ص۳۴۷ ج۲، قدیم)

(۴)......حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے، اس لئے نماز عید کے بعد بھی دعا مانگنا مسنون ہے۔ (مرغوب الفتاوی ص۱۴۰ ج۳)

(۵)......حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(الف)......نماز عیدین کے بعد خصوصیت سے دعا کا ذکر نہیں، ممانعت بھی نہیں، نماز فرض ہو یا نفل، عمومی طور پر روایات میں دعاء مذکور ہے...اس عموم میں نماز عیدین بھی داخل ہے۔

(ب)......عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا۔

(ج)......عیدین کی نماز کے بعد متصلا اگر دعا مانگی جائے تو یہ حدیث کے عموم میں داخل ہے، جس میں ہر نماز کے بعد دعاء کا تذکرہ ہے۔ بعض لوگ بجائے بعد نماز دعا مانگنے کے خطبہ کے بعد دعاء مانگتے ہیں، سو یہ کسی روایت یا حدیث یا عبارت فقہ سے ثابت نہیں۔

(د)......لہذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعاء کرنے کو معین کر لینا تخصیص بلا دلیل شرعی ہے۔

(ھ)......نماز عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے۔

(فتاوی محمودیہ ص ۴۵۹/۴۶۱/۴۶۳/۴۶۴/۴۶۶ ج ۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

(۶)......حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(الف)......آپ کے یہاں عیدگاہ میں خطبہ کے بعد دعا ہوتی ہے، یہ بے اصل اور خلاف سنت ہے، اجتماعی دعا کا وقت نماز عید کے بعد ہے نہ کہ خطبہ کے بعد۔ امام کو چاہئے کہ نماز کے بعد مختصر دعا کرے، ثانی خطبہ میں دعا ہوتی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۵۷ ج ۳۔ قدیم)

(ب)......عید کے دن عید کی نماز یا خطبہ کے بعد موقع کی تعیین و تخصیص کے ساتھ کسی حدیث میں دعا کا ذکر نہیں ملتا، البتہ عید کے خطبہ میں دعاء کا ثبوت ملتا ہے، اور اس پر ہر جگہ ماشاء اللہ عمل ہو رہا ہے، جب خطبہ میں دعاء ماثورہ بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہے تو خطبہ کے بعد اجتماعی دعاء کا اہتمام والتزام کا کیا موقعہ ہے؟ لہذا خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا کرنا بے اصل اور خلاف سنت ہے، عید کی نماز کے بعد مختصراً دعا کرنے کی گنجائش ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے، اور نصوص عام ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۰۵ ج ۸)

(۷)......''فتاوی حقانیہ'' میں ہے:

نماز عیدین کے بعد دعا مانگنے پر اکابر امت کا تعامل بھی چلا آرہا ہے، اس لئے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلکہ دعا مانگنا مستحب ہے۔ (فتاوی حقانیہ ص ۳۹۶ ج ۳)

(۸)......حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

نماز عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست اور صحیح ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنے کا

ثبوت نہیں ملتا۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ص ۶۸۶ ج ۲، ط: دیوبند)

(۹)......حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

عید کے دن عید کی نماز کے بعد حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دعا کے متعلق کیا معمول تھا؟ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا ہے، اور فرض نماز کے بعد آپ ﷺ دعا مانگتے تھے، اور جماعت کے ساتھ ادا کی ہوئی نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لہذا عید کی نماز بھی از قبیل نماز ہونے کی وجہ سے اس کے بعد دعا مانگنا بہتر ہے، البتہ کسی جگہ نماز کے بعد دعا مانگنے کے بجائے خطبہ کے بعد دعا مانگی جائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(فتاوی دینیہ ص ۱۸۵ ج ۲)

(۱۰)......حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

خصوصیت سے بعد عید یا بعد خطبہ دعا کی تصریح حضور اکرم ﷺ سے منقول نہیں، البتہ بعد صلوۃ مطلقا دعا کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقات اجابت میں "حصن حصین" وغیرہ میں شمار کیا ہے، اور متبادر بعد صلوۃ سے بعدیت متصلہ ہے، لہذا بعد صلوۃ دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا بظاہر تغییر سنت ہے۔

"بخاری شریف" میں "باب موعظة الامام النساء يوم العيد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ: "فبدأ بالصلوة ثم خطب فلما فرغ نزل فاتى النساء فذَكَّرَهُنَّ ، الخ"۔ (بخاری ص ۱۳۳ ج ۱)

سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبے سے فارغ ہو کر منبر سے اتر کر سیدھے آپ ﷺ عورتوں کے مجمع میں وعظ و نصیحت کے لئے تشریف لے گئے۔

(محمود الفتاوی ص ۲۲۴ ج ۳، ط: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)

(۱۰)......حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، حدیث میں ہے کہ: دور نبوت میں حائضہ ونفساء دعاؤں میں شرکت کے لئے عید گاہ جایا کرتی تھیں۔ اور بہتر ہے کہ یہ دعا نماز کے فورا بعد خطبہ سے قبل ہو، کیونکہ خطبہ کے بعد کی دعا کی کہیں صراحت نہیں ہے۔ (کتاب المسائل ص ۴۷۷ ج۱)

(۱۱)......حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

عیدین میں اجتماعی دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے.....لیکن اس کی صراحت نہیں کہ نماز کے بعد ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد.....اکابر ومشائخ نماز عید کے بعد دعاء کو مستحب کہتے ہیں اور خطبہ کے بعد کے استحباب کا انکار کرتے ہیں.....عیدین کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا ثابت اور مشروع ہے، مگر خطبہ کے بعد ثابت نہیں....حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے اس سلسلہ میں دو فتاوی ہیں، ایک میں یہی بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقعہ پر دعا مانگی جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور دوسرے میں خطبہ کے بعد کو اچھا کہا ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب کے علاوہ باقی تمام اکابر اہل فتاوی نے بجائے خطبہ کے بعد کے نماز کے بعد دعا مانگنے کو بہتر کہا ہے، جیسا کہ حضرت تھانوی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مفتی محمود صاحب، اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہم اللہ وغیرہم۔ ان کے فتاوی کے حوالے ذیل میں درج ہیں۔

مستفاد:......امداد الفتاوی ص ۶۰۷ ج۱۔ عزیز الفتاوی ص ۳۰۲۔ امداد المفتین ص ۴۰۸۔ فتاوی محمودیہ قدیم ص ۲۹۵ ج ۲/ص ۳۰۷ ج ۲۔ جدید ڈابھیل: ۴۶۵ ج ۸۔ احسن الفتاوی ص ۱۲۵ ج ۴۔ فتاوی دار العلوم ص ۲۲۵ ج ۵۔

نماز عید کے بعد دعاء جائز اور مشروع ہے، مگر خطبے کے بعد دعا کا ثبوت نہیں ہے، نیز حضرت مولانا رشید احمد گنگوی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمد حسن دیوبندی (شیخ الہند) رحمہم اللہ تمام اکابر کا یہی معمول رہا ہے۔

مستفاد:......فتاوی دار العلوم ص ۱۹ ج ۵۔فتاوی محمودیہ قدیم ص ۲۱۸ ج ۷، جدید ڈابھیل ص ۴۶۲ ج ۸۔(فتاوی قاسمیہ ص ۵۱۸/۵۱۹/۵۲۱/۵۲۶/۵۲۹ ج ۹)

عید کی نماز کے بعد دعاء کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔

(۱)......عن ام عطية رضى الله عنها قالت : كُنّا نُؤمَر أن نَخرُج يوم العيد ' حتى نُخرِج البِكرَ من خِدرِها ' حتى نُخرِج الحُيَّضَ ، فيَكُنَّ خلف الناس ' فيُكبِّرن بتكبيرهم ' و يدعون بدعائهم ' يرجون بركة ذلك اليوم و طُهُرَتَه ۔

(بخاری، باب التكبير ايام منى ، كتاب العيدين ، رقم الحديث:۹۷۱)

ترجمہ:......حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے دن نکلیں یہاں تک کہ ہم کنواری لڑکی کو بھی اس کے پردہ میں نکالتے، یہاں تک کہ ہم حائضہ عورتوں کو بھی نکالتے، پس وہ لوگوں کے پیچھے رہتیں، اور وہ لوگوں کی تکبیروں کے ساتھ تکبیر پڑھتیں، اوران کی دعاؤں کے ساتھ دعا کرتیں، اور اس دن کی برکت اور طہارت کی توقع رکھتیں۔

اس حدیث کی وجہ سے بہتر ہے کہ اگر دعا کرنا ہو تو نماز کے بعد دعا کی جائے، خطبہ کے بعد دعا کا ثبوت مشکل ہے۔

نوٹ:......بعض اکابر نے اس حدیث میں عدم صراحت کی وجہ سے نماز عید کے بعد دعا کا ثبوت نہیں مانا ہے۔

چوتھی رائے: دونوں موقعوں کے بعد دعا کو مسنون نہ سمجھا جائے

(چوتھی یہ کہ)......بعض اکابر کے نزدیک عید کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دعا کرنا مباح اور جائز ہے، مگر اس کو مسنون نہ سمجھا جائے۔

(۱)......حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

دونوں موقعوں میں سے کسی کو دعا کے لئے اس خیال سے متعین کرنا کہ اس موقع پر دعا مسنون ہے، درست نہیں۔ (کفایت المفتی ص ۳۱۱/۳۱۳/۳۱۴ ج ۵۔ ط: ادارۃ الفاروق، کراچی)

پانچویں رائے: نماز و خطبہ دونوں کے بعد دعا نہیں کرنی چاہئے

(پانچویں یہ کہ)......بعض اکابر کے نزدیک نماز اور خطبہ دونوں موقعوں کے بعد دعا نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ احادیث سے اس کا صراحۃً کوئی ثبوت نہیں، آپ ﷺ نے تقریباً اٹھارہ مرتبہ نماز عید ادا کی، مگر آپ ﷺ سے ان دونوں موقعوں پر دعا کا ثبوت نہیں، اگر دعا ہوتی تو ضرور منقول ہوتی، مگر آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ سے نماز عیدین یا خطبہ کے بعد دعا کرنا منقول نہیں۔

(۱)......حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

روایات حدیث سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے، اور اس کے بعد معاودت فرماتے تھے (یعنی واپس لوٹتے تھے) اور بعد نماز یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں، اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے اس کا ثبوت نظر سے نہیں گذرا۔

(معلم الفقہ ترجمہ اردو مجموعۃ الفتاوی ص ۲۶۶ ج ۱، ط: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

(۲)......حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بعد نماز عیدین یا بعد خطبے کے دعا مانگنا نبی ﷺ اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔

(علم الفقہ ص ۳۲۶ حصہ دوم، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی)

(۳)......حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دعوۃ المؤمنین'' پر فرمایا کہ: اس سے مراد خطبہ کے اندر کے دعائیہ کلمات ہیں، نماز کے بعد کی دعاء معروف مراد نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے نماز عیدین کے بعد ایک مرتبہ بھی دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے الفاظ کے معنی غیر لغویہ شائع ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے اصلی معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا، جیسے ''دعا'' کہ اس سے مراد بہ صورت معہودہ دعا سمجھی جاتی ہے، حالانکہ لغت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ اس کے لغوی معنی پکارنے کے ہیں ''ادعوا ربکم'' اور ''دعاء الکافرین'' وغیرہ، اور دعاء معہود کے لئے لغت میں سوال کا لفظ موضوع ہے۔

(انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری ص ۳۴۸ ج ۱۰، باب شهود الحائض العيدين و دعوة المسلمين مطبوعہ: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

'' (يشهدن دعوة المسلمين) لا يستدل بهذا على الدعاء المعروف فى زماننا بعد صلوة العيد، فان المراد بالدعوة الاذكار التى فى الخطبة والمواعظ والنصح' فان الدعوة عامة ''۔

(ترمذی مع العرف الشذی ص ۲۶۸ ج ۱، باب فى خروج النساء فى العيدين، ابواب العيدين، ط: الطاف اینڈ سنز)

’’و یدعون بدعائهم ‘ أی بدعائهم لمؤمنین فی خلال الخطبة ‘ لانه لم یثبت عنه صلی الله علی وسلم بعد صلوة العیدین دعاء ‘‘۔

(فیض الباری ص۳۶۲ ج۲، باب التکبیر أیام منی ‘ کتاب العیدین ، ط: حجازی القاهرة)

قول حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہ: ہمیں حکم تھا کہ حیض والی عورتیں بھی عید گاہ کی طرف نکلیں تاکہ مردوں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں- الی قولہ- اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عید کے بعد بھی دعا ہوتی تھی، جس طرح پانچ وقت نماز کے بعد ہوتی ہے، اور اس بارے میں اطلاقات سے تمسک واستدلال صحیح نہیں، کیونکہ ان سے استدلال کی گنجائش اس وقت ہوتی ہے کہ وہاں خاص موقع ومقام میں کوئی دوسری بات موجود نہ ہو اور یہاں دوسری صورت موجود ہے کہ عید کی نماز نو سال تک ہوتی رہی (کل اٹھارہ نمازیں ہوئیں) کسی نے بھی نماز کے بعد دعا نقل نہیں کی، لہذا عام اطلاقات سے کہ عام نمازوں کے بعد دعا ثابت ہے، یہاں خاص عید کی نماز کے بعد دعا ثابت نہیں کر سکتے، -الی قولہ- دوسرے یہ کہ یہاں (عید کی نماز میں) نماز وخطبہ کا اتصال مطلوب ہے، اس لئے ان کے درمیان دعا نہ ہونی چاہئے (کہ اس سے نماز وخطبہ میں انقطاع اور فصل لازم آتا ہے) اور حدیث میں جو ذکر دعا ودعوت اور اس میں عورتوں کی شرکت کا ہوا ہے، اس سے مراد وہ اذکار ہیں جو خطبہ اور وعظ ونصیحت کے ضمن میں ہوتے ہیں، کیونکہ دعاء ودعوت عام ہے۔

(فیض الباری ص۳۶۲ ج۲۔ العرف الشذی ص۴۲۱۔ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری ص۹۰/۹۱ ج۸۔ فتاوی رحیمیہ ص۸۲ ج۵)

(۵)......حضرت مولانا عثمان غنی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

دعا کرنا خطبہ کے قبل یا بعد ضروری نہیں ہے، اور نہ یہ مسنون طریقہ ہے، اس لئے اس کو لازم کرنا مناسب نہیں۔ (فتاوی امارات شرعیہ ص ۲۶۰ ج ۲)

فتوی کا خلاصہ

اس فتوی کا خلاصہ یہ ہے کہ: دعا عیدین کی نماز کے بعد کی جائے، یا خطبہ کے بعد کی جائے، یا سرے سے دعا کی ہی نہ جائے، یا صرف خطبہ کی دعا پر اکتفا کیا جائے سب کی گنجائش ہے، اگر کوئی بلا مسنون سمجھے دعا کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ لہذا کوئی امام صاحب کسی بھی صورت پر عمل کرلے تو اس کا جواز ہے، اس پر نکیر اور شدت قطعا مناسب نہیں۔

ہمارے خیال میں امام صاحب کو چاہئے کہ اولا تو بہتر یہ ہے کہ نہ نماز کے بعد دعا کرے نہ خطبہ کے بعد، اس لئے کہ خطبہ میں دعا تو ہوتی ہی ہے، اس میں قدرے طویل دعا بھی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، اور خطبہ میں دعا مطلوب ومنقول ہے، اس لئے ہونا یہی چاہئے کہ خطبہ میں دعا کی جاے، اور اسی پر اکتفا کیا جائے۔ اور آپ ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا غالبا یہی طریقہ رہا ہے۔

اور اگر دعا کرنی ہی ہو تو بہتر ہے کہ نماز کے بعد مختصر دعا کرلی جائے، طویل دعا قطعا نہیں ہونی چاہئے (بعض ائمہ نماز کے بعد بہت طویل دعا کرتے ہیں، اس کی اصلاح کی جانی چاہئے، یہ طریقہ درست نہیں) اس لئے کہ اس صورت میں نماز اور خطبہ میں فصل لازم آئے گا، جو مناسب نہیں۔

"فتاوی بینات" میں ہے:

"نبی کریم ﷺ نماز کے فورا بعد خطبے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، یہی عمل صحابہ

کرام رضوان اللہ اجمعین اور مجتہدین امت کا رہا ہے، جس کی تائید کتاب العیدین سے متعلقہ حدیث وفقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے، نماز عید اور خطبہ کے درمیان فصل و تاخیر کبھی بھی برداشت نہیں کی گئی۔

ہماری کوتاہ نظر میں صراحۃً تو درکنار اشارۃً اور کنایۃً بھی نماز عید اور خطبہ کے درمیان کسی قسم کا فصل اور تاخیر ثابت نہیں۔ (فتاوی بینات ص ۳۰۸/۳۰۹ ج ۲)

اگر کبھی کبھار امام صاحب سے خطبہ کے بعد بھی دعا ہو جائے تو یہ عمل بھی کوئی ناجائز نہیں، گرچہ یہ عمل پسندیدہ نہیں ہے۔

الغرض کہیں امام صاحب نے ان صورتوں میں سے کسی صورت پر عمل کیا تو اس پر اعتراض کرنا، یا امام صاحب سے بحث ومباحثہ کرنا، یا ان کی توہین کرنا، یا ان پر تنقید کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ ایک جائز عمل پر امام صاحب پر لعن وطعن کا کیا جواز۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۴۵، مطابق: ۶/ جون ۲۰۲۴

بروز جمعرات

مسافر کے اتمام کا حکم

مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟ مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھا دی تو کیا حکم ہے؟ قصر کے وجوب پر احادیث وآثار کے دلائل، آپ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سفر میں قصر کرتے تھے، سفر میں اتمام کرنے پر وعید وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟

مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱)......مسافر کے لئے قصر واجب ہے یا سنت؟ اگر کسی مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟ اس کی نماز ہوئی یا اس کا اعادہ ضروری ہے؟۔

سوال: (۲)......کسی مسافر نے قصر کے بجائے پوری نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما :......احناف کے نزدیک سفر میں قصر یعنی چار رکعتوں والی فرض نماز میں قصر یعنی دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے، اور عمداً چار رکعتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کسی مسافر نے عمداً چار رکعتیں پڑھیں تو گنہگار ہوگا، اور اس نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگر چہ اس نے قعدۂ اولی کیا ہو، اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کیا ہو، اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہے۔

مسئلہ:......اگر بھول سے چار رکعتیں پڑھ لیں، اور قعدۂ اولی پر بیٹھا تھا تو نماز ہوگئی، جبکہ آخر میں سجدۂ سہو کرلیا ہو۔ اور سہو کی صورت میں کوئی گناہ بھی نہیں۔

مسئلہ:......بھول سے مسافر نے چار رکعتیں پڑھ لیں (اور قعدۂ اولی کیا ہو اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو) تو پہلی دو رکعتیں فرض اور آخر کی دو رکعتیں نفل ہوگئیں۔

مسئلہ:......عمدا مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں تو گناہ ہے، اس لئے کہ یہاں چار واجب ترک ہوں گے: (ایک:) قصر کا ترک، (دوسرا:) قعدۂ اخیرہ کے بعد فوراً سلام پھیرنا، (مسافر کو دو رکعت کے بعد فورا سلام پھیرنا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ اس کا قعدۂ اخیرہ ہے، اور اس نے چار رکعتیں پڑھیں تو قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام میں تاخیر کی، (تیسرا:) نفل کی واجب تکبیر تحریمہ کا ترک، (چوتھا:) نفل کو فرض سے ملا دینا۔

مسئلہ:......اگر مسافر نے چار رکعت والی نماز میں قصر نہیں کیا اور پوری چار رکعتیں پڑھیں، اور قعدۂ اولی بھی نہ کیا ہو تو یہ فرض نماز باطل ہوگئی، اور یہ چاروں رکعتیں نفل ہوگئیں، اور فرض کا اعادہ کرے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ص ص ۱۵ ج ۳۔احسن الفتاوی ص ۷۷ ج ۴۔عمدۃ الفقہ ص ۵۳۰ ج ۱)

(۲)......کسی مسافر نے قصر کے بجائے چار رکعتیں پڑھادیں تو امام اور اس کے پیچھے مسافر مقتدی کی نماز ہوگئی، لیکن تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے۔اور مقیم مقتدیوں کی نماز درست نہیں، اس لئے کہ آخری دو رکعتوں میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض کی اقتداء لازم آئے گی، اور یہ وجہ فساد ہے۔

مسئلہ:......اگر کسی مسافر امام نے دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھائیں اور آخر میں سجدۂ سہو نہ کیا تو اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔البتہ نماز کا وقت ختم ہوگیا تو اب اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص ۱۱۵ ج ۷۔ط: فاروقیہ، کراچی۔فتاوی قاسمیہ ص ۴۴۷ ج ۸)

(۱)......فلو أتم المقيمون صلوتهم معه ' فسدت ' لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل۔

(شامی ص ۶۲۱ ج ۲، باب المسافر ، كتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

(۲)......لو اقتدى مقيمون بمسافر ' وأتم بهم بلا نية اقامة وتابعوه فسدت صلوتهم لكونه متنفلا فى الاخريين۔

(شامی ص ۳۲۷ ج ۲، باب الاقامة ، قبيل : مطلب فى الالثغ ، كتاب الصلوة)

(۳)......فان صلى أربعا وقعد فى الثانية قدر التشهد اجزأته ' والأخريان نافلة ' ويصير مسيئا لتأخير السلام ' وان لم يقعد فى الثانية قدرها بطلت۔

(عالمگیری ص ۱۵۳ ج ۱، الباب الخامس عشر فى صلوة المسافر ، كتاب الصلوة ، ط: بيروت)

(۴)......والوجوب مقيد بما اذا كان الوقت صالحا حتى أن من عليه السهو فى صلوة الصبح اذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الاول يسقط عنه السجود۔

(عالمگیری ص۱۳۸ ج۱، الباب الثانى عشر فى سجود السهو ، كتاب الصلوة ،ط: بیروت)

(۵)......فلو أتم المسافر بأن صلى أربعا ان قعد فى آخر الركعة الثانية قدر التشهد صحت فريضته ' والزائد نفل ' كالفجر وأساء ' لان فرضه ثنتان ' والقعدة الأولى فرض عليه ' لانها آخر صلوته ' فاذا وجدت يتم فرضه ' ولكنه أساء لتأخير السلام۔

(مجمع الانہر ص۲۳۹/۲۴۰ ج۱، باب صلوة المسافر ، كتاب الصلوة ،ط: مکتبہ فقیہ الامت، دیوبند)

(۶)......فرض المسافر فى كل صلوة رباعية ركعتان لا تجوز له الزيادة عليهما عمدا ' و يجب سجود السهو ان كان سهوا ' فان أتم الرباعية وصلى أربعا ' وقد قعد فى الركعة الثانية مقدار التشهد اجزأته الركعتان عن فرضه وكانت الركعتان الأخريان له نافلة ' ويكون مسيئا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ص۶۲۱ ج۲، صلوة المسافر ، حكم القصر او هل القصر رخصة او عزيمة ، ط: مطبع ہدی انٹرنیشنل، دیوبند)

(۷)......اذا صلى المسافر أربع ركعات ولم يقعد فى الأوليين فسدت صلوته ' لأنه ترك الفرض فان قعد قدر التشهد تمت صلوته ، وقد أساء بتأخير السلام عن محله۔

(الولوالجیہ ص۱۳۳ ج۱، الفصل الثانى عشر فى السفر وسجدة التلاوة ، كتاب الطهارة ،ط: مکتبہ دارالکتب العلمیہ ، بیروت)

حنفیہ کے نزدیک چار رکعت والی نمازوں میں مسافر کا فرض صرف دو رکعتیں ہیں، ان کے نزدیک مسافر کے لئے جائز نہیں کہ پوری چار رکعت پڑھے۔......

حنفیہ کے نزدیک نماز میں قصر ہی اصل ہے، کیونکہ نماز دراصل مسافر و مقیم دونوں کے حق میں دو رکعتیں ہی فرض ہوئی ہیں،.....لہذا مسافر کے حق میں اصل صورت پر دو رکعتیں باقی رہیں، لہذا مسافر کے حق میں چار رکعات والی نماز میں دو رکعات حقیقۃً قصر نہیں، بلکہ یہی مسافر کا مکمل فرض ہے، اور پوری نماز پڑھنا اس کے حق میں رخصت نہیں، بلکہ برائی ہے اور خلاف سنت کرنا ہے۔......

اگر قصر رخصت ہوتا اور اکمال و اتمام ہی عزیمت ہوتا تو آپ ﷺ عزیمت کو کبھی کبھی ہی ترک کرتے، کیونکہ عزیمت افضل ہے، اور رسول اللہ ﷺ وہی عمل اختیار کرتے تھے جو افضل ہو، اور افضل کو آپ ﷺ صرف ایک دو بار امت کے حق میں رخصت بتانے کے لئے ہی ترک فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قصر کیا اور اہل مکہ سے فرمایا ''اتموا صلوتکم فانا قوم سفر ''تم لوگ اپنی نماز پوری کرو، ہم لوگ مسافر ہیں۔ اگر چار رکعات جائز ہوتیں تو آپ ﷺ دو رکعت پر اکتفا نہ فرماتے۔

(مستفاد: موسوعہ فقہیہ (مترجم) ص۳۰۲/۳۰۳/۳۰۴ ج ۲۷۔ مادہ: صلوۃ المسافر)

فتوی کے آخر میں مناسب معلوم ہوا کہ راقم نے قصر میں اتمام کے وجوب پر چند احادیث جمع کی تھیں، ان میں سے چند یہاں نقل کروں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مکمل رسالہ ''سفر میں قصر واجب ہے''۔ (مرغوب الادلہ ص۴۹ ج۳)

نماز ابتداء میں دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، وہی سفر میں برقرار رکھی گئیں

(۱)......عن عائشة رضی الله عنها قالت : الصلوة اوّلُ ما فُرضت رکعتان ، فاُقِرَّت

صلوۃُ السفر و اُتِمَّتْ صلوۃ الحضر۔

(بخاری ص۱۴۸ ج۱، باب یقصر اذا خرج من موضعه ، رقم الحدیث:۱۰۹۰)

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نماز ابتداءً دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں، سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری کردی گئی،

(۲)......عن ابی هريرة رضی الله عنه انّه قال : ايّها الناس ! انّ الله عز و جل فرض الصلوة علی لسان نبيكم صلی الله تعالی عليه وسلم فی الحضر اربعا ' و فی السفر ركعتين۔ (مجمع الزوائد ص۲۹۶ ج۲، باب صلوة السفر، رقم الحدیث:۲۹۳۴)

ترجمہ:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں نماز کی فرض فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں

(۳)......عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : فرض الله الصلوة علی لسان نبيكم صلی الله عليه وسلم فی الحضر اربعا وفی السفر ركعتين وفی الخوف ركعة۔

(مسلم ص۲۴۱ ج۱، باب صلوة المسافرين و قصرها ، رقم الحدیث:۶۸۷)

ترجمہ:...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں، اور سفر میں دو رکعتیں، اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

(۴)......عن عمر رضی الله عنه قال : صلوة السفر ركعتان ' و صلوة الجمعة ركعتان ' والفطر والاضحی ركعتان ' تمامٌ غيرُ قصرٍ ' علی لسان محمّد صلی الله

علیہ وسلم۔

(ابن ماجہ ص۷۶ ج۱، باب تقصیر الصلوۃ فی السفر، رقم الحدیث:۱۰۶۴۔نسائی ص۱۶۲ ج۱، عدد صلوۃ الجمعۃ، رقم الحدیث:۱۴۲۱)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز دو دو رکعتیں ہیں جو پوری ہیں، ان میں محمد ﷺ کی زبان سے کمی نہیں ہے۔

آپ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سفر میں قصر کرتے تھے

(۵)......ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول : صحبتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین ' و ابابکر و عمرَ و عثمانَ رضی اللہ عنہم کذلک۔(بخاری ص۱۴۹ ج۱، باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوۃ، رقم الحدیث:۱۱۰۲)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(۶)......(عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما : فی حدیث طویل) انی : صحبتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر ' فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، و صحبتُ ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ، وقد قال اللہ تعالی : ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾۔

(مسلم ص۲۴۲ ج۱، باب صلوۃ المسافرین و قصرھا، رقم الحدیث:۶۸۹)

ترجمہ:......(ایک طویل حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:) میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو بلا لیا، اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو بلا لیا، اور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو بلا لیا، اور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو بلا لیا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔

آپ ﷺ سفر میں قصر کرتے اور دو رکعت پر زیادتی نہیں فرماتے

(۷)......عن ابن مسعود رضی الله عنه : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصوم فی السفر ، ويفطر ، ويصلي الركعتين لا يدعهما ، يعنى لا يزيد عليهما۔

(طحاوی ص۵۳۶ ج۱، باب صلوة المسافر ، رقم الحديث:۲۳۵۲)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سفر میں روزہ بھی رکھتے تھے اور افطار بھی فرماتے، اور نماز دو رکعتیں پڑھتے تھے، یعنی دو رکعت پر زیادتی نہیں کرتے تھے۔ (قصر کرتے تھے اور اتمام نہیں کرتے تھے)۔

(۸)......جعل النّاس يسألون ابن عباس رضی الله عنهما عن الصلوة ؟ فقال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرج من اهله ، لم يصل الا ركعتين ، حتى يرجع اليهم۔ (طحاوی ص۵۳۶ ج۱، باب صلوة المسافر ، رقم الحديث:۲۳۵۵)

ترجمہ:......لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (سفر کی) نماز کے بارے میں

سوال کرنے لگے کہ: سفر میں نماز کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ جب اپنے اہل (گھر) سے نکلتے تو واپس تشریف لانے تک دو ہی رکعتیں (قصر) پڑھتے تھے۔

(۹)......عن ابن عمر رضی الله عنهما قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرج من هذه المدينة لم يزد على ركعتين ، حتى يرجع اليها۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب اپنے اس شہر مدینہ منورہ سے نکلتے تو واپس تشریف لانے تک دو رکعت سے زائد نہ پڑھتے تھے۔

(ابن ماجہ، باب تقصير الصلوة فى السفر ، رقم الحديث:۱۰۶۷)

(۱۰)......ان فتى سأل عمران بن حصين رضى الله عنه عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى السفر فعدل الى موضع العوقة فقال : ان هذا الفتى ، سألنى عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى السفر ؟ فاحفظوها عنى ، ما سافر رسول الله صلى الله عليه وسلم سفرا الا صلى ركعتين حتى يرجع ، الخ۔

(طحاوی ص۵۳۷ ج۱، باب صلوة المسافر ، رقم الحديث:۲۳۵۹)

ترجمہ:......ایک نوجوان نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی سفر کی نماز کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ مقام عوقہ کی طرف گئے اور فرمایا کہ: اس نوجوان نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں سوال کیا ہے، تو تم سب اسے مجھ سے یاد رکھو۔ رسول اللہ ﷺ ہر سفر میں واپس تشریف لانے تک دو ہی رکعتیں (قصر) پڑھتے تھے۔

تشریح:...... یہ روایت تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ ''سنن ابو داؤد'' اور ''ترمذی

شریف‘‘میں بھی آئی ہے۔

(ابوداؤد، باب متی یتم المسافر ، رقم الحدیث:۱۲۲۹۔ترمذی، باب [ما جاء فی] التقصیر فی السفر، رقم الحدیث:۵۴۵)

(۱۱)......عن عون بن ابی جحیفة ‘ عن ابیه : انّ النبی صلی الله علیه وسلم خرج مسافرا ‘ فلم یزل یصلی رکعتین رکعتین حتی رجع۔

ترجمہ:......حضرت عون بن ابی جحیفہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ جب سفر کے لئے تشریف لے جاتے تو واپس لوٹنے تک برابر دو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔(طحاوی ص۵۳۹ ج۱، باب صلوة المسافر ، رقم الحدیث:۲۳۶۹)

قصر اللہ کی طرف سے صدقہ ہے،اس کو قبول کرو

(۱۲)......عن یعلی بن امیة قال : قلت لعمر بن الخطاب رضی الله عنه : ﴿ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ، ان یفتنکم الذین کفروا ﴾ فقد امِن الناس ، فقال : عجبتُ مما عجبتَ منه ‘ فسألتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک ، فقال : صدقة تصدّق الله بها علیکم ‘ فاقبلوا صدقتَهُ۔

(مسلم ص۲۴۱ ج۱، باب صلوة المسافرین و قصرها ، رقم الحدیث:۶۸۶)

ترجمہ:......حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ لیس علیکم جناح ﴾ کے بارے میں عرض کیا کہ اب تو لوگ امن میں ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا: تمہیں عجیب لگی ہے وہ بات جو مجھے عجیب لگی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا کہ: یہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے، لہذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

سفر کی دو رکعتیں آسمان سے اتری ہیں، چاہو تو ان کو رد کر دو

(۱۳)......عن ابی الکنود قال : سألت ابن عمر رضی اللہ عنھما عن صلوۃ السفر؟ فقال : رکعتان نزلتا من السماء ' فان شئتم فردوھما۔

(مجمع الزوائد ص۲۹۶ ج۲، باب صلوۃ السفر ، رقم الحدیث:۲۹۳۵)

ترجمہ:......حضرت ابوالکنو د رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: دو رکعتیں ہیں' جو آسمان سے اتری ہیں، چاہو تو ان کو رد کردو۔

سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جس نے اس سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا

(۱۴)......عن مورق رحمہ اللہ قال : سألت ابن عمر رضی اللہ عنھما عن الصلوۃ فی السفر ، فقال : رکعتین رکعتین ' من خالف السنۃ کفر۔

(مجمع الزوائد ص۲۹۶ ج۲، باب صلوۃ السفر، رقم الحدیث:۲۹۳۶۔مصنف عبدالرزاق ص۵۱۹ ج۲، باب الصلوۃ فی السفر، رقم الحدیث:۴۲۸۱۔طحاوی ص۵۴۰ ج۱، باب صلوۃ المسافر، رقم الحدیث:۲۳۹۹)

ترجمہ:......حضرت مورق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دوران سفر نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: دو دو رکعتیں ہیں، جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔

قصر کی جگہ اتمام کرنے والے گمراہ ہو جائیں گے

(۱۵)......عن عطاء بن یسار رحمہ اللہ قال : ان ناسا قالوا : یا رسول اللہ ! کنا مع

فلان فی السفر فابی الا ان یصلی لنا اربعا اربعا ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اذا والذی نفسی بیدہ تضلون۔

(المدونۃ الکبری ص۱۲۱ ج۱، باب قصر الصلوۃ للمسافر)

ترجمہ:......حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول !(ﷺ) ہم فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے، انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا، بجز اس صورت کے کہ وہ چار چار رکعتیں پڑھائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔(المدونۃ الکبری ص۱۲۱ ج۱، باب قصر الصلوۃ للمسافر)

اتمام کرنے والے اللہ ان کا برا کرے، اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے

(۱۶)......عن خلف بن حفص عن انس رضی اللہ عنہ قال : انطلق بنا الی الشام الی عبد الملک و نحن اربعون رجلا من الانصار لیفرض لنا ، فلمّا رجع و کنّا بفج الناقۃ صلّی بنا الظهر رکعتین ' ثم دخل فسطاطه ' و قام القوم یضیفون الی رکعتیهم رکعتین اخریین ، فقال : قبح اللہ الوجوہ ' فواللہ ما اصابت السنة ' ولا قبلت الرخصة ' فأشهد ' لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : انّ قومًا یتعمّقون فی الدین ' یَمْرُقون کما یَمرُقُ السّهمُ من الرَّمِیَّة۔

(مجمع الزوائد ص۲۹۷ ج۲، باب صلوۃ السفر، رقم الحدیث:۲۹۴۱۔ کنز العمال ، رقم الحدیث: ۳۱۵۴۳)

ترجمہ:......حضرت خلف بن حفص رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: (انہوں نے فرمایا:) ہمیں ملک شام عبد الملک بن مروان کے پاس لے جایا گیا، ہم

چالیس انصاری مرد تھے، مقصد یہ تھا کہ وہ ہمارا وظیفہ مقرر کردے، جب ہم واپس ہوئے اور فج الناقہ پہنچے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، لوگ اٹھے اور (پڑھی ہوئی) دو رکعتوں کے ساتھ دوسری دو رکعتوں کا اضافہ کرنے لگے، آپ نے فرمایا: خدا! ان کا برا کرے اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے نہ انہوں نے رخصت کو قبول کیا، گواہ رہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ: بہت سے لوگ دین میں خوب گہرائی میں جائیں گے، لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔

جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے

(۱۷)......عن ابراهیم ان ابن مسعود رضی الله عنه قال : من صلی فی السفر أربعا اعاد الصلوة۔

(معجم طبرانی (کبیر) ص۲۸۹ ج۹، رقم الحدیث:۹۴۵۹۔ مجمع الزوائد ص۲۹۶ ج۲، باب صلوۃ السفر، رقم الحدیث:۲۹۳۸)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔

جو سفر میں چار رکعتیں پڑھے وہ ایسے ہیں جیسے حضر میں دو رکعت پڑھے

(۱۸)......عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم حین سافر رکعتین و حین اقام اربعا ، قال : و قال ابن عباس رضی الله عنهما : فمن صلی فی السفر اربعا ' کمن صلی فی الحضر رکعتین ، الخ۔

(مجمع الزوائد ص۲۹۷ ج۲، باب صلوۃ السفر، رقم الحدیث:۲۹۴۲)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے جب سفر فرمایا تو دو دو رکعتیں پڑھیں، اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جو شخص دوران سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں چار رکعتوں سے کیا کام

(۱۹)......عن ابی لیلی الکندی رحمه الله ' قال : خرج سلمان رضی الله عنه فی ثلاثة عشر رجلا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزاة ' و کان سلمان رضی الله عنه اسنّهم ، فحضرت الصلوة ' فأقیمت الصلوة ' فقالوا : تقدم یا ابا عبد الله ! فقال : ما انا بالذی اتقدم ' انتم العرب ' و منکم النّبی صلی الله علیه وسلم ' فلیتقدَّمُ بعضُکم ' فتقدَّم بعضُ القوم ' فصلّی اربع رکعات ، فلمّا قضی الصلوة ' قال سلمان رضی الله عنه : مالنا و للمُربَّعة ' انما یکفینا نصف المُربَّعة۔

(طحاوی ص۲۴۰ ج۱، باب صلوة المسافر ، رقم الحدیث:۲۳۷۷)

ترجمہ:......حضرت ابولیلی الکندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے تیرہ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان میں سب سے بڑی عمر کے تھے، جب نماز کا وقت ہوگیا تو نماز کھڑی ہوئی، لوگوں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آگے بڑھو، انہوں نے فرمایا: میں آگے نہیں بڑھوں گا، تم عرب ہو، نبی کریم ﷺ تم ہی میں سے ہیں، تم میں سے کوئی آگے بڑھے، تو لوگوں میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر چار رکعات نماز پڑھائی، جب نماز پوری ہوئی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں چار رکعتوں سے کیا کام، ہمیں تو چار کی جگہ دو

کافی تھیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دو رکعتیں پڑھتے تھے

(۲۰)......عن عبد الرحمن بن المسور ، قال : كنا مع سعد بن ابی وقاص فی قرية من قرى الشام ، فكان يصلى ركعتين ، فنصلى نحن اربعا ، فنساله عن ذلك ، فيقول سعد : نحن أعلم۔(طحاوی ص۵۴۰ ج۱، باب صلوة المسافر، رقم الحديث:۲۳۷۸)

ترجمہ:......حضرت عبد الرحمٰن بن مسور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم ملک شام کی ایک بستی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے، اور ہم چار رکعتیں پڑھتے تھے، ہم نے اس کے متعلق ان سے سوال کیا، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم زیادہ جانتے ہیں (کہ سفر میں دو رکعت ہی ہیں)۔

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سفر میں قصر کرتے تھے

(۲۱)......عن عيسى بن أبى عزة قال : مكث عندنا عامر الشعبى رحمه الله بالنهرين اربعة اشهر ، لا يزيد على ركعتين۔

(مصنف عبد الرزاق ص۵۳۸ ج۲، باب الرجل يخرج فى وقت ، رقم الحديث:۴۳۶۳)

ترجمہ:......حضرت عیسی بن ابوعزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ ہمارے پاس چار مہینوں تک رہے، پس وہ دو رکعتوں پر زیادتی نہیں کرتے تھے۔

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ: ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء

منگل

جنازہ میں کثرت کیا حق کی دلیل ہے؟

اس مختصر رسالہ میں: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کے منقول ارشادات کہ: میرے جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے، اسی طرح نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں تعجیل مطلوب ہے، جنازہ میں کم شریک ہونے والوں کی تعداد کے چند تاریخی واقعات وغیرہ امور نقل کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

کسی مرحوم کی نماز جنازہ میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوجائے اوراس پر جم غفیر نماز جنازہ پڑھے تو یہ ایک قابل تعریف بات ہے، جنازہ میں کثرت مستحسن ہے۔مگراب عوام تو عوام کچھ خواص کا بھی ذہن یہ بن رہا ہے، بلکہ بن گیا ہے کہ کسی کی نماز جنازہ میں لوگ کم مقدار میں ہوں تو اس کوایک طرح کا عیب سمجھا جانے لگا ہے،اور یہاں تک لوگوں کو کہتے سنا گیا کہ:اس کی قبولیت اللہ تعالی کے ہاں وہ نہیں جوفلاں بزرگ یافلاں صاحب کی ہے۔

بعض اہل علم کی اوراصحاب فضل کی وفات کا حادثہ کرونا وائرس کے دوران ہوااوران کی نماز جنازہ میں حکومتی قوانین کی وجہ سے قلیل تعداد میں لوگ شریک ہوسکے،اس پر بھی بعض لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوئے۔

اسی طرح برطانیہ میں رویت ہلال کے اختلاف کے معاملہ میں ایک صاحب نے یہاں تک کہہ دیا: حافظ پٹیل صاحب کے جنازہ میں بڑی تعداد لوگوں کی شریک تھی،اس سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب جس نظریہ کے حامل تھے وہ حق ہے۔

ان باتوں کی وجہ سے خیال آیا کہ ایک مختصر رسالہ اس موضوع پر بھی لکھا جائے کہ: کسی آدمی کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کم ہوتو یہ کوئی عیب کی بات نہیں،اور جنازہ میں کثرت اورقلت کوئی حق وباطل کی دلیل نہیں ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اورحضرات تابعین رحمہم اللہ نے تو یہ وصیت فرمائی تھی کہ: میرے جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ کی جائے،اور بعض

حضرات نے اپنے مرحوم کو غفلت کے اوقات میں دفن کرنے کا اہتمام کیا، کسی نے رات کے وقت دفن کیا تاکہ ہجوم نہ ہو۔

پھر شریعت مطہرہ میں تجہیز وتکفین میں عجلت مطلوب ہے۔ احادیث مبارکہ میں میت کو جلد از جلد دفن کرنے کی بے حد تاکید آئی ہے۔ جب جلدی مطلوب ہے تو چاہے تعداد کم ہو یا زیادہ شریعت کا اتباع یہ ہے کہ مرحوم کو جلدی دفن کر دیا جائے۔

اسی طرح بڑے مجمع کی امید پر جنازہ اور تدفین میں تاخیر کو بھی پسند نہیں کیا گیا، فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت عطا فرمائے، اور راقم کے لئے ذخیرۂ آخرت وذریعہ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۱/ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ مطابق: ۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۲۳

بروز منگل

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنی موت کی کسی کو اطلاع نہ کرنے کا حکم

(۱)......عبد الله بن مسعود قال : لا تُؤذنوا بی أحدا ، حسبی من یحملنی الی حفرتی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۰ ج۳، باب النعی علی المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۰۵۵)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرے (مرنے کی) کسی ایک کو بھی اطلاع مت کرنا، جو میری (چار پائی کو) اٹھا کر مجھے قبر تک پہنچائے وہی کافی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا لوگوں کی مشغولی کے وقت مردے کو دفن کرنا

(۲)......عن ابن عمر، انه کان اذا مات له میت تَحیَّن غفلة الناس۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی فوت ہو جاتے تو لوگوں کی غفلت کا انتظار فرماتے۔

حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کی وصیت کہ: مجھے چپکے سے دفن کر دینا

(۳)......اوصی الربیع بن خُثَیم : ان لا تُشعِروا بی احدا ، و سُلُّونی الی ربی سَلًّا ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۴ ج۷، ماقالوا فی الاذن بالجنازة من کرهه ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۱۳۱۹/۱۱۳۲۵)

ترجمہ:......حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ: میرے (مرنے کی) کسی ایک کو بھی اطلاع مت کرنا اور مجھے چپکے سے (اور آرام سے) میرے رب کی بارگاہ میں دفن کر دینا۔

عمرو بن میمون رحمہ اللہ کے حکم کے باوجود جنازے کی اطلاع نہ کرنا

(۴)......عن ابی حیّان ، عن ابیه ، قال : كان عمرو بن ميمون صديقا للرّبيع بن خُثيم ، فلما ثَقُل ، قال عمرو لأمِّ ولد الرّبيع بن خُثيم : اَعْلِمِينى اذا مات ، فقالت : انه قال : اذا انا مِتُّ فلا تُشعِرى بى احداً ، و سُلُّونى الى ربى سُلًّا ، قال : فبات عَمرو على دكاكين بنى ثور حتى أصبح فشهده۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۷، من رخص فی الاذن بالجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث: ۱۱۳۳۲)

ترجمہ:......حضرت ابوحیان رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: -حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کے دوست تھے-حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ نے ان کی ام ولد سے کہا: جب ان کی وفات ہوجائے تو مجھے اطلاع دینا، انہوں نے عرض کیا کہ: حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے (مرنے کی) کسی ایک کوبھی اطلاع مت کرنا، اور مجھے خفیہ طور سے میرے رب کی بارگاہ میں دفن کردینا۔ حضرت عمرو بن میمون نے بنی ثور کے چبوترے پر رات گذاری یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر وہ ان کے (جنازہ میں) حاضر ہوئے۔

ابووائل رضی اللہ عنہ کی وصیت کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا

(۵)......عن الزِّبْرِقَان : قال : سمعت ابا وائل رضى الله عنه يقول : اذا متُّ فلا تؤذنوا بى احدا۔

ترجمہ:......حضرت زبرقان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے موت کے وقت سنا، وہ فرمارہے تھے کہ: جب میرا انتقال ہوجائے تو کسی کو میری موت

کی اطلاع نہ دینا۔

ابومیسرہ اور علقمہ رضی اللہ عنہما کی موت کی اطلاع نہ کرنے کی وصیت

(۶)......اوصی ابو میسرة رحمه الله تعالى اخاه : ان لا تؤذن لی احدا ، قال : ابو اسحاق : وبذلک اوصی علقمة الاسود۔

ترجمہ:......حضرت ابومیسرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو وصیت فرمائی کہ: (میری وفات کی) کسی کو بھی اطلاع مت دینا۔

راوی حضرت ابواسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسود رحمہ اللہ کو بھی یہی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کی وصیت کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا

(۷)......عن علقمة : انه أوصی ان لا تؤذنوا بی احداً ، فانی اخاف ان یکون النّعی من امر الجاهلية۔

ترجمہ:......حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے وصیت فرمائی کہ: میری وفات پر تم کسی ایک کو بھی اطلاع مت دینا، مجھے ڈر ہے کہ جنازہ کا اعلان جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

جب جنازے میں چار افراد ہو جائیں تو کسی کو جنازہ کی اطلاع مت دینا

(۸)......قال ابراهيم : اذا کنتم اربعة فلا تؤذنوا احدا۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب تم جنازے میں چار افراد ہو جاؤ تو پھر کسی کو (جنازہ کی) اطلاع مت دینا۔

حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کا اپنی موت کی اطلاع نہ کرنے کی وصیت کرنا

(۹)......ان علی بن حسین : اوصی ان لا تعلموا بی احدا۔

ترجمہ:......حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ نے وصیت فرمائی کہ: میری وفات کی کسی کو بھی اطلاع مت دینا۔

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کا ارشاد کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا

(۱۰)......عن سوید بن غفلة قال : اذا انا متُّ فلا تو ذنوا بی احدا۔

ترجمہ:......حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب میری وفات ہو جائے تو تم کسی کو (جنازہ کی) اطلاع مت دینا۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ کا ارشاد کہ: میری موت کی اطلاع کسی کو نہ دینا

(۱۱)......عن مطرف : انه قال : لا توذنوا بجنازتی احدا۔

ترجمہ:......حضرت مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میرے جنازہ کی اطلاع کسی کو مت دینا۔

میرے جنازے کی اطلاع میری مسجد والوں کو بھی مت دینا

(۱۲)......عن ابی حمزة ، عن ابیه قال : لا تؤذنوا بجنازتی اهل مسجدی۔

ترجمہ:......حضرت ابوحمزہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میرے جنازے کی اطلاع میری مسجد والوں کو بھی مت دینا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۳/۲۰۴/۲۰۵ ج ۷، ما قالوا فی الاذن بالجنازة من کرهه ، کتاب الجنائز رقم الحدیث: ۱۱۳۲۱/۱۱۳۲۰/۱۱۳۱۸/۱۱۳۲۳/۱۱۳۲۴/۱۱۳۲۶/۱۱۳۲۳/۱۱۳۲۸)

حضرت شریح رحمہ اللہ کا اولاد کو ازدحام کے ڈر سے رات میں دفن فرمانا

(۱۳)......عن الشعبی ، عن شریح ، انّہ کان یدفن بعض ولدہ لیلا کراھیۃ الزِّحام۔

ترجمہ:......حضرت شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت شریح رحمہ اللہ نے اپنی بعض اولاد کو ازدحام کے ڈر سے رات کے وقت دفن فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۵ ج۷، ما جاء فی الدّفن باللّیل ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۱۹۵۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب جنازے پر بلائے گئے تو تشریف لے گئے

(۱۴)......عن عبد اللہ بن عروۃ ، ان اباھریرۃ کان یؤذَن بالجنازۃ فیمر بالمسجد فیقول عبد اللہ دعی فاجاب ، او امۃ اللہ دعیت فاجابت ، فلا یقوم معھا الا القلیل منھم۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عروہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب جنازے پر بلائے جاتے، آپ مسجد سے گذرتے اور فرماتے: اللہ کا بندہ بلایا گیا ہے، پس اس نے قبول کیا، یا اللہ کی بندی بلائی گئی ہے تو اس نے قبول کیا، پس ان کے ساتھ ان میں سے چند لوگ ہی کھڑے ہوتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۶/۲۰۷ ج۷، من رخص فی الاذن بالجنازۃ ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۰/۱۱۳۳۳/۱۱۳۳۴/۱۱۳۳۱)

خاتمہ

نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں تعجیل مطلوب ہے

شریعت مطہرہ میں تجہیز و تکفین میں عجلت مطلوب ہے۔احادیث مبارکہ میں میت کو جلد از جلد دفن کرنے کی بے حد تاکید آئی ہے۔

(۱)......عَنْ الحُصَيْنِ بْنِ وَحْوَج : اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاء رضی الله عنه مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُهُ فَقَالَ : اِنِّي لَارٰى طَلْحَةَ اِلَّا وَقَدْ حَدَثَ فِيهِ الْمَوْتُ ، فَاٰذِنُوْنِي بِهٖ وَ عَجِّلُوْا ، فَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَي اَهْلِهٖ۔

(ابوداؤد، باب تعجيل الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۵۹)

ترجمہ:......حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے،حضور ﷺ ان کی عیادت کے لے تشریف لائے،آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا: میرا گمان ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے،ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا، اوران کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا،اس لئے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش ان کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے۔

فقہاء کی عبارتیں

صاحب مراقی الفلاح تحریر فرماتے ہیں:

(۱)......واذا تيقن موته (يعجل بتجهيزه) اكراما له لما في الحديث : عجلوا به فانه لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين ظهراني اهله۔

(مراقی الفلاح ص۵٦۵، باب احكام الجنائز ، كتاب الصلوة)

یعنی جب موت کا یقین ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے، اسی میں اس کا اکرام واحترام ہے۔ حدیث میں ہے کہ تجہیز و تکفین میں عجلت کرو مسلمان کی نعش کو اس کے گھر والوں میں روکے رکھنا مناسب نہیں۔

بڑے مجمع کی امید پر نماز جنازہ کی تاخیر مکروہ ہے

اب قابل غور امر یہ ہے کہ ان احادیث کے باوجود فقہاء رحمہم اللہ نے (ان احادیث کی وجہ سے جن میں مردہ کی تجہیز و تکفین میں عجلت کرنا بیان کیا گیا ہے) یہاں تک لکھا کہ اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں لوگ زیادہ ہوں گے مکروہ ہے۔ ''درمختار'' میں ہے:

''وکرہ تاخیر صلوتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ''۔

(درمختار ص۱۶۳ ج۳، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب: فی حمل المیت)

جنازہ میں کم شریک ہونے والوں کی تعداد کے چند تاریخی واقعات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں: ۱۷/افراد تھے

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حادثۂ شہادت کا واقعہ جمعہ کے دن بوقت عصر پیش آیا، دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن رہی، باغیوں کی حکومت تھی، ان کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سنیچر کا دن گزر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا، اور کل صرف: ۱۷/افراد نے کابل سے مراکش تک کے فرماں رواکے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (سیر الصحابہ ص: ۲۲۰/۲۲۱ ج۱)

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا جنازہ

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید میں گرفتار تھے کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اور آپ کسی طرح قید سے رہا ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے مگر معاہدہ کی بناء پر واپس کئے گئے، پھر راستہ میں جو واقعہ پیش آیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے، بالآخر مدینہ منورہ سے دور ایک ساحلی مقام پر قیام کیا، اور رفتہ رفتہ یہ جگہ مظلوم مسلمان جماعت کی پناہ گاہ بن گئی، کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے اس آزاد گروہ کے بارے میں پیغام بھیجا کہ حضرت ابوجندل اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آجائیں اور دوسرے حضرات اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں، یہ گرامی نامہ ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے، خط مبارک ہاتھ میں لے کر پڑھتے پڑھتے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپرد خاک کیا۔ اس ویرانہ میں نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی۔

(سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم ص ۲۵۹ جلد ۴، حصہ ہفتم)

حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا جنازہ کی نماز دو افراد نے ادا کی

حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی ایسا ہی ہوا کہ دو ہم سفر رفقاء نے ان کی نماز ادا کی۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو یہاں کا حاکم بنایا تھا، چند دنوں کے بعد انہیں معزول کر کے حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ مقرر کیا، اور ان کو تحریر فرمایا کہ: فوراً بحرین چھوڑ کر بصرہ کا انتظام سنبھالو، اس حکم پر حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوگئے، لیکن فرمان خلافت کے ساتھ ہی پیام اجل بھی پہنچ گیا، اور راستہ

میں مقام ''لیاس'' میں انتقال فرماگئے۔ یہ مقام آبادی سے دوراور بے آب وگیاہ تھا، پانی کی بڑی قلت تھی، حسن اتفاق سے بارش ہوئی تو ساتھیوں نے بارش کے پانی سے غسل کا انتظام کیا،اورتلوار سے گڑھا کھود کر قبر تیار کی۔اس طرح بحرین وبصرہ کے حاکم اس بے سرو سامانی کے ساتھ ایک بے آب وگیاہ میدان میں سپرد خاک کئے گئے۔

(سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم ص ۱۷۵ جلد۴، حصہ ہفتم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں مختصر جماعت شریک تھی

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں ایک مختصر سی جماعت شریک تھی،اس لئے کہ آپ کا حادثۂ وفات مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر زبدہ کے مقام پر ہوا تھا، اورآپ ﷺ کی پیشنگوئی کے مطابق ایک قافلہ نے ان کی تدفین وتکفین کا انتظام کیا۔اس قافلہ میں کوئی بڑی تعداد نہ تھی۔(سیر الصحابہ ص ۷۵، ج ۲،حصہ ۳)

اورتو اورحضرات شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم پرنماز جنازہ پڑھنے والے کیاہزاروں تھے؟

ان کے علاوہ سینکڑوں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غزوات کے سفر میں شہید ہوئے،وہاں کوئی بڑی تعداد نماز جنازہ میں شریک نہیں تھی۔

علامہ فقیہ ابوالوفاء خلیل کا جنازہ ۴/۵/آدمیوں نے پڑھا

علامہ فقیہ ابوالوفاء خلیل خالدی (متوفی:۱۳۶۰ھ) جوکہ علم ودانش کے عظیم منصب کے مالک تھے، آپ ''کنز الدقائق'' کے حافظ تھے۔لسانیت اورعلوم ادب میں ان کو گہری واقفیت حاصل تھی۔آپ کی شان استغنی مثالی تھی،ارباب حکومت کے در پر کبھی قدم نہیں رکھا۔حلب میں منصب قضاء پر فائز رہے۔بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔اہل خانہ کے شدید اصرار پر نکاح کیا،مگر شادی کی رات میں دلہن سے اجازت لے کر مطالعہ میں

مشغول ہو گئے اور ایسے مستغرق ہوئے کہ دلہن انتظار ہی کرتی رہی، بعد میں طلاق دے کر بلا بیوی رہنا ہی پسند کیا۔ معمولی مرض کے بعد قاہرہ میں: ۱۰؍رمضان: ۱۳۶۰ھ بروز بدھ وفات ہوئی، اور اگلے روز باب النصر کے مقبرے میں دفن کئے گئے، آپ کے علم وفضل کی کوئی خاص شہرت نہ ہوئی، مصر میں وہ اجنبی تھے، حتی کہ آپ کی نماز جنازہ میں چار پانچ افراد سے زیادہ لوگ نہ تھے۔ (امت مسلمہ کے محسن علماء اردو ترجمہ العلماء العزاب ص ۳۲۷)

اسی طرح صلحاء اور اولیاء کے نہ جانے کتنے بزرگ اور علماء حج وعمرہ اور حصول علم کے مبارک سفر میں وفات پا گئے، ان کی نماز میں شریک ہونے والے بھی تھوڑے سے ہی افراد تھے۔

تاریخ میں ایسے کئی بزرگوں کے حالات مذکور ہیں جو بحری جہاز میں انتقال فرما گئے، ان کی نماز بھی چند حضرات نے پڑھی۔

دوسرے محلّہ میں جنازہ کی نماز ہوتو امامت کا مستحق کون ہوگا؟

دوسرے محلّہ میں جنازہ کی نماز ہوتو امامت کا مستحق کون ہوگا؟

سوال:……محلّہ کی مسجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھائی جائے تو امامت کے مستحق محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ہوں گے یا جس جگہ نماز پڑھی جارہی ہے وہاں کے امام ہوں گے؟

الجواب:……حامدا و مصلیا و مسلما :اس مسئلہ میں بعض ارباب فتاوی کی رائے یہ ہے کہ:محلّہ کے امام کواس وقت امامت کا حق ہوتا ہے جب کہ جنازہ پڑھنے والے اسی محلّہ کے مقتدی ہوں،اور دوسرے محلّہ میں جنازہ لے جانے کی صورت میں دوسرے محلّہ کے نمازی زیادہ ہوتے ہیں جو کہ میت کے محلّہ کے امام کے مقتدی نہیں ہوتے ،اس لئے دوسرے محلّہ میں نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں میت کے محلّہ کے امام کے لئے امامت کا حق باقی نہیں رہتا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ص۳۴۰ ج ۵ ۔کتاب النوازل ص ۱۳۰ ج ۶)

مگر فقہاء نے نماز جنازہ پڑھانے کے متعلق جو تفصیل درج کی ہے اس میں امام محلّہ کو مقدم کیا ہے ”عمدۃ الفقہ“ میں ہے:

نماز جنازہ پڑھانے کا اول حق سلطان (بادشاہ اسلام' خلیفہ) کو ہے،اوراگر یہ نہ ہوتو اس کا نائب حقدار ہے، پھر قاضی' پھر امام محلّہ' پھر ولی ، پھر عورت کے لئے اس کا خاوند' پھر ہمسایہ' پھر اجنبی آدمی حقدار ہے۔(عمدۃ الفقہ ص ۵۲۴ ج ۲)

پھر آثار میں اس کی دلیل موجود ہے کہ اسلاف نے دوسرے محلّہ میں بھی اپنے محلّہ کے امام کو جنازہ پڑھانے کے لئے آگے کیا ”مصنف عبد الرزاق“ میں روایت ہے:

حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:محلّہ کا امام جنازہ پڑھائے

(۱)……عن سويد بن غفلة قال : يصلّى عليها من كان يؤمّها في حياتها ، قال : و

ذلک ان امرأة ماتت فی قوم آخرین ' فقال سوید بن غفلة ذلک۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۷۴ج۳، باب من احق بالصلوة علی المیت، رقم الحدیث:۶۳۶۷)

ترجمہ:......حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس (میت عورت) پر وہ نماز پڑھائے جوان کی زندگی میں امامت کرتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں کہ: یہ بات حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ نے اس وقت ارشاد فرمائی: جبکہ ایک عورت کا دوسری قوم میں (یعنی دوسرے محلّہ میں جہاں دوسری قوم آباد تھی) انتقال ہوا تھا۔

(۲)......عن ابراهیم قال : کان یصلی علی جنائزهم ائمتهم ، قال : و کانت المرأة اذا ماتت فی قوم آخرین یصلِّی علیها امام ذلک الحی الذی ماتت فیهم ۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۷۴ج۳، باب من احق بالصلوة علی المیت ، رقم الحدیث:۶۳۶۹)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ان (یعنی حضرات صحابہ وتابعین) کے جنازوں پر ان (کے محلّہ کے) ائمہ (نماز جنازہ) پڑھتے تھے۔ اور فرمایا کہ: جب کوئی عورت کسی دوسری قوم (یعنی دوسرے محلّہ میں) انتقال کر جائے تو اس محلّہ کا امام اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔

واللہ تعالی اعلم وعلمہ احکم و اتم

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ جمادی الاخری ۱۴۴۵ھ مطابق: ۱۸/ دسمبر ۲۰۲۴ء

بروز پیر

غسل میت کا مسنون طریقہ

غسل میت کا مسنون طریقہ، غسل میت کے چند ضروری مسائل، مردوں کو امانت دار غسل دیں، غسل دینے والے کے لئے زندہ اور مردہ کی ران دیکھنا جائز نہیں، طاق عدد میں غسل دینا، مشک کا استعمال، میت کے سر میں کنگھی کرنا، غسل دینے والے کے لئے غسل کا حکم، حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال اور غسل، احرام کی حالت میں غسل، میت کے ناک کی گندگی کو بیری اور ریحان سے دھودیں، صحابہ رضی اللہ عنہم بیری کے پتوں والے پانی سے غسل دیتے تھے، آپ ﷺ کو قمیص مبارک میں غسل دیا گیا وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

غسل میت کا مسنون طریقہ

سوال:......میت کوغسل دینے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟اور غسل میت کے ضروری مسائل کیا کیا ہیں۔

الجواب:حامدا ومصلیا ومسلما:......غسل سے پہلے میت کو پہلے استنجاء کرائے،اس کا طریقہ یہ ہے کہ غسل دینے والا اپنے بائیں ہاتھ پر کپڑے کی تھیلی وغیرہ لپیٹ کراس کپڑے کے اندر سے جو ناف سے زانو تک میت کے اوپر ہے نجاست کے مقام کو دھوئے ، پھر ہاتھ سے تھیلی نکال کر پھینک دے، اور ہاتھ کو دھو کراس میت کونماز کی طرح وضو کرائے، لیکن اس وضو میں کلی نہ کرائے ، نہ ناک میں پانی ڈالے، بلکہ شہادت کی انگلی پر کپڑا لپیٹ کر ترکرلے یاروئی ترکر کے اس کے منہ میں دانتوں‘لبوں مسوڑھوں اور تالو پر ملے،اس طرح تین مرتبہ کرے، اور روئی یا کپڑے کو گول کرکے میت کے ناک کے سوراخوں میں پھرادے، یہ بھی تین مرتبہ کرے،میت کے منہ اور ناک میں روئی رکھ دے کہ نہلاتے وقت ان میں پانی نہ جائے، پھراس کا منھ دھوئے ، پھر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوکرسر کا مسح کرادے،اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر اگر میت کے سر پر بال اور ڈاڑھی ہو تو صابن یا خالص پانی سے مل کر دھوئے، اب میت کو بائیں کروٹ پر لٹادے اور سر سے پاؤں تک تین مرتبہ پانی ڈال کر نہلائے یہاں تک کہ تخت سے ملے ہوئے حصہ تک پانی پہنچ جائے، ہر دفعہ بدن کو ملتا جائے ،مگر ستر کی جگہ کو کپڑے کی تھیلی پہنے بغیر ہاتھ نہ لگائے، پھر میت کو داہنی کروٹ پر لٹا کراسی طرح تین مرتبہ بدن کو ملتے ہوئے پانی ڈالے یہاں تک کہ پانی تخت سے ملے ہوئے حصہ تک پہنچ جائے،اس کے بعد اپنے ہاتھوں یا گھٹنوں یا سینہ کا سہارا دے کر ذرا سا بٹھا دے اور اس کے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ پھیرے، اگر کچھ

ناپاکی نکلے تو اس کو دھوڈالے، مگر دوبارہ وضو کرانے یا غسل دینے کی ضرورت نہیں، صرف ناپاکی نکلنے کی جگہ کو دھونا کافی ہے، پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور (یا اور کوئی خوشبو) ملا ہوا پانی سر سے پاؤں تک تین مرتبہ بہادے، اب غسل پورا ہوگیا، اس طرح بدن تین مرتبہ دھل جائے گا جو کہ مسنون عدد ہے، یعنی ایک دفعہ بائیں کروٹ پر دوسری دفعہ داہنی کروٹ پر بیری وغیرہ کے پتوں کے پانی سے اور تیسری دفعہ کافور (وغیرہ خوشبو) کے پانی سے، یہی طریقہ اولی ہے۔ پھر سارا بدن پونچھ لے، اس کے بعد بھی کوئی نجاست نکلے تو اس کو دھوڈالے، دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔ اب تہبند بدل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے۔

غسل میت کے چند ضروری مسائل

مسئلہ:...... غسل کے لئے میت کو بڑے تخت پر لٹادے۔

مسئلہ:...... میت کو تخت پر رکھنے سے پہلے تین یا پانچ یا سات مرتبہ خوشبو کی دھونی دے دے، سات مرتبہ سے زیادہ دھونی نہ دے۔

نوٹ:...... میت کو تخت پر رکھنے سے پہلے خوشبو دینے میں تعظیم کی طرف اشارہ ہے، اور اس سے بدبو کا ازالہ مقصود ہے۔

مسئلہ:...... خوشبو کی دھونی کا طریقہ یہ ہے کہ انگیٹھی جس میں لوبان یا اگربتی سلگائی ہوا یک بار یا تین بار یا پانچ بار یا سات بار تخت کے چاروں طرف پھرادیں، سات بار سے زیادہ نہ کریں۔

مسئلہ:...... میت کو تختہ پر لٹانے کی کیفیت یہ ہے کہ اس کو لمبائی میں یعنی قبلہ کی طرف پیر کرکے لٹادیں جیسے کسی بیمار کو بیماری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھنے کے لئے لٹاتے ہیں۔ اور بعض حضرات کے نزدیک قبر میں سلانے کی طرح یعنی قبلہ رخ لٹائیں۔ اور یہ

صورت بہتر ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ جس طرح آسانی ہو اس طرح لٹا دیں۔

مسئلہ:...... مستحب ہے کہ جہاں میت کو غسل دیں وہاں پردہ کرلیں تاکہ غسل دینے والوں اور ان کی مدد کرنے والوں کے علاوہ دوسرے دیکھ نہ سکیں۔

مسئلہ:...... غسل سے پہلے میت کے کپڑے نرمی اور سہولت کے ساتھ اتار دیں، اور اس کا ستر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے ڈھانک لیں۔

نوٹ:...... میت کے کپڑے مرنے کے بعد جلدی اتار لینا مستحب ہے، یعنی تخت پر لٹانے اور غسل تک تاخیر نہ کرنا چاہئے۔

نوٹ:...... ظاہر روایات میں میت کا صرف عورت غلیظہ یعنی پیشاب و پاخانہ کے مقام کو ڈھانپنے کا حکم ہے۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے، اور دوسرا قول وجوب کے بیان کے لئے ہے، یعنی اتنا ڈھانپ لینے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

مسئلہ:...... میت کو کپڑوں میں غسل دینا جائز نہیں، بلکہ کپڑے نکال کر ستر ڈھانپ کر غسل کرائے۔

نوٹ:...... وجہ یہ ہے کہ غسل سے مقصود پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنا ہے، جو کپڑوں سمیت حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ جب بدن کے مستعمل کپڑے نجس پانی سے نجس ہو گئے تو پھر کپڑوں کی نجاست بدن کو دوبارہ لگنے سے بدن ناپاک ہو جائے گا، پس غسل کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لئے کپڑوں کے بغیر غسل کا ہونا واجب ہے۔

نوٹ:...... نبی کریم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا، یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، اور آپ ﷺ کا غسل تطہیر (اور پاکی) کے لئے نہیں تھا، اس لئے کہ آپ ﷺ اس دنیا کی زندگی میں بھی اور یہاں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی پاک ہیں۔

مسئلہ:……غسل کراتے وقت میت کا ستر دیکھنا حرام ہے، اور میت کے ستر کو بلا کپڑے کے چھونا بھی حرام ہے۔

نوٹ:……ران بھی ستر میں داخل ہے، اس لئے مرد غسل کے وقت مردے کی ران کو بھی نہ دیکھے۔اسی طرح عورت، عورت کی ران کو بھی نہ دیکھے۔

مسئلہ:……چھوٹے بچوں کو استنجاء کراتے وقت ہاتھ میں کپڑے کی تھیلی پہننا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ:……مردہ کے استنجاء کی جگہ پر نجاست حقیقی لگی ہو تو اس کو دھونا مشروع ہے۔

مسئلہ:……مردہ نہانے کی حاجت میں یعنی حالت جنابت میں یا عورت حالت حیض ونفاس میں انتقال کر جائے تو اس کے منھ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے تاکہ طہارت کی تکمیل ہو جائے۔

نوٹ:……لیکن صحیح یہ ہے کہ حالت جنابت میں بھی منھ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ عذر اور علت ان کے حق میں بھی موجود ہے، اور اس حکم کے مقتضی ہے، (یعنی میت کے منھ اور کان سے پانی نکالنا ناممکن اور دشوار ہوگا) اور متون وشروح و فتاوی میں یہ حکم یعنی کلی اور ناک میں پانی نہ ڈالنا مطلق طور پر آیا ہے، جو ان تینوں کو بھی شامل ہے، واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:……میت کو وضو کرانے میں میت کے دونوں ہاتھ کلائیوں تک نہ دھوئیں، بلکہ پہلے منھ سے دھونا شروع کریں (بخلاف جنبی کے کہ وہ پہلے دونوں ہاتھوں کو پاکیزگی کے لئے دھوتا ہے، کیونکہ وہ خود غسل کرتا ہے، اور میت کو دوسرا آدمی غسل دیتا ہے، اس لئے اس کے ہاتھ پہلے دھونے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ:......میت کو غسل سے پہلے وضو کراتے وقت پاؤں دھونے کو مؤخر نہ کرے، یعنی جنبی کی طرح نہ کرے کہ وہ پورے غسل سے فارغ ہونے کے بعد پاؤں دھوتا ہے۔

مسئلہ:......ایسا بچہ ہو کہ ابھی نماز نہ پڑھتا ہو اور مجنون کو بعض کے نزدیک وضو نہ کرائیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کو بھی وضو کرائیں۔

مسئلہ:......گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے، لیکن اوسط درجہ کا گرم ہو، شدید گرم نہ ہو۔

مسئلہ:......غسل کے لئے پانی میں بیری کے پتے ڈال کر جوش دینا بہتر ہے۔

مسئلہ:......غسل میں تین دفعہ سے زیادہ بلا ضرورت پانی نہ ڈالے، اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، بلا ضرورت مکروہ ہے، کیونکہ زیادتی اسراف ہے۔

مسئلہ:......غسل سے پہلے میت کے ناک اور منھ اور کانوں میں روئی رکھ دیں، تاکہ ان میں پانی نہ جانے پائے۔

مسئلہ:......اگر کسی میت کو تین دفعہ پانی بہا کر مسنون طریقہ پر نہلایا نہ گیا اور ایک دفعہ سارے بدن پر پانی بہا کر دھو ڈالے تب بھی غسل میت کا فرض ادا ہو گیا۔

مسئلہ:......میت کو ایک مرتبہ غسل دینے کے بعد دوبارہ غسل دینا خلاف سنت ہے۔

(مسائل میت ص ۴۷)

مسئلہ:......میت کے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے، اس کے ناخن اور بال نہ تراشے جائیں، اس کی مونچھیں نہ تراشی جائیں، اس کے بغلوں کے بال صاف نہ کئے جائیں، اور نہ اس کے زیر ناف بال مونڈے جائیں، ان چیزوں میں سے جو کچھ بدن پر موجود ہے اس سمیت دفن کر دیا جائے۔

مسئلہ:......بہتر ہے کہ میت کو غسل دینے والا آدمی باوضو ہو۔

مسئلہ:......مستحب ہے کہ میت کو غسل دینے والا آدمی اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔

مسئلہ:......بہتر ہے کہ غسل دینے والا آدمی امانت دار اور پرہیز گار ہو۔

مسئلہ:...... افضل ہے کہ میت کو بلا اجرت غسل دے، اگر کوئی اجرت کا مطالبہ کرے تو اجرت دینا جائز ہے۔

مسئلہ:......غسل دینے والا نیت کر کے غسل دے تو میت کے غسل کے فضائل کا مستحق ہوگا، اگر نیت نہ کی تو غسل ہو جائے گا، مگر نیت نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہیں ملے گا۔

مسئلہ:......میت عورت کے غسل کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے۔ میت عورت کے بال پیٹھ پر نہ ڈالے جائیں، بلکہ اس کے بالوں کی دو مینڈیاں بنا کر اس کے سینہ پر کر دی جائیں۔

مسئلہ:......اگر میت کے اوپر پانی برس جائے یا اور کسی طرح سے پورا بدن بھیگ جائے تو یہ بھیگ جانا غسل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، زندوں کا میت کو غسل دینا فرض ہے۔

(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص ۴۸۷ ج ۱۔ احکام میت ص ۴۲۔ مسائل میت ص ۴۷، ط: توصیف پبلی کیشنز)

مسئلہ:......میت کو غسل دینے والے کو بعد میں خود بھی غسل کر لینا مستحب ہے۔

میت کو نہلانے کے بعد نہانے کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت:......میت کو نہلاتے وقت بدن پر چھینٹیں پڑتی ہیں اور وہ ناپاک ہوسکتی ہیں اور کہاں کہاں پڑی ہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے نہلانے والا نہالے تو جسم پاک ہو جائے گا۔

دوسری حکمت:......جو لوگ میت کو نہلانے کے عادی نہیں جب وہ کسی میت کو نہلاتے ہیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوتی ہے، نہا لینے سے یہ حالت بدل جائے گی، نیز وساوس بھی منقطع ہو جائیں گے جیسے جانور کو ذبح کرتے وقت دوسرے جانور جو اس کے قریب

ہوتے ہیں ان پر خوف طاری ہوتا ہے،اسی طرح موت کا اثر مردہ کو نہلانے والے پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کو غسل کا حکم دیا گیا۔اور(جنازہ) اٹھانے والے پر اس کا اثر کم ہوتا ہے،اس لئے ان کو صرف وضو کرنے کا حکم دیا گیا۔(تحفۃ الالمعی ص ۳۹۶ ج ۳)

(ا)......(و يوضع) كما مات (كما تيسر) في الاصح (على سرير مجمر وترا) الى سبع فقط.....(وتستر عورته الغليظة فقط على الظاهر)...(و قيل مطلقا)... (و يغسلها تحت خرقة) السترة (بعد لف) خرقة (مثلها على يديه) لحرمة اللمس كالنظر (ويجرد) من ثيابه.. ...(ويتوضأ) من يؤمر بالصلوة (بلا مضمضة واشتنشاق) للحرج ، و قيل يفعلان بخرقة ' وعليه العمل اليوم ، ولو كان جنبا أوحائضا أو نفساء فعلا اتفاقا تتميما للطهارة...(ويصب عليه ماء مغلى بسدر) .....(أو حرض) ... (ان تيسر ' والا فماء خالص) مغلى (ويغسل رأسه ولحيته بالخطمى)...(ان وجد ' والا فبالصابون ونحوه.....(ويضجع على يساره) ليبدأ بيمينه (فيغسل حتى يصل الماء الى ما يلى التخت منه ' ثم على يمينه كذلك ، ثم يجلس مسندا)... (اليه ويمسه بطنه رفيقا وما خرج منه يغسله ثم) بعد اقعاده (يضجعه على شقه الأيسر و يغسله) وهذه غسلة (ثالثة) ليحصل المسنون (و يصب عليه الماء عند كل اضطجاع ثلاث مرات)...(وان زاد عليها أو نقص جاز) اذا الواجب مرة (ولايعاد غسله ولا وضوءه بالخارج منه) لان غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت۔

(الدر المختار على شرح تنوير الابصار ص۸۴ تا۸۹ ج۳، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

(۲)......ويستحب أن يستر الموضع الذى يغسل فيه الميت فلا يراه الا غاسله أو من يعينه.....ويستنجى عند أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى.....وصورة استنجائه أن يلف الغاسل على يديه خرقة ويغسل السوأة ' لان مس العورة حرام كالنظر اليها.....ولا ينظر الرجل الى فخذ الرجل عند الغسل ، وكذا المرأة لا تنظر الى فخذ المراة .....ثم يتوضأ وضوءه للصلوة ، و يجعل الغاسل على أصبعه خرقة رقيقة و يدخل الاصبع فى فمه ويمسح بها اسنانه و شفتيه ولهاته.....واختلفوا فى مسح رأسه ' والصحيح أنه يمسح رأسه ' ولا يؤخر غسل رجليه.....والغسل بالماء الحار أفضل.....ويغلى الماء بالسدر أو بالحرض.....ولا يقص شاربه ولا ينتف ابطه ولا يحلق شعر عانته ' و يدفن بجميع ما كان عليه......وان كان ظفره منكسرا فلا بأس بان يأخذه.....وينبغى أن يكون غاسل الميت على الطهارة.....ويستحب للغاسل أن يكون أقرب الناس الى الميت ، فان لم يعلم الغسل فأهل الامانة والورع ، ويستحب أن يكون الغاسل ثقة يستوفى الغسل و يكتم مايرى من قبيح و يظهر ما يرى من جميل ' فان رأى ما يعجبه من تهلل وجهه و طيب رائحته وأشباه ذلك يستحب له أن يحدث به الناس ' وان رأى ما يكره من اسوداد وجهه و نتن رائحته وانقلاب صورته و تغير أعضائه و غير ذلك لم يجز له أن يحدث به احدا ، فان كان الميت مبتدعا مظهرا لبدعته ورأى الغاسل منه ما يكره فلا بأس بان يحدث به الناس ليكون زجرا لهم عن البدعة.....والأفضل أن يغسل الميت مجانا ' وان ابتغى الغاسل الأجر فان كان هناك غيره يجوز أخذ الاجر ' والا لم يجز۔

(عالمگیری ۱۷۳ ج ۱، الفصل الثانى فى الغسل ، باب الجنائز ،كتاب الصلوة ، ط : بيروت)

موضوع سے متعلق چند احادیث وآثار

مردوں کو امانت دار غسل دیں

(۱)......قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لِیُغَسِّلُ موتاكُم المأمونون۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے مردوں کو امانت دار (اور با اعتماد لوگ) غسل دیں۔ (ابن ماجہ، باب ما جاء فی غسل المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۶۱)

غسل دینے والا ہاتھ، پاؤں میں کوئی چیز رکھ لے

(۲)......عن عائشة قالت : مِن السّنة أن تَتَّخذ اِحداكنّ فی یدیها ' أو رجلیها أو عُنُقها أو اُذُنیها شیئا ' تَسلِبُه اذا وُضِعَت علی سریرِ غُسلها۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب غسل کے وقت (نعش کو) چار پائی پر رکھے تو سنت یہ ہے کہ تم عورتوں میں سے کوئی اپنے ہاتھوں یا پاؤں یا گردن یا کانوں میں کوئی چیز رکھ لے۔

(معجم طبرانی اوسط ص۲۶۳ ج۸، من اسمه معاذ ، رقم الحدیث:۸۵۸۵۔ مجمع الزوائد ص۸۸ ج۳، باب تجهیز المیت وغسله والاسراع بذلک ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۰۷۶)

زندہ اور مردہ کی ران دیکھنا جائز نہیں

(۳)......عن علِیّ انّ النبی صلی الله علیه وسلم قال : لا تُبرِزُ فَخِدک ولا تَنظُرُ الی فَخِذ حیٍّ ولا مَیّتٍ۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فی غسل المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۶۰)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی ران

نہ کھولنا، اور کسی زندہ یا مردہ کی ران پر نظر نہ ڈالنا۔

ٹھنڈے پانی سے غسل کی ممانعت

(۴)......عن اُمّ قیس قالت : تُوُفِّی ابنی فجَزِعتُ علیه ' فقلتُ للّذی یَغسلُه : لا تَغْسِلِ ابْنِی بالماء البارد فَتَقْتُلَه ' فانطلق عُكّاشة بن مِحْصَن الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فأخبره بقولها ' فتبسّم ثم قال : ما قالت طال عمرُها ، فلا نعلم امرأة عُمِّرَتْ ما عُمِّرَتْ۔

ترجمہ:......حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرا بیٹا وفات پا گیا پس میں گھبرا گئی، میں نے غسل دینے والے سے کہا: میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل مت دینا، ورنہ تم اسے مار ڈالو گے، حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ (یہ منظر دیکھ رہے تھے، وہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی، تو آپ ﷺ مسکرائے پھر فرمایا: ام قیس نے کتنی عجیب بات کی ہے، ان کی عمر لمبی ہو۔ راوی حدیث کہتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ کسی عورت نے اتنی عمر پائی ہو جتنی حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا نے پائی۔ (نسائی، باب غسل المیت بالحمیم ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۸۸۳)

طاق عدد میں غسل دینا

(۵)......عن امِّ عطِیَّة الانصاریّة رضی الله عنها قالت : دخل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم حین تُوُفِّیَتْ اِبْنَتُه ' فقال : اغسِلْنَها ثلا ثا ' أو خمسا ' أو اکثر من ذلک اِن رأیتُنَّ ذٰلک ' بماءٍ و سدْرٍ ' واجعلن فی الآخرة کافورًا أو شیئا من کافور ' فاذا فرغْتُنَّ فآذِنَّنی ، فلمّا فرغنا آذَنّاه فأعْطانا حِقْوَهُ ، فقال : أشْعِرْنَها ایَّاه ، تعنی : ازاره۔

ترجمہ:......حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) فوت ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ دفعہ غسل دو، اگر تم اس کو مناسب سمجھو، پانی اور بیری کے پتوں سے اور اس کے آخر میں کافور یا کچھ کافور رکھ دینا، پس جب تم فارغ ہوجاؤ تو مجھے بتانا، پس جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو بتایا، پس آپ ﷺ نے ہم کو اپنا تہبند عنایت کیا اور فرمایا: اس تہبند کو اس کا ازار بنادینا۔

(بخاری، باب غسل المیت و وضوئه بالماء والسّدر، کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۱۲۵۳)

مشک کا استعمال

(۶)......عن ابن سیرین عن ابن عمر رضی الله عنهما : سأله عن المسک یجعل فی حنوط المیت ؟ قال : أولیس من أطیب طیبکم ؟ قال محمد : وبه نأخذ۔

ترجمہ:......حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: اگر میت کی خوشبو مشک میں ڈال دی جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: کیا مشک تمہاری بہترین خوشبو میں سے نہیں ہے؟۔امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

(المختار شرح کتاب الآثار ص۱۶۹، من باب الغسل من غسل المیت، رقم الحدیث:۲۲۵)

(۷)...... ان علیا رضی الله عنه أوصی أن یجعل فی حَنوطه مِسک، وقال : هو فَضل حَنوط النبی صلی الله علیه وسلم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۰ ج۷، فی المسک فی الحنوط، من رخص فیه ؟ رقم الحدیث: ۱۱۱۴۶)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ (میری وفات کے بعد) مشک بطور خوشبو لگائی جائے، اور فرمایا: وہ نبی کریم ﷺ کی بچی ہوئی مشک تھی۔

(۸)...... كان سلمان رضى الله عنه أصاب مِسكا من بَلَنْجَرَ فأعطاه امرأته ترفعه ' فلمّا حُضِر قال لها : أين الذى كنتُ استَوْدَعْتُكِ ؟ قالت : هو هذا ، فأتته به ' قال : رُشِّيه حَوْلى فانه يأتينى خلق من خلق الله لا ياكلون الطعام ' ولا يشربون الشراب ' يجدون الريح۔

ترجمہ:......حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بلنجر کے مقام پر مشک ملی تو انہوں نے وہ اپنی اہلیہ کو دے دی جسے انہوں نے سنبھال کر رکھ لی، جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: وہ امانت کہاں ہے جو میں نے تمہارے پر رکھوائی تھی؟ اہلیہ نے جواب دیا: وہ یہ ہے، اور اسے لے آئی، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے میرے گرد چھڑک دو، کیونکہ میرے پاس اللہ تعالی کی ایسی مخلوق آئے گی جو کھانا نہیں کھاتے ہیں اور پانی نہیں پیتے ہیں، انہیں یہاں بدبو محسوس ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۱۵ ج ۳، باب الحناط ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۶۱۴۲)

میت کے سر میں کنگھی کرنا

(۹)......ان عائشة رضى الله عنها رأت ميتا يسرح رأسه ، فقالت : علام تنصون ميتكم ؟ قال محمد : وبه نأخذ ، لا نرى أن يسرح الميت ، ولا يؤخذ من شعره ' ولا يقلم أظفاره ، وهو قول أبى حنيفة رحمه الله تعالى۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک میت کو دیکھا کہ اس کے سر میں کنگھی کی جارہی ہے، انہوں نے فرمایا: تم اپنے مردہ کے سر میں کنگھی کیوں کرتے ہو؟۔ امام محمد رحمہ

اللہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس کی مانگ نکالی جائے یا اس کے بال یا ناخن کاٹے جائیں، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(المختار شرح کتاب الآثار ص ۱۷۰، من باب الغسل من غسل الميت ، رقم الحديث:۲۲۶)

غسل دینے والے کے لئے غسل کا حکم

(۱۰)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من غَسَّل ميتا فَلْيَغْتَسِل۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی (مردے کو) غسل دے تو (بعد میں اسے بھی غسل کر لینا چاہئے۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء في غسل الميت ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۶۳)

(۱۱)......عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : مِن غَسْله الغسل ' ومن حمله الوضوء – يعني الميت –۔

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میت کو نہلانے سے غسل ہے اور اس کو (یعنی میت کو) اٹھانے سے وضو ہے۔

(ترمذی، باب ما جاء في الغسل من غسل الميت ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۹۹۳)

(۱۲)......عن عبد الله بن أبي بكر :أنّ أسماء بنت عميس غسَّلَتُ أبابكر الصديق حين تُوُفِّي ' ثم خرجَتُ فسألَتُ من حضرها من المهاجرين فقالت : انّي صائمة ' وانّ هذا يوم شديد البرد ' فهل عليَّ من غسلٍ ؟ فقالوا : لا۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کو غسل دیا، پھر باہر آکر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ: میں روزہ

سے ہوں اور آج سردی شدید ہے، کیا مجھ پر غسل لازم ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔

(مؤطا امام مالک (مترجم مع شرح) ص۴۰۷ ج۱، باب غسل المیت ، رقم الحدیث:۶۲۱)

(۱۳)......عن ابراهیم قال : سئل عبد الله عن غاسل المیت أیغتسل ؟ قال : ان کنتم ترون أن صاحبکم نجسا ، فاغتسلوا منه ، والا فانّما یکفیکم الوضوء۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ: میت کو غسل دینے والا غسل کرے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں معلوم ہو کہ میت ناپاک ہے تو غسل دینے والا غسل کرے، اور اگر میت ناپاک نہیں ہے تو غسل دینے والے کے لئے وضو کر لینا کافی ہے۔

(معجم طبرانی کبیر ص۳۷۳ ج۹، من اسمه عبد الله ، رقم الحدیث:۹۶۰۳۔ مجمع الزوائد ص۸۹ ج۳، باب تجهیز المیت وغسله والاسراع بذلک ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۰۷۸)

(۱۴)......عن ابراهیم فی الاغتسال من غسل المیت قال : کان عبد الله بن مسعود یقول : ان کان صاحبکم نجسا ، فاغتسلوا منه ، و الوضوء یجزئ ، قال محمد : وان شاء ایضا لم یتوضأ ، فان کان أصابه شیء من الماء الذی غسل به المیت غسله ، وهو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی۔

(المختار شرح کتاب الآثار ص۱۷۲، باب الغسل من غسل المیت ، رقم الحدیث:۲۳۲)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کے بارے میں مروی ہے: فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر تمہارا مرنے والا ساتھی نجس ہے تو اس (کو غسل دینے) کی وجہ سے غسل کرلو اور صرف وضوء کرنا بھی کافی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر چاہے تو وضوء بھی نہ کرے، اگر اس کو میت کے غسل کا

پانی لگ جائے تو اس جگہ کو دھولے، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال اور غسل

(۱۵)......عن ابی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : کان آدم رجلا اَشْعرَ طُوالا ، آدم کانّہ نَخلۃ سَحُوقٍ ، وانّہ لمّا حضرہ الوفاۃ نزلتِ الملائکۃ بحَنوطِہ وکفنہ من الجنۃ ، فلمّا مات غسَّلوہ بالماء والسدر ثلاثا ، وجعلوا فی الثالثۃ کافورا ، وکفَّنوہ فی وِتر ثِیابٍ ، و حفَروا لہ لَحدا ، و صلَّوْا علیہ وقالوا : ھذہ سُنّۃ وَلَدِ آدم من بعدہ۔

ترجمہ:......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے بال زیادہ تھے اور قد بھی لمبا تھا، یوں جیسے کھجور کا لمبا درخت ہوتا ہے، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرشتے جنت سے ان کو لگانے والی خوشبو اور ان کا کفن لے کر نازل ہوئے، جب ان کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں کے ذریعہ تین مرتبہ غسل دیا اور تیسری مرتبہ میں کافور شامل کرلیا، اور فرشتوں نے انہیں طاق عدد میں کفن دیا اور ان کے لئے لحد تیار کی اور ان کی نماز جنازہ ادا کی، اور فرمایا: ان کے بعد ان کی اولاد میں یہی سنت ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۰۰ ج۳، باب غسل المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۰۸۶)

احرام کی حالت میں غسل

(۱۶)......عن ابن عباس رضی اللہ عنھما : انّ رجلا وَقَصَہُ بعِیرُہ و نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مُحرِم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : اغسلوہ بماءٍ و سدرٍ و کفِّنوہ فی ثوبین ، ولا تَمَسُّوہ طِیبا ولا تُخَمِّروا رأسہ ، فان اللہ یبعثُہ یوم

القیامة مُلبّیا۔(بخاری، باب کیف یکفن المحرم ؟ کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۲۶۷)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:ایک شخص کو اس کے اونٹ نے گرادیا اور ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے،اور وہ صاحب احرام کی حالت میں تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور ان کو دو کپڑوں میں کفن پہناؤ،اوران کوخوشبو نہ لگانا، اور نہ ان کا سرڈھانپنا، کیونکہ اللہ تعالی ان کو قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھائیں گے۔

میت کے ناک کی گندگی کو بیری اور ریحان سے دھودیں

(۱۷)......ان عمر بن الخطاب کتب الی ابی موسی الاشعری : ان اغسل ذَنِیک بالسِّدر و ماء الرَّیحان۔

ترجمہ:......حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری کوتحریر فرمایا کہ: (میت) کے ناک کی گندگی کو بیری اور ریحان سے دھودیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۰ج۷، ما قالوا فی المیت کم یُغسّل مرة وما یجعل فی الماء ممّا یُغسّل به ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۱۰۱۷)

صحابہ رضی اللہ عنہم بیری کے پتوں والے پانی سے غسل دیتے تھے

(۱۸)......عن محمد قال : لا یغسلونه بخِطمِی وهم یقدرون علی السدر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۵ج۷، فی المیت اذا لم یوجد له السدر یُغسَّل بغیره خطمی ' أو اشنان کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۱۰۲۸)

ترجمہ:......حضرت محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بیری کے پتوں پر قدرت کے وقت خطمی سے غسل نہیں دیا کرتے تھے۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیر کے درخت کے پتے غسل میت میں استعمال کرنے کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے احتمال ہے کہ میت کا بدن چرکیں (غلاظت زدہ) ہوگیا ہو، اور بدبو پیدا ہوگئی ہو.....اور بیری کے پتوں کے ساتھ ابالا ہوا پانی جسم سے میل کو خوب صاف کرتا ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعۃ ص ۶۶۷ ج ۳)

فقہاء نے بھی بیری کے استعمال کی صراحت فرمائی ہے، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''یبدأ اولا بالماء القراح حتی یبتل ما علی البدن من الدرن والنجاسة ، ثم بماء السدر أو الحرض لیزول ما علی البدن من ذلک لانه ابلغ فی التنظیف ، ثم بماء الکافور ان وجد تطییبا لبدن المیت''۔

(فتح القدیر ص ۱۱۱ ج ۲، فصل فی الغسل ، باب الجنائز ، کتاب الصلوة ، دار الکتب العلمیة)

یعنی اولا میت کو خالص پانی سے غسل دیا جائے تا کہ میل ونجاست وغیرہ صاف ہوجائے ،اس کے بعد بیری کے پتوں کے ابالے ہوئے پانی سے غسل دیا جائے تا کہ بدن پر کوئی اس طرح کی چیز لگی ہوتو وہ زائل ہوجائے اور یہ نظافت کے حصول میں بھی مؤثر ہے، پھر ممکن ہوتو بدن کی مزید پاکیزگی کے خاطر کافور کے پانی سے غسل دیا جائے۔

آپ ﷺ کو قمیص مبارک میں غسل دیا گیا

(۱۹)......غُسِّـل النبی صلی الله علیه وسلم فی قمیص ' وَ غُسِّل ثلا ثا کلّهن بماءٍ وَّ سِدرٍ ، الخ۔

ترجمہ:......نبی کریم ﷺ کو قمیص مبارک کے ساتھ غسل دیا گیا، اور آپ ﷺ کو تین

مرتبہ غسل دیا گیا، ہر مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں کے ذریعہ۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۷ ج۳، باب غسل الميت ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۶۰۷۷)

(۲۰)......عائشة تقول : لمّا أرادوا غَسْلَ النبى صلى الله عليه وسلم قالوا : والله ما ندرى أنُجَرّدُ رسول الله صلى الله عليه وسلم من ثيابه كما نُجَرِّد موتانا أم نَغْسِلُه و عليه ثِيَابُه ؟ فلما اخْتلفوا ألْقى اللّٰه عليهم النوم حتّى ما منهم رجل الا وذَقَنُهُ فى صدره ، ثم كلَّمهم مُكلِّمٌ من ناحية البيت لا يدرون من هو ؟ أن اغسلوا النبى صلى الله عليه وسلم وعليه ثيابُه ' فقاموا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فغَسلوه و عليه يصبُّون الماء فوق القميص ' و يدلكونه بالقميص دون ايديهم ، وكانت عائشة تقول : لو استقبلتُ من أمرى ما اسْتدبرتُ ما غسله الا نِساؤُه۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو فرمایا: اللہ تعالی کی قسم! ہم لوگوں کو علم نہیں کہ کیا ہم آپ ﷺ (کے جسم مبارک سے) کپڑے اتاریں جیسے ہم اپنے مردوں کے جسموں سے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ ﷺ کو اپنے مبارک کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دیں، جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالی نے ان پر نیند ڈال دی یہاں تک کہ ان میں کوئی ایسا باقی نہ رہا جن کی ٹھوڑی نیند کی وجہ سے ان کے سینے پر نہ لگی ہو، اس وقت گھر کے ایک گوشہ سے کسی بولنے والے کی آواز آئی اور یہ معلوم نہیں کہ وہ آواز کس کی ہے؟ (وہ آواز یہ تھی کہ) نبی کریم ﷺ کو اپنے کپڑوں ہی میں غسل دو، یہ بات سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کو آپ کے مبارک کپڑوں ہی میں غسل دیا، اس طرح کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قمیص مبارک کے اوپر سے

پانی ڈالتے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک کو آپ کی قمیص مبارک ہی کے ساتھ ملتے تھے نہ کہ اپنے ہاتھوں سے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا تو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کو غسل دیتیں۔

(ابوداؤد، باب فی ستر المیت عند غسله ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۱۴۱۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی غسل المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۶۰)

تشریح:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ: عدت میں نکاح کا تعلق باقی رہتا ہے، یا نکاح کا منقطع نہ ہونا ازواج مطہرات کے حق میں خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ہے۔

ایک مطلب یہ ہے کہ: اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ بعض لوگ یہ استدلال کریں گے کہ عورت کے لئے شوہر کو غسل دینا جائز نہیں تو پھر ہم ہی آپ ﷺ کو غسل دیتیں۔

اس جملہ کے مطلب میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا ہوگا کہ بعض علوی حضرات طعن دیتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے مسئلہ میں پڑ گئے، اسی طرح میں بھی آپ ﷺ کے غسل وغیرہ میں مشغول ہوگئیں، اس طرح طعنوں کا گمان نہ ہوتا تو ہم ہی آپ ﷺ کو غسل دیتیں۔ (مستفاد: الدرالمنضود ص۲۳۴ج۵)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ:۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء

منگل

بیوی کا اپنے شوہر کو غسل کرانا

مسئلہ:...... بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، جبکہ کوئی مرد غسل دینے والا موجود نہ ہو۔

(امداد الاحکام ص۸۲۴ ج۱)

(۱)......المرأة تغسل زوجها ، لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح ، فتبقى ما بقى النكاح ، والنكاح بعد الموت باق الى ان تنقضى العدة ، بخلاف ما اذا ماتت فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل فصار أجنبيا۔

(شامی ۹۰/۹۱ ج۳، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

(۲)......عن عبد الله بن أبى بكر :أنّ أسماء بنت عميس غسَّلَتْ أبابكر الصديق حين تُوُفِّى ، ثم خرجَتْ فسألَتْ من حضرها من المهاجرين فقالت : انّى صائمة ، وانّ هذا يوم شديد البرد ، فهل علىَّ من غسلٍ ؟ فقالوا : لا۔

(مؤطا امام مالک (مترجم مع شرح) ص۴۰۷ ج۱، باب غسل الميت ، رقم الحديث:۶۲۱)

ترجمہ:...... حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کو غسل دیا، پھر باہر آ کر مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ: میں روزہ سے ہوں اور آج سردی شدید ہے، کیا مجھ پر غسل لازم ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔

تشریح:...... بعض روایات میں ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے وصیت فرمائی تھی کہ وہ انہیں غسل دیں۔

اس طرح کی وصیت اور حضرات سے بھی منقول ہے، مثلاً حضرت جابر بن زید اور حضرت سلیمان بن موسیٰ رحمہما اللہ نے اپنی بیویوں کو وصیت فرمائی کہ وہ ان کو غسل دیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ نے غسل دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۴۴/۱۴۵ ج ۷، فی المرأة تغسِّل زوجها ألها ذلک ؟ کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۱۰۷۸/۱۱۰۸۰/۱۱۰۸۱/۱۱۰۸۵)

مرد کا اپنی بیوی کو غسل کرانا

مسئلہ:......مرد اپنی بیوی کے جنازہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے، لیکن اگر اس کے محرم موجود ہوں تو قبر میں نہ اتارے، اور جو سب غیر محرم ہی ہوں تو شوہر بھی اس کو قبر میں اتار سکتا ہے، اور اگر کوئی صورت نہلانے والی موجود نہ ہو تو عورت کو مرد غسل نہیں دے سکتا، نہ شوہر اور نہ محارم، بلکہ شوہر اس کو تیمّم کرا دے، اور شوہر کو تیمّم کرانے کے لئے اس کے ہاتھ کو اور منہ کو دیکھنا جائز ہے، مگر چھوئے نہیں، بلکہ ہاتھ کو کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرائے۔ (امداد الاحکام ص۸۲۴ ج ۱)

(۱)......ويمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر اليها على الأصح وهى لا تمنع من ذلک.....أى من تغسيل زوجها دخل بها أولا۔

(شامی ۹۰/۹۱ ج ۳، باب صلوة الجنازة ، کتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

(۲)......ولنا حديث ابن عباس رضى الله عنهما : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم سئل عن امرأة تموت بين رجال ؟ فقال : تيمم الصعيد ولم يفصل بين أن يكون فيهم زوجها أو لا يكون ، والمعنى فيه ان النكاح بموتها ارتفع بجميع علائقه فلا يبقى حل المس۔ (مبسوط سرخسی ص۷۱ ج ۲، باب غسل الميت ، ط : ادارة القرآن)

(۳)......عن مكحول قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا ماتت المرأة مع الرجال ليس معهم امرأة غيرها ' والرجل مع النساء ليس معهن رجل غيره فانهما يتيممان و يدفنان ' وهما بمنزلة من لايجد الماء۔

ترجمہ:......حضرت مکحول رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مردوں کے ساتھ (کسی مجمع میں) عورت کا انتقال ہو جائے اور وہاں کوئی اس کے علاوہ دوسری کوئی عورت نہ ہو، یا عورتوں کے ساتھ (کسی مجمع میں) مرد کا انتقال ہو جائے اور وہاں اس کے علاوہ دوسرا کوئی مرد نہ ہو تو یہ دونوں ایک دوسرے کو تیمّم کرا دیں اور دفنا دیں، اور اس وقت یہ ایسا ہے جیسا کہ کہیں پانی نہ ہو۔

(مراسیل ابی داؤد ص ۲۹۸، باب ما جاء فی غسل المیت ، رقم الحدیث:۴۱۴)

(۴)......بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه قال : نحن كنا أحق بها اذا كانت حية ، فأما اذا ماتت فأنتم أحق بها ، قال محمد : وبه نأخذ۔

ترجمہ:......ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے، انہوں نے فرمایا: جب وہ (بیوی) زندہ تھی تو ہم اس کے زیادہ حقدار تھے، جب مرگئی تو تم اس کے زیادہ حقدار بن گئے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (المختار ص ۱۷۱)

(کتاب الآثار ص ۳۷ ج ۲، باب غسل المرأة و كفنها ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۲۳۰)

(۵)......عن الشعبی قال : اذا ماتت المرأة انقطع عصمة ما بينها وبين زوجها۔

ترجمہ:......حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۶)......عن الشعبی قال : لا يُغسِل الرجل امرأته ، وهو رأى سفيان۔

ترجمہ:......حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آدمی اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ اور یہی رائے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۶ ج ۷، فی الرجل يغسل امراته ، رقم الحديث:۱۱۰۹۱/۱۱۰۹۲)

(۷)......قال الثوری : و نحن نقول : لا یغسل الرجل امراته ' لانها لو شاء تزوج اُختها حین ماتت ، ونقول : تغسل المرأة زوجها لانها فی عدة منه۔

ترجمہ:......حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم یہ کہتے ہیں کہ: مرد بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، کیونکہ اگر مرد چاہے تو بیوی کے انتقال کے بعد اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ: عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے، کیونکہ وہ شوہر کی عدت میں ہوتی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۰۹ ج۳، باب المرأة تغسل الرجل ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۱۱۹)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غسل سے استدلال کا جواب

بعض حضرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ: مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہے، اور احناف پر طنز بھی کیا ہے، وہ روایت یہ ہے:

(۱)......عن ام جعفر بنت محمد عن جدتها اسماء بنت عمیس قالت : أوصَتْ فاطمة اذا ماتت : أن لا یغسلها الا انا وعلی ، قالت : فغسلتها أنا و عَلِیٌّ۔

ترجمہ:......حضرت ام جعفر بنت محمد اپنی دادی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتی ہیں کہ: انہوں نے فرمایا کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ: انہیں میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی غسل نہ دیں، فرماتی ہیں کہ: (ان کی وفات کے بعد حسب وصیت) میں نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل دیا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۱۰ ج۳، باب المرأة تغسل الرجل ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۱۲۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ ''فتاوی رحیمیہ''

میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہلایا تھا، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ (اول تو اس پر اتفاق نہیں ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی نہلایا تھا، روایت میں ہے کہ: حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے نہلایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نہلانے کی نسبت بایں وجہ ہے کہ غسل کا سارا انتظام آپ نے فرمایا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ:) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غسل دینا زوجیت قائم رہنے پر محمول ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: فاطمہ تمہاری زوجہ ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ہر سبب اور نسب موت سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر میرا سبب (قرابت سببی) اور نسب (قرابت نسبی) موت سے منقطع نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں بعض صحابہ (جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے پر اعتراض کیا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۰۷ ج ۵)

(۱)......قال فی شرح المجمع لمصنفه " فاطمة رضی الله عنها غسلتها ام أیمن حاضنته صلى الله عليه وسلم ورضی الله عنها " فتحمل رواية الغسل لعلی رضی الله تعالى عنه ' على معنى التهيئة والقيام التامّ بأسبابه ، ولئن ثبتت الرواية فهو مختص به ، ألا ترى أن ابن مسعود رضی الله عنه لمّا اعترض عليه بذلک أجابه بقوله : أما علمت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :" ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والآخرة " فادعاؤه الخصوصية دليل على ان المذهب عندهم عدم الجواز۔

(شامی ۹۰ ج ۳، باب صلوة الجنازة ، کتاب الصلوة ، ط : مکتبة دار الباز ، مکة المکرمة)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس روایت کے یہ جوابات دیئے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ:......حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غسل دینے کی روایات مختلف ہیں،

دوسرا جواب یہ ہے کہ:......حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل میں شرکت کے سلسلہ میں متعدد احتمالات ہیں:

(۱)...... پہلا احتمال یہ ہے کہ: دونوں ہی نے بذات خود غسل دیا ہو۔

(۲)......دوسرا احتمال یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بذات خود غسل دیا ہو، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کی معاون رہی ہوں۔

(۳)......تیسرا احتمال یہ ہے کہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے خود غسل دیا ہو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے معاون رہے ہوں۔

تو اب ہمیں ترجیح دینے کی ضرورت ہے، پس جب ہم نے وجوہ ترجیح کے سلسلہ میں غور کیا تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تیسرا احتمال ہی راجح ہے، اس لئے کہ جب ان دونوں میں ہر ایک بذات خود غسل دینے کے سلسلہ میں کافی تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دونوں کے لئے بذات خود غسل دینے کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا جائز تھا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پس جب ان دونوں کو وصیت کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے لئے تھی، اور تعاون کرنے کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے تھی، بہر حال اصلاً غسل دینے کی وصیت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس لئے تھی کہ وہ ان کی سمجھداری اور سلیقہ مندی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔

رہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعاون کرنے وصیت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کے احکام حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے زیادہ جانتے تھے، اس لئے انہیں وصیت کی کہ وہ احکام غسل بتلا کر ان کی مدد فرمائیں، اگر انہیں اس کی ضرورت پڑے۔

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتی تھیں، اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ وہ ان کو غسل دینے میں شریک رہیں۔

نیز انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے محبت کرتے ہیں، اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ انہیں اچھی طرح غسل دینے میں کوتاہی نہیں کریں گے، ان وجوہات کی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعاون کرنے کی وصیت کی تھی۔

(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۳۳۲/۳۳۳/۳۳۴ ج ۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت سے بھی اس مسئلہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے:

(۲)......عن عائشة رضی الله عنها قالت : رجع رسول الله صلی الله علیه وسلم من البقیع ' فوجدنی وأنا أجِد صُداعاً فی رأسی ' وأنا أقول : وارأساه ، فقال : بل أنا ' یا عائشة وا رأساه ، ثم قال : ما ضَرَّکِ لو مِتِّ قبلی فقمتُ علیکِ فغَسَّلْتُکِ و کفَّنْتُکِ و صلّیتُ علیکِ و دفنتُکِ۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بقیع (قبرستان) سے واپس تشریف لائے تو مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں درد تھا، اور میں (کراہ رہی تھی) اور کہہ رہی تھی: ہائے میرا سر، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! بلکہ میں کہتا ہوں کہ: ہائے میرا سر، (یعنی میرے سر میں بھی درد ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے عائشہ! اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو جاؤ تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ میں تمہارے پاس کھڑا رہوں گا، تمہیں غسل دوں گا، تمہیں کفن پہناؤں گا، اور تم پر نماز جنازہ پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فی غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۶۴)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے:

اس قصہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے، اور اس میں یہ زیادتی ذکر نہیں کی ہے، بلکہ ابن اسحاق اس کے نقل میں متفرد ہیں، اور انہوں نے بطریق عنعنہ روایت کیا ہے، اور ابن اسحاق کا تفرد صحیح نہیں ہے، خاص طور سے جب کہ وہ بطریق عنعنہ روایت کریں، لہذا اس حدیث سے استدلال باطل ہو گیا۔

اور اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ آپ ﷺ کے ارشاد ''غَسَّلْتُکِ'' میں غسل دینے کی ذمہ داری لینے کا بھی احتمال ہے، جیسا کہ خود سے غسل دینے کا احتمال ہے، اور آپ ﷺ کی عادت کے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہے کہ آپ ﷺ بذات خود کسی کو غسل نہیں دیتے تھے، لہذا اسے غسل کی ذمہ داری لینے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ بذات خود غسل دینے پر۔ (امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص۳۳۰ ج۳)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲۹ محرم الحرام: ۱۴۴۶ھ مطابق ۴/ اگست ۲۰۲۴ء

اتوار

کفن کا طریقہ اور مسائل

میت کو کفن پہنانے کا طریقہ، کفن کے چند ضروری مسائل، چند احادیث و آثار، عمدہ اور اچھا کفن پہنائے، تکفین میں اسراف، نئے کپڑے کا زندہ' مردہ سے زیادہ مستحق ہے، سفید کپڑوں میں مردوں کو کفن دو، میت کو دھونی دو تو تین بار دھونی دو، آپ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا، دو کپڑوں میں کفن دینا، کفن ضرورت، کفن: ایک' تین' پانچ کپڑوں میں سب جائز ہیں، عورت کا کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ، اپنے مردوں کے چہروں پر خوشبو لگاؤ، میت کے سجدوں کی جگہ پر کافور لگائی جائے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

کفن کا مسنون طریقہ، اور کفن کے ضروری مسائل کیا کیا ہیں؟

سوال:......میت کو کفن پہنانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اور کفن میت کے ضروری مسائل کیا کیا ہیں۔

مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما :......کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ: پہلے کفن کو لوبان سے دھونی دی جائے خواہ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ، اور سات بار سے زیادہ نہ کریں، پھر کفن کو اس طرح بچھائیں کہ مرد کے لئے پہلے لفافہ (اوپر لپیٹنے کی چادر) پھر اس پر ازار (تہبند) بچھائی جائے، پھر مردہ کو غسل دینے اور بدن پونچھنے کے بعد کفنی (کرتہ) پہنا کر، اس دوسری چادر (ازار) پر لٹا دیں۔

کفن پہنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جو عام طور پر رائج ہے اور آسان بھی ہے کہ چادر کے اوپر کفنی (کرتہ) اس طرح بچھائیں کہ کرتہ کا اوپر کا حصہ اکٹھا کر کے سرہانے کی طرف رکھ دیں، پھر میت کو کفن پر لٹا کر کرتے کا گریبان سر میں ڈال کر کرتہ کا اوپر کا حصہ بدن پر پھیلا کر برابر کر دیں، اور اس کے سر اور ڈاڑھی اور تمام بدن پر خوشبو لگائی جائے، یہ مستحب ہے، اور اس کے مواضع سجود یعنی پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں پر کافور لگائیں، یہ ان اعضاء کی تعظیم کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ ان اعضاء سے سجدہ کرتا تھا، پس یہ اعضاء مزید تعظیم کے لئے مخصوص ہوئے، اور اس لئے بھی کہ جلدی سڑنے سے محفوظ رہیں، خواہ احرام کی حالت میں مرا ہو یا بغیر احرام کے، خوشبو اور کافور لگانے میں دونوں کا حکم برابر ہے، اور احرام والے کا سر بھی ڈھکا جائے، پھر ازار (تہبند) کو بائیں طرف سے اس پر لپیٹیں پھر داہنی طرف سے لپیٹیں تا کہ داہنی جانب بائیں جانب کے

اوپر رہے، جیسا کہ زندگی میں اوڑھتا تھا، پھر اوپر لپیٹنے والی چادر اس طرح لپیٹیں کہ پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے لپیٹیں تا کہ اس کا داہنا حصہ بائیں حصہ کے اوپر رہے، اور کفن کے کھل جانے کا خوف ہو تو سر اور پاؤں کی طرف سے کسی کپڑے سے باندھ دیں، میت کے دونوں ہاتھ اس کے دونوں پہلوؤں میں رکھے جائیں، اس کی چھاتی پر نہ رکھے جائیں، اس لئے کہ یہ مجوس وغیرہ کا طریقہ ہے۔

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کے کفن کی طرح پہلے لوبان وغیرہ سے خوشبو دینے کے بعد پہلے سینہ بند پھر لفافہ (یعنی اوپر کی چادر) بچھائیں اور اس پر ازار بچھائیں اور کفنی پہنا کر اس پر میت رکھ دیں، یا اس پر کفنی بچھا کر اور کفنی کے اوپر کا حصہ لپیٹ کر سرہانہ رکھ کر اس پر میت کو رکھ دیں، اور گریبان میں سر ڈال کر کفنی پہنا دیں، پس یہاں تک وہی طریقہ ہے جو مردوں کے لئے بیان ہوا، پھر اس کے بالوں کے دو حصے کر کے سینہ پر کفنی کے اوپر رکھ دیں، ایک حصہ دائیں طرف اور ایک بائیں طرف اور اس کے اوپر اوڑھنی (سربند) سر پر اور بالوں پر ڈال دیں، اس طرح کے نصف پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر نقاب کی طرح ڈال دیں کہ سینہ پر رہے، باندھیں اور لپیٹیں نہیں، اس کا طول (لمبائی) سینہ سے پشت تک یعنی تقریبا دو ہاتھ ہے، اور عرض (چوڑائی) ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک تقریبا دو بالشت ہے، (اور یہ جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ زندگی کی طرح اڑھاتے ہیں، محض بے اصل وخلاف سنت ہے) پھر ازار کو پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں جانب سے لپیٹیں اور پھر لفافہ کو اسی طرح لپیٹیں جیسا کہ مرد کے واسطے بیان ہوا، پھر سب کفنوں کے اوپر چھاتیوں کے اوپر کے حصہ سے بغلوں سے نکال کر گھٹنے تک

سینہ بند باندھیں تاکہ کفن رانوں کے اوپر سے اڑنے نہ پائے، بعض کے نزدیک ناف تک باندھے، اگر سینہ بند کو اوڑھنی کے بعد ازار لپیٹنے سے پہلے ہی باندھ دیا تب بھی جائز ہے، اور اگر ازار لپیٹنے کے بعد لفافہ یعنی اوپر کی چادر لپیٹنے سے پہلے باندھ دیا تو یہ بھی جائز ہے، اور یہی ظاہر ہے، پھر کسی کپڑے سے پیر اور سر کی طرف کفن کو باندھ دیں اور ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دیں تاکہ کہیں راستہ میں کھل نہ جائے، یعنی پہلے سے کفن کے نیچے ان تین جگہوں پر تین کپڑے بچھا دیں اور کفن لپیٹنے کے بعد اس کے سروں کو ملا کر گرہ لگا دیں۔

کفن کی مقدار: گز، فٹ اور انچ کے اعتبار سے

(۱)......کفنی یا کرتا: اڑھائی گز لمبا، ایک گز چوڑا۔ یہ گلے سے لے کر پاؤں تک ہو، اور آگے پیچھے برابر ہو۔ (کفنی: لمبائی میں ساڑھے سات فٹ، اور چوڑائی میں ۳/فٹ۔ انچ کے حساب سے لمبائی میں: ۹۰/انچ، اور چوڑائی میں: ۳۶/انچ)۔

(۲)......لفافہ (بڑی چادر): پونے تین گز لمبی، سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑی۔ یہ میت کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں، یعنی میت کے قد سے تقریبا دو بالشت لمبی ہو۔ (لفافہ: لمبائی میں تقریبا آٹھ فٹ، اور چوڑائی میں تقریبا چار فٹ۔ انچ کے حساب سے لمبائی میں: ۹۹/انچ، اور چوڑائی میں: ۵۴/انچ)،

(۳)......تہبند (ازار، چھوٹی چادر): اڑھائی گز لمبی، سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑی۔ یہ کاندھے سے قدم تک ہو، یا لفافہ کے برابر ہو۔ (تہبند: لمبائی میں تقریبا ساڑھے سات فٹ، اور چوڑائی میں تقریبا چار سے ساڑھے چار فٹ۔ انچ کے حساب سے لمبائی میں: ۹۰/انچ، اور چوڑائی میں: ۵۴/انچ)۔

(۴)......سینہ بند، دو گز لمبا، سوا گز چوڑا۔ یہ چھاتیوں (زیر بغل) سے لے کر زانوؤں یعنی

گھٹنوں تک چوڑا ہو، اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے، سینہ بند اگر چھاتیوں سے لے کر ناف تک ہو تب بھی درست ہے، لیکن گھٹنوں تک ہونا زیادہ بہتر اور اولی ہے۔(سینہ بند لمبائی میں چھ فٹ، اور چوڑائی میں تقریبا چار فٹ۔انچ کے حساب سے لمبائی میں:۷۲/انچ، اور چوڑائی میں:۵۴/انچ)۔

(۵)......اوڑھنی (سر بند): ڈیڑھ گز لمبی، تقریباً ایک گز چوڑی۔یہ چوڑائی میں حسب ضرورت اور لمبائی تین ہاتھ (چھ بالشت) ہو۔(اوڑھنی لمبائی میں تقریبا ساڑھے چار فٹ، اور چوڑائی میں تقریبا تین فٹ۔انچ کے حساب سے لمبائی میں:۵۴/انچ، اور چوڑائی میں: ۳۶/انچ)۔

نہلانے کے لئے تہبند اور دستانے اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔

(مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل (جدید) ص۲۹۵ ج۴۔مسائل المیز ان ص۱۷۷/۱۷۹)

نوٹ:......ایک گز دو ہاتھ کا ہوتا ہے، اور ایک ہاتھ:۱۸/انچ کا، اور ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک گز:۳۶/انچ کا ہوگا۔(ثمرۃ الاوزان ص۴۲)

کفن کے چند ضروری مسائل

مسئلہ:......میت کو کفن دینا غسل دینے کی طرح فرض کفایہ ہے۔

مسئلہ:......کفن کے تین درجے ہیں: ضرورت، کفایت اور سنت۔

مسئلہ:......مرد کے لئے سنت کفن تین کپڑے ہیں: ازار (تہبند) کفنی (کرتہ، قمیص) اور لفافہ (چادر لپیٹنے کے لئے)۔

مسئلہ:......مرد کے لئے کفن میں عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:......عورت کے لئے پانچ کپڑے مسنون ہیں: ازار، کفنی، لفافہ، اوڑھنی (دوپٹہ)

سینہ بند۔

مسئلہ:......کفن کفایت مرد کے لئے دو کپڑے ہیں: ازار اور لفافہ۔

مسئلہ:......عورت کے لئے کفن کفایت تین کپڑے ہیں: ازار، لفافہ اوڑھنی۔ یا کفنی، لفافہ اوڑھنی۔

مسئلہ:......اختیاری حالت میں کفن کفایت واجب ہے، اور اس میں کوئی کراہت نہیں، اور اس سے کم کرنا یعنی مرد کے لئے ایک کپڑا اور عورت کے لئے دو کپڑے کرنا بلاضرورت ہوتو مکروہ ہے، اور ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ:......دو کپڑے مرد وعورت کے کفن کفایت میں مشترک ہیں ان کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ازار اور کفنی یا دونوں ازار ہوں تو بھی کافی ہے، لیکن ان دونوں صورتوں میں دوسری صورت اولی ہے، کیونکہ اس میں سر اور گردن کے ستر کی زیادتی ہے۔

مسئلہ:......کفن ضرورت مرد وعورت دونوں کے لئے وہ ہے جو میسر آجائے، اور کم از کم اتنا ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے، خواہ نئے کپڑے کا ہو یا پرانے کا، اگر اس قدر بھی نہ ہوتو لوگوں سے مانگ کر پورا کیا جائے، یہ بھی نہ ہوسکے تو سر کی طرف سے اوڑھا کر جس قدر جسم پاؤں کی طرف سے کھلا رہ جائے اس کو گھاس وغیرہ سے چھپا دینا واجب ہے۔

نوٹ:......کفن کے لئے سوال کرنے کی اجازت کفن ضرورت تک ہے، کفن مسنون کے لئے لوگوں سے سوال کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ:......لفافہ یعنی لپیٹنے کی چادر کی مقدار میت کے قد سے سر اور پاؤں دونوں کی طرف اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں، (یعنی تقریباً ایک ہاتھ بڑی ہو)۔

مسئلہ:......ازار سر سے پاؤں تک لمبی ہو، (یعنی لفافہ سے تقریباً ایک ہاتھ چھوٹی)۔

مسئلہ:...... کفنی، قمیص یا کرتہ گلے سے پاؤں تک ہو، اور یہ آگے اور پیچھے دونوں طرف برابر ہو، (اورعوام میں جو رواج ہے کہ پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلط ہے)۔

مسئلہ:...... کفنی (کرتہ) میں گریبان اور کلی اور چاک اور آستین نہ لگاویں، کیونکہ زندہ آدمی یہ اس لئے کرتا ہے کہ چلنے وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے، اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔

مسئلہ:...... ان تینوں کپڑوں کی مرد وعورت کے لئے ایک ہی حد ہے، البتہ مرد وعورت کی کفنی (کرتہ) میں اس قدر فرق ہے کہ مرد کی کفنی مونڈھے پر سے چیریں اور عورت کے لئے سینہ کی طرف سے۔

مسئلہ:...... عورت کے لئے اوڑھنی (سربند) تین ہاتھ (ڈیڑھ گز) ہونی چاہئے۔

مسئلہ:...... سینہ بند چھاتیوں (زیر بغل) سے لے کر رانوں یعنی گھٹنوں تک چوڑا ہو، اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے، سینہ بند اگر چھاتیوں سے لے کر ناف تک ہو تب بھی درست ہے، لیکن رانوں (گھٹنوں) تک ہونا زیادہ بہتر اور اولی ہے تا کہ چلتے وقت کفن رانوں سے اڑے نہیں۔

مسئلہ:...... قریب البلوغ لڑکے کا حکم کفن میں مثل بالغ کے ہے، اور قریب البلوغ لڑکی کا حکم مثل بالغہ عورت کے ہے۔ اور قریب البلوغ لڑکا یا لڑکی سے مراد وہ ہے جو حد شہوت کو پہنچ گیا ہو۔

مسئلہ:...... جو لڑکا حد شہوت نہ پہنچا ہو اس کا کفن ایک کپڑا ہونا جائز ہے، اور دو کپڑے دیئے جائیں تو اچھا ہے۔

مسئلہ:...... چھوٹی لڑکی ہو تو دو کپڑے ادنی درجہ ہے۔

مسئلہ:...... احسن یہ ہے کہ چھوٹا لڑکا ہو یا چھوٹی لڑکی دونوں کو پورا کفن دیا جائے، اگر چہ بچہ

کتنا ہی چھوٹا ہو۔

مسئلہ:......مردہ بچہ یا جس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو اور حمل گر جائے اس کو کفن مسنون نہ دیا جائے ، بلکہ معمولی طور پر نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بغیر غسل مسنون و نماز کے دفن کر دیا جائے ، کیونکہ اس کے لئے کامل احترام نہیں ہے، جیسا کہ کسی انسان کا کوئی عضو گرا پڑا ملے تو اس کو بھی ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے۔

مسئلہ:......خنثی مشکل کو احتیاطاً وہی کفن دیا جائے جو عورت کو دیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں مرد یا عورت ہونے کا احتمال ہے، اور مرد ہونے کے احتمال کی صورت میں کفن میں زیادتی مضر نہیں ہے، لیکن اس کے لئے ریشم اور زعفرانی رنگے ہوئے کپڑوں سے اجتناب کریں، کیونکہ یہ کفن مردوں کے لئے ناجائز ہے، اور خاص عورتوں کے لئے جائز ہے، اور خنثی میں مرد ہونے کا بھی احتمال ہے، اس لئے احتیاط ضروری ہے۔

مسئلہ:......مرد کے لئے تین کپڑوں سے زیادہ کرنے میں پانچ کپڑوں تک مضائقہ نہیں، اور مکروہ نہیں، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

مسئلہ:......اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کو چار یا پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر یہ وصیت کی کہ اس کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو یہ وصیت جاری نہ ہوگی بلکہ اس کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

مسئلہ:......اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ اس کو دس ہزار روپے کا (یعنی بہت قیمتی) کفن دیا جائے تو یہ وصیت بھی جاری نہ ہوگی ، بلکہ اس کو متوسط درجہ کا کفن دیا جائے گا۔

مسئلہ:......کفن اچھا ہونا چاہیے ، مرد کے لئے ایسے کپڑے کا ہونا چاہیے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں جمعہ اور عیدین میں پہن کر نکلتا تھا، اور عورت کے لئے ایسا کپڑا ہو جیسا وہ پہن کر

اپنے والدین کے گھر جایا کرتی تھی (یعنی اس کی قیمت کا اندازہ ہونا چاہئے) یہ مراد نہیں کہ بہت قیمت کا ہو۔

مسئلہ:......بہتر ہے کہ کفن کے کپڑے روئی‘ سوتی کے ہوں، اور سفید ہوں، اور پرانا اور نیا برابر ہے، مگر پرانا ہو تو دھلا ہوا ہو، کیونکہ کفن صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا پسندیدہ ہے۔

نوٹ:......حضرت ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جن کپڑوں میں وہ نماز پڑھتا تھا ان میں کفن دیا جائے، (یعنی اس رنگ اور معیار کے ہوں)۔

مسئلہ:......عورتوں کے لئے ریشمی کپڑے اور زعفران کے رنگے ہوئے کپڑوں کا کفن جائز ہے، لیکن مردوں کے لئے جائز نہیں، (یعنی مکروہ ہے) اس کے علاوہ ہر رنگ اور ہر جنس کا کفن جائز ہے۔

نوٹ:......بعض لوگ کفن میں میت کے سر کے پاس زعفران وغیرہ رکھتے ہیں، یہ جہالت ہے۔

نوٹ:......اصل اس میں یہ ہے کہ: جو کپڑا مرد یا عورت کو زندگی میں پہننا درست و جائز ہے اس کا کفن دینا بھی درست و جائز ہے، اور زندگی میں جس کپڑے کا پہننا جائز نہیں اس کا کفن دینا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ:......اگر میت کا کوئی مال ہو تو کفن اس کے مال سے دیا جائے، اور مقدار سنت تک کفن اس کے ترکہ میں سے دینے کو قرض اور وصیت پر مقدم کیا جائے۔

مسئلہ:......اگر میت کا مال بہت ہو اور وارث کم ہوں تو کفن سنت دینا اولی ہے، اور اگر مال کم ہو اور وارث زیادہ ہوں تو کفن کفایت اولی ہے۔

مسئلہ:......اگر وارثوں میں اختلاف ہو، بعض کہیں کہ دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور بعض

کہیں کہ تین کپڑوں میں دیا جائے تو تین کپڑوں کا کفن دینا چاہئے، اس لئے کہ وہ سنت ہے۔

مسئلہ:......جس مردے کا کچھ مال نہ ہو تو اس کا کفن اس پر واجب ہے جس پر اس کا نفقہ واجب ہے۔

مسئلہ:......اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو جس پر میت کا نفقہ واجب تھا تو اس کو کفن بیت المال سے دیا جائے، اگر بیت المال بھی نہ ہو تو اس کو کفن دینا مسلمانوں پر واجب ہے۔

مسئلہ:......اگر کفن کا کوئی انتظام نہ ہو تو میت کو نہلا کر گھاس میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔

مسئلہ:......اگر کسی کو کفن دے کر دفن کیا گیا اور اس کا کفن چوری ہو گیا تو اگر وہ تازہ دفن ہوا ہے، یعنی اس کی لاش ابھی تازہ ہے اور پھٹی نہیں ہے تو اس میت کے مال سے اس کو دوبارہ کفن مسنون دیں، اور اگر پھر چوری ہو جائے تو پھر کفن دیں، اور جب تک وہ مردہ پھٹے نہیں جتنی دفعہ بھی کفن چوری ہو جائے دیتے رہیں۔

مسئلہ:......اگر میت کا مال وارثوں میں تقسیم ہو گیا ہے تو کفن کی مقدار ان کے حصہ کے مطابق ان سے واپس لیا جائے۔

مسئلہ:......اگر لاش پھٹ چکی ہو تو کفن مسنون کی ضرورت نہیں، ایک کپڑے میں لپیٹ دینا کافی ہے۔

مسئلہ:......مردہ کو سرمہ لگانا ناجائز ہے۔(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۳۱۶ ج ۳)

(۱)......الکفن أنواع ثلاثة : کفن ضرورة ' کفن کفایة ' وکفن سنة ، أما کفن الضرورة أن یکفن فیما یوجد' وأما کفن الکفایة کما قال فی الکتاب : أدنی ما تکفن به المرأة فی ثلاثة اثواب ثوبان وخمار ، وأدنی ما یکفن به الرجل ازارو لفافة۔

(۲)......وأما كفن السنة للرجال قيل : انه ازارورداء و قميص ، وللنساء خمسة : لفافة وازار ودرع وخمار وخرقة ، تربط بها فوق الاكفان عند الصدر فوق الثديين والبطن ، لئلا ينتشر عنها الكفن اذا حملت على السرير ، وعن زفر أنه قال : تربط الخرقة على فخذيها كيلا تضطرب اذا حملت على السرير ، والاولى أن تكون الخرقة بحيث تصل الى الموضعين لتكون أستر لها ، وفى الكافى : وكره لها الاقتصار على ثوبين وله على ثوب الا عند الضرورة ، وفى الظهيرية : فان كان بالمال كثرة وبالورثة قلة فكفن السنة أولى ، وان كان على العكس فكفن الكفاية أولى۔

(۳)......ويكفن الرجل كفن مثله ، وتفسير ذلک أن ينظر الى ثيابه فى حياته حالة الخروج الى الجمعة والعيدين ، والمرأة ما ذا تلبس اذا خرجت الى زيارة أبويها ' أو اذا زارها أبوها ماذا تلبس و تقعد بين يديه ، وقال الفقيه ابوجعفر : كفن المثل أن ينظر الى ما يلبسه الانسان فى الغالب فيكون مثل ذلک الثوب كفنا له .....تكفين الرجل زيادة على ثلاثة أثواب الى خمسة أثواب التى هى كفن النساء ليس بمكروه ولا بأس به۔

(۴)......يبسط للرجل اللفافة وهى تستر من القرن الى القدم ، ثم يبسط عليها ازار وهو من القرن الى القدم أيضا ، ثم يوضع على الازار الميت وبعد ما وضع على الازار يقمص ، وفى شرح الطحاوى : والقميص من المنكبين الى القدمين ' أولا يعطف عليه القميص ان كان ' ثم الازار ' ثم يعطف عليه الرداء أولا يعطف من قبل اليسار ' ثم يعطف عليه من جانب الأيمن ، وفى الحجة : يبسط الثوب الأول على بساط ' ثم يذر عليه الطيب ' ثم يبسط عليه الثوب الثانى ويجعل عليه الطيب ' ثم

الثالث كذلك ، وكلهن يبسط على الطول ' ثم يجعل على الآخر الذريرة۔

(۵)......و يوضع الحنوط فى رأسه ولحيته وسائر جسده ، وفى السغناقى : الحنوط عطر مركب من اشياء طيبة ، وفى المنتقى : لا بأس بأن يجعل شىء من المسك فى الحنوط ، ويوضع الكافور على مساجده ' يريد به جبهته و أنفه و ركبتيه و قدميه ، وفى القدورى : ولا باس بسائر الطيب غير الزعفران وغير الورس فى حق الرجل۔

(۶)......و أما المرأة تبسط لها اللفافة والازار على نحو ما بينا للرجل ، ثم توضع على الازار و تلبس الدرع ' ويجعل شعرها ضفيرتين على صدرها فوق الدرع ، وقال الشافعى : خلف ظهرها اعتبار بحالة الحياة ، ثم يجعل الخمار فوق ذلك ، ثم تعطف اللفافة كما بينا فى الرجل ، ثم الخرقة بعد ذلك تربط فوق الاكفان فوق الثديين ، وفى الهداية : وان خافوا ان ينتشر الكفن عنه عقدوه صيانة عن الكشف۔

(۷)......و الغلام المراهق ' والجارية المراهقة بمنزلة البالغ ' وان كان لم يراهق كفن فى خرقتين : ازار و رداء ، وان كفن فى ازار واحد اجزاه ، وفى الخانية : والطفل الذى لم يبلغ حد الشهوة فالاحسن ان يكفن فيما يكفن البالغ ، وان لفف فى ثوب واحد جاز ، وفى الينابيع : وأدنى ما يكفن فيه الصبى والصغير الثوب الواحد ، والصغيرة ثوبان۔

(۸)......وأما السقط فانه يلف فى خرقة ، قال القدورى فى كتابه : والمحرم وغير المحرم فى ذلك سواء ، يريد به أنه يطيب و يغطى وجهه ورأسه ، والكفن الخلق والجديد سواء...وأحب الاكفان الثياب البيض ، وفى المنتقى : ابراهيم عن محمد : يكفن الميت بما يجوز له لبسه فى حال حياته ، وفى الهداية : ويجمر الاكفان قبل ان يدرج فيها وترا ، وفى شرح الطحاوى : يعنى مرة ' أو ثلاثا أو خمسا ' ولا يزيد

علی ہذا۔

(تاتارخانیہ ۲۵/تا:۳۰ ج ۳، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز ، کتاب الصلوۃ، رقم :۳۶۴۷/ ۳۶۴۸/۳۶۵۰/۳۶۵۱/۳۶۵۲/۳۶۵۳/۳۶۵۴/۳۶۵۵/۳۶۵۶)

(۹)......و اذا نبش المیت وھو طریٌ کفن ثانیا من جمیع المال ، فان قسم المال فھو علی الوارث دون الغرماء ، وأصحاب الوصایا ، وفی الولوالجیة : أجبر القاضی الورثة علی ان یکفنوه من المیراث ، لان الکفن مقدم علی المیراث ویؤخذ منھم علی قدر مواریثھم۔

(تاتارخانیہ ۳۲ ج ۳، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز ، کتاب الصلوۃ، رقم :۳۶۶۳)

(۱۰)......(ویسن فی الکفن له ازار و قمیص و لفافة ، وتکره العمامة) للمیت فی (الاصح) ... ولا بأس بالزیادة علی الثلاثة ، ویحسن الکفن۔

(۱۱)......(وان لم یکن ثمة من تجب علیه نفقته ففی بیت المال ، فان لم) بیت المال معمورا اور منتظما (فعلی المسلمین تکفینه) فان لم یقدروا سالوا الناس له ثوبا، وفی الشامیة : قوله (فعلی المسلمین) ای العالمین به وھو فرض کفایة یاثم بترکه جمیع من علم به۔

(شامی ۸۴ تا ۱۰۱ ج ۳، باب صلوۃ الجنازۃ ، کتاب الصلوۃ ، ط : مکتبة دار الباز ، مکة المکرمة)

کفن کا سینا اور ’’فتاوی محمودیہ‘‘ کا تفرد

نوٹ:......بعض فتاوی میں ہے کہ: کفن کو تہہ کر کے لانا اور مشین سے سینا درست ہے۔

(فتاوی محمودیہ ص ۵۱۴ ج ۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

قمیص کو سی کر پہنانا بہتر ہے، کیونکہ قمیص کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو صرف

گلا پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے۔

(کفایت المفتی ص ٣٢٦ ج ۵، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

دیگر اکابر کی یہ رائے نہیں، اور اسی پر اس وقت عمل ہے۔ سلے ہوئے کپڑے کفن میں استعمال کرنا خلاف سنت ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ص ٢٩٦ ج ۴)

بعض جگہ میت کو کفنانے کے وقت مرد یا عورت پائجامہ اور ٹوپی پہناتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ (احکام میت ص ١٨٠، ط: توصیف پبلی کیشنز، لاہور)

سوال:......مردہ کو مرد ہو یا عورت پائجامہ وٹوپی تاگے سے سی کر کفنانے کے وقت پہناتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب:......سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پائجامہ اور ٹوپی کفن مسنون سے علیحدہ دیا جاتا ہے، تو یہ بالکل فضول ہے اور ناجائز ہے، ٹوپی اور پائجامہ کفن میں داخل نہیں ہیں، اور نہ ثابت ہیں۔... پائجامہ اور ٹوپی کفن میں نہیں ہیں، مردہ کو نہ پہنائے جاویں، اور کچے تاگے اور پکے تاگے سے سینا برابر ہے، کسی تاگہ سے بھی نہ سیا جائے، تہبند بغیر سلا ہوا دیا جاوے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ص ١٩١ ج ۵، ط: دار الاشاعت، کراچی)

عام حالات میں زندہ لوگوں کی طرح سلا ہوا پائجامہ یا کرتا کفن میں استعمال کرنا بھی خلاف سنت ہے، ہاں اگر کوئی کپڑا میسر نہ ہو تو جو کپڑا بھی بدن کو ڈھانپ لے اسے کفن میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (کتاب النوازل ص ٩٣ ج ٦)

(١)......والقميص من أصل العنق الى القدمين بلا دخريص وكمين.....

والدخريص : الشق الذى يفعل فى قميص الحيّ ليتسع للمشى۔

(شامی ص ٩٥ ج ٣، مطلب فى الكفن ، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة، ط : مكتبة دار الباز)

(۲)......والقميص من المنكب الى القدم بلا دخاريص۔

(البحر الرائق ۳۰۷ ج ۲، باب الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط : دار الكتب العلمية ، بيروت)

(۳)......والقميص من أصل العنق الى القدم بلا جيب ودخريص وكمين۔

(عالمگیری ص ۱۷۶ ج ۱، باب فى الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط : دار الكتب العلمية ، بيروت)

اکابر کے چند فتاوی

کوئی مردہ بلا کفن دفن کر دیا جائے تو؟

مسئلہ:......کوئی مردہ بلا کفن دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر کو کھودا نہیں جائے گا، قبر پر ہی نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۳۲۲ ج ۳)

(۱)......ولا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمى ، وفى الشامية : احتراز عن حق الله تعالى كما اذا دفن بلا غسل أو صلوة أو وضع على غير يمينه أو الى غير القبلة ، فانه ينبش عليه بعد اهالة التراب۔

(شامی ص ۱۴۵ ج ۳، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

نجاست سے کفن خراب ہو جائے تو دھونے کا حکم

مسئلہ:......غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد کوئی نجاست نکلے اور کفن ملوث (اور خراب) ہو جائے تو کفن کو دھونا یا دوبارہ کفن بدلنا ضروری نہیں۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم زکریا ص ۴۸۷ ج ۲، ط: مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

حالت احرام میں مرنے والے کے لئے کفن کا حکم

مسئلہ:......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی حالت احرام میں انتقال کر جائے تو اس

کو بھی عام لوگوں کی طرح کفن دیا جائے گا۔(مستفاد: قاموس الفقہ ص۵۶۶ ج۴، مادہ: کفن)

(ا)......ثم المحرم يكفن كما يكفن الحلال عندنا ، أى تغطى رأسه و وجهه ويطيب

(بدائع الصنائع ص۳۲۹ ج۲، فصل فى كيفية التكفين ، ط : دار الكتب العلمية ، بيروت)

(۲)......عن نافع : أنّ عبد الله بن عمر رضى الله عنهما كفّن ابنه واقد بن عبد الله ومات بالجُحفة مُحرِما ، وقال : لولا أنّا حُرُمٌ لطيَّبناه و خمّر رأسه و وجهه۔

ترجمہ:......حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے حضرت واقد بن عبداللہ کا کفن دیا جو حالت احرام میں مقام جحفہ میں انتقال کر گئے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر ہم احرام میں نہ ہوتے تو اسے خوشبو لگاتے، پھر آپ نے اس کا سر اور چہرہ ڈھانپ دیا۔

(مؤطا امام مالک (مترجم وشرح) ص۵۴۸ ج۱، باب تخمير المحرم وجهه ، كتاب الحج والعمرة رقم الحديث:۹۷۵)

اجنبی مرد کا عورت کو کفن پہنانا جائز نہیں

مسئلہ:......اجنبی مرد کا عورت کو کفن پہنانا جائز نہیں۔

(مستفاد: امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص۳۱۶ ج۳)

(ا)......ولا يحل للرجال غسل النساء ، ولا للنساء غسل الرجال الأجانب بعد الوفاة۔(المحيط البرہانی ص۴۵ ج۳، فصل فى الجنازة ، كتاب الصلوة ، رقم :۲۳۷۶)

شوہر کا اپنی بیوی کو نہلانا اور کفنانا

مسئلہ:......شوہر کو اپنی مرحومہ بیوی کو نہلانا اور کفنانا درست نہیں، اور اگر مرحومہ کا کوئی محرم شرعی نہ ہو تو شوہر کا قبر میں اتارنا جائز ہے، اور تابوت میں کندھا دینا ہر حال میں جائز ہے،

ہاں مردہ عورت کو دیکھنا اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

(مرغوب الفتاوی ص ۱۴۸ ج ۳)

(۱)......ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الاصح۔

(درمختار ص ۹۰ ج ۳، فصل فی الجنازة ، کتاب الصلوة ، ط : مکتبة دار الباز ، مکة المکرمة)

کفن پر زمزم کا پانی چھڑکنا

مسئلہ:......کفن پر آب زمزم برکت کے لئے چھڑکنا جائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص ۵۲۱ ج ۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

(۱)......لو وضع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم أوعصاه أوسوطه على قبر عاص ، لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخيرة من العذاب ، ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به و بطانة أستار الكعبة والتكفن بها جائز۔

(تفسیر روح البیان ۵۵۹ ج ۳)

(۲)......ثم يمسح به (أی بماء زمزم) وجهه ورأسه ، ويصب على رأسه قليلا منه ان تيسر له ذلک ، والتوضؤ بماء زمزم والاغتسال به جائز۔

(مناسک ملاعلی قاری ص ۶۳۰ ، کتاب ادعية الحج والعمرة ، الدعاء عند شرب ماء زمزم ، ط: ادارة القرآن، کراچی)

کفن میں کعبہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا رکھنا

مسئلہ:......کفن میں کعبہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا رکھنا جائز ہے، اور موجب برکت ہے، بہتر ہے کہ اس پر کلمہ شریف یا قرآن کریم کی آیت لکھی ہوئی نہ ہو۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل ص ۱۸۷ ج ۵، ط: دار الاشاعت، کراچی)

مسئلہ:......کعبہ شریف کا غلاف اگر خالص ریشم کا ہو تو مرد کو اسمیں کفنانا بہرحال ناجائز ہے۔

(مستفاد: احکام میت ص۴۴، کفن کا بیان، ط: توصیف پبلی کیشنز، لاہور)

(۱)......وفی حق النساء بالحریر والابریسم والمعصفر والمزعفر ویکرہ للرجال ذلک۔

(عالمگیری ص۱۶۷ ج۱، باب فی الجنازة، کتاب الصلوة، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

مسئلہ:......کفن کے مسنون کپڑوں میں کسی بزرگ' اللہ والے کی کوئی چادر وغیرہ بطور تبرک شامل کرنا جائز ہے، لیکن اس میں غلو نہ ہو، اور اس تبرک کے بھروسہ پر عمل میں غفلت نہ ہونے پائے۔ (مستفاد: مسائل میت ص۵۶، ط: لاہور)

زندگی میں کفن خرید کر محفوظ رکھنا

مسئلہ:......زندگی میں کفن خرید کر محفوظ رکھ لینا جائز و درست ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص۵۲۸ ج۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی۔ فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل ص۱۸۳ ج۵، ط: دار الشاعت، کراچی)

(۱)......عن سهل رضی الله عنه : أن امرأة جاء ت النبی صلی الله علیه وسلم بِبُرْدة مَنْسُوجةٍ فیها حاشِیَتُها ، أتدرون ما البردة ؟ قالوا : الشملة ، قال : نعم ، قالت نَسَجْتُها بیدی فجئتُ لأكْسُوَكها ' فأخذها النبی صلی الله علیه وسلم محتاجا الیها ' فخرج الینا وانها ازارة ' فحسّنَها فلان فقال : أكْسُنِیها ما أحسنها ، قال القوم : ما أحسَنْتَ ' لبِسها النبی صلی الله علیه وسلم محتاجا الیها ' ثم سألتَه وعلِمْتَ أنه لا یردُّ ' قال : انّی واللّٰه ما سألته لالبسها ' انما سألته لتكون كفنی ' قال سهل : فكانت كفنه۔

ترجمہ:......حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت (صحابیہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چادر لے کر آئیں جس کے کناروں پر بُنائی کی ہوئی تھی، کیا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: وہ چادر ہے، انہوں نے کہا: ہاں، اس عورت (صحابیہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تا کہ میں یہ آپ ﷺ کو پہناؤں، نبی کریم ﷺ نے یہ چادر لے لی، اس وقت آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی، آپ ﷺ ہمارے پاس وہ چادر پہن کر تشریف لائے، فلاں صاحب نے اس کی تعریف کی، پس کہنے لگے: یہ کتنی اچھی چادر ہے، آپ ﷺ یہ مجھے پہنا دیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا: یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، اس چادر کو نبی کریم ﷺ نے پہنا تھا اور اس وقت آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی، پھر آپ نے اس کو مانگ لیا، اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ سوال کو مسترد نہیں فرماتے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے اس چادر کا سوال نہیں کیا، میں نے اس لئے سوال کیا ہے تا کہ یہ میرا کفن ہو جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پس یہ چادر ان کا کفن بنی۔

(بخاری، باب من استعدّ الكفن فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم فلم یُنكر علیه ، كتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۲۷۷)

(۲)......عن الزهری ' أن سعد بن أبی وقاص لمّا حضره الموت دعا بخلق جبة صوف ' فقال : كفِّنونی فیها ' فانی لقیت فیها المشركین یوم بدر ' وأنا انما كنت اخبئها لهذا۔

ترجمہ:......حضرت زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنا پرانا صوف کا جبہ منگوایا، اور فرمایا: مجھے اس میں کفن دینا، اس لئے کہ میں اسی جبہ کے ساتھ بدر کے دن مشرکین سے ملا ہوں (یعنی جنگ بدر میں یہ جبہ میرے جسم پر تھا) اور میں نے اسی وقت کے لئے اس کو تیار رکھا تھا۔ (مجمع الزوائد ص۹۳ ج۳، باب ما جاء فی الكفن ، كتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۱۰۱)

غیر مسلم کی رقم سے کفن کا حکم

مسئلہ:...... اگر مسلمان میت کا کوئی وارث نہیں اور اس کے کفن دفن کے لئے کسی غیر مسلم نے رقم دی تو اس رقم کا میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا شرعا درست ہے، مگر مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس کا انتظام کریں، غیر مسلم سے نہ مانگیں۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ص۵۲۹ ج۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

مسلمان اور غیر مسلم دونوں کی لاشیں ملیں تو کفن کا حکم

مسئلہ:...... اگر مسلمان اور غیر مسلم دونوں کی کسی حادثہ میں لاشیں ملیں تو دونوں کو ایک ساتھ رکھ کر غسل و کفن دیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ص۵۲۹ ج۸، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

بچہ نے سانس لیا ہو تو اس کو کفن دینا ضروری ہے

مسئلہ:...... کسی بچہ نے ولادت کے بعد سانس لیا ہو، پھر اس کی موت ہوئی ہو تو اس کو غسل دینا، کفن پہنانا، نام رکھنا، نماز جنازہ پڑھنا سب ضروری ہیں۔

(مستفاد: فتاوی عثمانی ص۵۸۵ ج۱)

موضوع سے متعلق چند احادیث وآثار

عمدہ اور اچھا کفن پہنائے

(۱)......جابر بن عبد الله يُحدِّث أنّ النبی صلی الله علیه وسلم خطب یوما ' فذکر رجلا من أصحابه ' قُبِضَ فكُفِّن فی کفن غیر طائلٍ ' وقُبِر لیلا ' فزجر النبی صلی الله علیه وسلم أن يُقبر الرجل باللیل حتّی یصلی علیه ' الا أن یُضطَرَّ انسانٌ الی ذلک ، وقال النبی صلی الله علیه وسلم : اذا کَفَّن أحدُکم أخاه فَلْیُحسِنْ کفنَه۔

ترجمہ:......حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اپنے ایک صحابی کا ذکر کیا جن کو انتقال کے بعد چھوٹے سے کپڑے (جو نہ عمدہ تھا اور نہ پورے ستر کو چھپاتا تھا) میں کفن دیا گیا، اور وہ رات میں دفن کئے گئے، نبی کریم ﷺ نے رات کے دفن کرنے پر زجر (اور تنبیہ) فرمائی یہاں تک کہ ان پر نماز پڑھی جائے، (آپ ﷺ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہوگا) ہاں کوئی مجبوری ہو تو اس کی اجازت ہے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اچھا کفن پہنائے۔

(مسلم، باب فی تحسین الکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۹۴۳)

(۲)......رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : اذا تُوُفِّیَ أحدُکم فوجد شیئا فَلْیُکَفَّنْ فی ثوب حِبَرَةٍ۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لوگوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ورثاء مالدار ہوں تو ان کو چاہئے کہ حبرہ (یمن کی تیار کردہ چادر) کا کفن دیں۔

(ابوداؤد، باب فی الکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۱۵۰)

(۳)......رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : خير الكفن الحُلَّة ، وخير الاُضحية الكَبُش الأقرن۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین کفن حلہ (یعنی جوڑا: ازار و چادر) ہے، اور بہترین قربانی (کا جانور) سینگ والا مینڈھا ہے۔

(ابوداؤد، باب فی الکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۵۶۔ابن ماجہ، باب ما جاء فیما یستحب من الکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۷۳)

(۴)......عن أبى هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : حسنوا أكفان موتاكم ، فانهم (يتباهون) يتزاورون فى قبورهم۔

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کو اچھا کفن دو، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

(اللالی المصنوعة ص۳٦٦ ج ۲۔ کنز العمال ص۲۴۵ ج ۱۵، قسم الاقوال ، الفصل الثالث فی التکفین ، الاکمال ، ط : مکة المکرمة ، رقم الحديث:۴۲۲۵۳۔شعب الایمان بیہقی ص۱۰ ج ۷، الرابع و الستون من شعب الایمان ، باب فی الصلوة علی من مات ، رقم الحديث:۹۲٦۸)

تکفین میں اسراف

(۵)......عن ابى طالب كرم الله وجهه قال : لا تُغَالى فى كفن ، فانِّى سمعت رسول الله يقول : لا تُغالوا فى الكفن فانه يُسْلَبُه سلبًا سريعًا۔

(ابوداؤد، باب كراهية المغلاة فى الكفن ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۵۴)

ترجمہ:......حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: قیمتی (اور بہت مہنگا) کفن اختیار مت

کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم لوگ بیش قیمت کفن مت اختیار کرو، اس لئے کہ وہ بہت جلد خراب ہو جانے والا ہے۔

نئے کپڑے کا زندہ، مردہ سے زیادہ مستحق ہے

(۶)......عن مالک عن یحی بن سعید انه قال : بلغنی ان ابا بکر الصدیق رضی الله عنه قال لعائشة رضی الله عنها وهو مریض : فی کم کُفّن رسول الله صلی الله علیه وسلم ؟ فقالت : فی ثلا ثة أثواب : بیضٍ سُحُولِیَّةٍ ، فقال ابو بکر : خذوا هذا الثوب (لثوب علیه قد أصابه مِشْقٌ أو زعفران) فاغسلوه ثم کَفِّنُونی فیه ' مع ثوبین آخرین فقالت عائشة : وما هذا ؟ فقال ابو بکر : الحی أحوج الی الجدید من المیت ' وانّما هذا لِلمُهْلَة۔

(مؤطا امام مالک (مترجم) ص ۴۰۸ ج ۱، باب ما جاء فی کفن المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث : ۶۲۶۔ اوجز ص ۴۱۶ ج ۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۵ ج ۷، ما قالوا فی کم یکفّن المیت ، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۱۔ بخاری، باب موت یوم الاثنین ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۳۸۷)

ترجمہ:......حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: حضرت یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی بیماری میں فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ کی تکفین کتنے کپڑوں میں ہوئی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ: تین سحولی سفید کپڑوں میں، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کپڑے لے لو جو وہ پہنے ہوئے تھے، اور ان پر گرد یا زعفران لگا ہوا تھا، انہیں دھولو اور ان میں اور دو مزید کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: یہ کیا بات ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نئے کپڑوں کا زندہ، مردہ سے

زیادہ مستحق ہے، اور مردے کا کفن تو خون اور پیپ کے لئے ہے۔

سفید کپڑوں میں مردوں کو کفن دو

(۷)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : البِسوا من ثِيابكمُ البَياض فانّها من خير ثيابكم و كَفِنوا فيها موتاكم۔وفي رواية النسائي : فانها أطهر و أطيب۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے کپڑوں میں سفید کپڑے پہنو، کیونکہ سفید کپڑا تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہے، اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ اور نسائی کی روایت میں ہے: سفید کپڑے پاکیزہ ترین اور بہت طیب ہیں۔

(ترمذی، باب ما يستحب من الاكفان ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۹۹۴۔نسائی، أیّ الكفن خير كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۸۹۷۔ابن ماجہ، باب ما جاء فيما يستحب من الكفن ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۷۲)

میت کو دھونی دو تو تین بار دھونی دو

(۸)......عن جابر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا أجْمَرْتُم الميتَ فأجْمِروه ثلاثا۔

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت کو دھونی دو تو تین بار دھونی دو۔

(مسند احمد ص ۴۱۱ ج ۲۲، ترجمة جابر بن عبد الله رضى الله عنه ، رقم الحديث:۱۴۵۴۰)

آپ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا

(۹)......عن عائشة رضى الله عنها قالت : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كُفِّن

فی ثلاثة أثواب یمانیةٍ سُحولِیَّةٍ من کُرسُفٍ ' لیس فیھنّ قمیص ولا عِمامة۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :رسول اللہ ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا جو یمنی سحولی روئی سے بنے ہوئے تھے،نہ ان میں قمیص تھی نہ عمامہ۔

(بخاری، باب الثیاب البیض للکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۲۶۴)

(۱۰)......قال عمر رضی اللہ عنه : یُکَفَّن الرّجل فی ثلاثة أثواب ' لا تَعْتَدُوا ' انّ اللہ لایحب المعتدین۔

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا اور حد سے تجاوز مت کرو، بیشک اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱٦٦ ج۷، ما قالوا فی کم یکفن المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:

۱۱۱٦۴)

دو کپڑوں میں کفن دینا

(۱۱)......عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : بینما رجل واقف بعرفة اِذْ وقع عن راحلته فَوَقَصَتْه – أو قال : فَأَوْقَصَتْه – قال النبی صلی اللہ علیه وسلم : اغسلوه بماء وسِدر و کَفِّنوه فی ثوبین ، الخ۔

(بخاری، باب الکفن فی ثوبین ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۲۶۵)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک صاحب میدان عرفات میں کھڑے تھے اچانک وہ اپنی اونٹنی سے گر گئے ، پس اونٹنی نے ان کو شہید کر دیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور ان کو دو کپڑوں میں کفن دو۔

کفن ضرورت اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

(۱۲)......خبّابا رضی الله عنه قال : هاجرنا مع النبی صلی الله علیه وسلم نرید وجه الله فوقع اجرنا علی الله ' فمنّا من مضی لم یأخذ من أجره شیئا ، منهم مصعب بن عمیر قُتِل یوم اُحد و ترک نَمِرَةً فکنّا اذا غطَّینا بها رأسه بدت رِجلاه ' واذا غطَّینا رِجلَیه بدت رأسه ' فأمرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم : ان نُغَطِّی رأسه ونجعل علی رجلیه شیئا من اِذخِرٍ ، ومنّا من أینَعت له ثمرتُه فهو یَهدبُها۔

ترجمہ:......حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ، ہماری نیت صرف اللہ تعالی کی رضا تھی ،سو ہمارا اجر تو اللہ تعالی کے بھروسہ پر ہے،ہم میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اجر میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا، ان میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں' جوغزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، ان کے ترکہ میں صرف ایک دھاری دار چادر تھی جب ہم اس چادر سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پیر کھل جاتے اور جب ہم ان کے پیر ڈھانپتے تو ان کا سر کھل جاتا، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ: ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور ان کے پیروں پر تھوڑی سی اذخر گھاس رکھ دیں، اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کے (نیک) اعمال کے پھل پک گئے اور اب وہ ان پھلوں کو کاٹ رہے ہیں۔

(بخاری، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم وأصحابه الی المدینة ، کتاب مناقب الانصار ، رقم الحدیث:۳۸۹۷)

(۱۳)......عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم : کفن حمزة بن عبد المطلب فی نمرة فی ثوب واحد۔

ترجمہ:......حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک دھاری دار اونی چادر میں کفن دیا۔

(ترمذی، باب ما جاء فی کم کفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۹۹۷)

تشریح:......نمرۃ: وہ اونی چادر جس میں سیاہ وسفید دھاریاں ہوں۔ معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک کپڑے میں کفن دینا بھی جائز ہے۔ (تحفۃ الالمعی ص ۱۰۴ ج ۳)

(۱۴)......عن هشام بن عروة قال : اِنّ غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كُفِّن فی ثوب واحد۔

ترجمہ:......حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ہی کپڑے میں کفن دیئے گئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۱ ج ۷، ما قالوا فی کم یکفن المیت ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۱۱۸۷)

کفن: ایک، تین، پانچ کپڑوں میں سب جائز ہیں

(۱۵)......سُئل جابر بن زيد عن الميت كم يكفيه من الكفن ؟ قال : كان ابن عباس رضی الله عنهما يقول : ثوب ، أو ثلا ثة أثواب أو خمسة أثواب۔

ترجمہ:......حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: میت کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک کپڑے میں، تین کپڑوں میں، پانچ کپڑوں میں (سب جائز ہیں)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۶۶ ج ۷، ما قالوا فی کم یکفن المیت ، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۶)

عورت کا کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ

(۱۶)......أنّ ليلى بنت قانِف الثَّقَفِيَّة قالت : كنتُ فيمن غسّل اُمّ كلثوم ابنةَ رسول الله صلى الله عليه وسلم عند وفاتها ' فكان أوّل ما أعطانا رسول الله صلى الله عليه وسلم الحِقَاء ' ثم الدِّرْع ' ثم الخِمار ' ثم المِلْحَفَة ' ثم اُدْرِجَتْ بعدُ فى الثّوب الآخر، قالت : ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالسٌ عند الباب معه كفنُها ' يُنَاوِلُنَاها ثوباً ثوباً۔

ترجمہ:......حضرت لیلی بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں ان میں سے ہوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو وفات کے بعد غسل دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پہلے ازار' پھر قمیص' پھر سر بند' پھر لفافہ ہمیں عطا فرمایا، پھر ایک اور کپڑے میں ان کو لپیٹا گیا، حضرت لیلی بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ دروازہ کے پاس تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس ان کا کفن تھا، اور ترتیب سے ایک ایک کپڑا ہمیں عنایت فرماتے تھے۔

(ابوداؤد، باب فی کفن المرأة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۱۵۷)

اپنے مردوں کے چہروں پر خوشبو لگاؤ

(۱۷)......عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : خمروا وجوه موتاكم ' ولا تشبهوا باليهود۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کے چہروں پر خوشبو لگاؤ، اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔

(مجمع الزوائد ص۹۲ ج۳، باب ما جاء فی الکفن ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۰۹۷)

میت کے سجدوں کی جگہ پر کافور لگائی جائے

(۱۸)......عن ابن مسعود رضی الله عنه قال : یوضع الکافور علی موضع سجود المیت۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میت کے سجدوں کی جگہ پر کافور (خوشبو) لگائی جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۷ ج ۷، فی الحنوط کیف یُصنع به وأین یُجعل ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۱۱۳۳)

....

آب زمزم سے کفن کے کپڑے کو تر کرنا

راقم الحروف نے اپنے رسالہ ''آب زمزم'' میں اس موضوع پر لکھا تھا، اسی کو من وعن نقل کرتا ہوں:

آب زمزم کے فضائل احادیث میں بکثرت آئے ہیں۔ان واردشدہ فضائل کی بنا پر بعض حجاج کفن کو زمزم کے پانی سے تر کر کے سکھا کر تبرکاً رکھ لیتے ہیں۔آیا ان حضرات کا یہ عمل جائز یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے علماء وارباب افتاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمہم اللہ جواز کے قائل ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، اور حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب کا رجحان عدم جواز کا ہے۔حضرت مفتی محمود حسن صاحب

گنگوہی کے فتوی سے عدم جواز اور ملفوظات سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرف کے فتاوی درج ذیل ہیں:

قائلین عدم جواز کے فتاوی

(۱)......سوال: ایک حاجی اپنے احرام کے کپڑے اس نیت سے محفوظ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے ان میں کفن دیا جائے۔ بعض لوگ کپڑے کا تھان زمزم میں بھگو کر اسی غرض سے محفوظ رکھتے ہیں، سنت یا آثار سلف سے ان باتوں کی کوئی سند و دلیل ملتی ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی یہ بدعت حسنہ ہوگا یا سیئہ؟

جواب:......صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا ہے، لیکن فقہاء آب زمزم سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہتے ہیں جو صریح دلیل ہے کہ اس پانی کا احترام واجب ہے۔ دوسری جگہ فقہاء نے یہ مسئلہ بھی صراحۃً لکھا ہے کہ: اشیاء محترمہ کی حفاظت میت کی پیپ اور نجاست سے واجب ہے۔

امر اول کی تصریح ''درمختار'' ''کتاب الطهارت ''اور''کتاب الحج ''میں ہے اور امر دوم کی ''شامی'' ''کتاب الجنائز ''میں ہے۔ ان تمام جزئیات کے مجموعے سے اس فعل کی کراہت مستفاد ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کی صیانت واجب نہ ہو اور اس میں کسی طرح کی برکت کی امید بھی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۳۲۶ ج ۳، سوال نمبر: ۶۷۹)

نوٹ:......اصل سوال وجواب فارسی میں ہے، ترجمہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ کے حاشیہ سے ماخوذ ہے۔ (ص ۱۵۷ ج ۱)

(۲)......سوال: کفن کا آب زمزم سے تر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:......حامدا و مصلیا: قبر میں میت کا جسم پھٹتا ہے، نجاست بھی کفن کو لگتی ہے، زمزم شریف قابل احترام ہے، اس کو نجاست سے بچانا چاہئے، اس لئے کفن کو زمزم سے تر کرنا مناسب نہیں ''امداد الفتاوی'' میں ایسا ہی لکھا ہے، فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ ص۸۰ ج۱۷)

حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات میں اس مسئلہ پر تفصیل ہے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت لوگ آجکل زمزم کے پانی میں کپڑے کو بھگو کر لاتے ہیں، تاکہ کفن میں اس کو استعمال کیا جائے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو ارشاد فرمایا:

''فتاوی امدادیہ'' میں لکھا ہے کہ: زمزم میں بھگویا ہوا کپڑا کفن میں نہ دیا جائے، کیونکہ جس میں کفن دیں گے، اس میں لاش پھولے گی، خون پیپ بہے گا، آب زمزم میں بھگوئے ہوئے کپڑے کی بے حرمتی ہوگی۔

اور ''فتاوی عزیزیہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ: میرے فلاں عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ زمزم میں بھگویا ہوا کپڑا عنایت فرمایئے۔ تو جواب میں فرمایا کہ: دادہ خواہد شد، یعنی تم کو دیدیا جائے گا، اس پر کچھ نکیر نہیں فرمائی۔

میں کہتا ہوں کہ: زمزم میں تر کئے ہوئے کپڑے سے بہت زیادہ مبارک اور متبرک کپڑا تو وہ ہے کہ جس کو حضور ﷺ نے زیب تن فرمایا اور پھر عبد اللہ بن ابی بن سلول کے لئے مرحمت فرمایا، جس میں اس کو اس کے صاحبزادے صحابی نے کفن دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک صحابی نے ازار ہدیہ میں پیش کیا، حضور ﷺ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور حضور ﷺ نے اس کو پہن لیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو

بہت اچھی لگتی ہے یہ مجھے عنایت فرمادیجئے، حضور ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا، اندر تشریف لے گئے اور ازار بدل کر لاکر عنایت فرمادی، ان صحابی نے اس کو لیا جس کو آپ نے پسند فرمایا تھا، صحابی نے کہا: میں نے پہننے کے لئے تھوڑا ہی لیا تھا، میں نے اپنے کفن کے لئے تبرک کے طور پر لیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ کپڑا جو حضور ﷺ کے جسم اطہر سے لگا، زمزم سے بہت زیادہ متبرک ہے، مگر اس کا اہتمام کرنا برا ہے جیسا کہ حاجی لوگ زمزم میں ڈبو کر سکھا کر لاتے ہیں، ایسا اہتمام غلط ہے، ہاں بغیر اہتمام کے ایسا کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ص ۳۲ ر قسط: سادس)

(۳)......حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بہت سے عوام الناس کفن کے لئے لٹھا وغیرہ سفید کپڑے کے تھان آب زمزم سے تر کر کے سکھاتے اور اپنے ہمراہ لاتے ہیں، اس بات کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کیا۔ (عمدۃ الفقہ ص ۶۷۰ ج ۴، فضائل آب زمزم)

قائلین جواز کے فتاوی

(۱)......سوال: کپڑے کو زمزم کے پانی میں تر کر کے خشک ہونے کے بعد کفن میں استعمال کر سکتے ہیں؟ بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

جواب:...... ہاں! حصول برکت کی غرض سے آب زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔

ولذا قال فی الاسرار المحمدیة: لو وضع شعر رسول اللہ أو عصاہ أو سوطه علی قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب، ومن ھذا القبیل

ماء زمزم والکفن المبلول به وبطانة استار الکعبة والتکفین بها۔

(تفسیر روح البیان ص ۵۵۹ رمطبوعہ مصر)

اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔قمیص مبارک اور تہبند شریف کو کفن میں استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔(فتاوی رحیمیہ ص ۳۶۲ ج ۱)

(۲)......سوال: بندہ حج کے لئے گیا تھا، اس وقت میں نے احرام کا کپڑا آب زمزم میں تر کیا تھا، جو آج بھی میرے پاس موجود ہے، اس کا استعمال کس طرح کرنا چاہئے؟ اپنے یا اپنی بیوی کے کفن کے لئے رکھ دوں، یا رشتہ داروں کو تبرکاً تھوڑا تھوڑا تقسیم کردوں، یا کسی کمیٹی کو دیدوں جو مناسب سمجھ کر کسی غریب کے کفن کے لئے دیدیں۔غرض جو صورت آپ کو مناسب معلوم ہو اور اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو اس سے مطلع فرمائیں ،انشاء اللہ اسی پر عمل کروں گا۔

جواب:......احرام کی چادر جس کا سوال میں ذکر ہے، بوسیدہ ہونے سے پہلے پہلے اس کو استعمال کر لینا چاہئے کہ وہ بوسیدہ ہونے کے بعد کفن کے لئے قابل استعمال نہیں رہے گی۔

آپ مالک ہیں، بیچ بھی سکتے ہیں، مالی حالت اچھی ہو تو للہ اور بخشش کے طور پر دیدینا بہتر ہے۔ رشتہ داروں اور نیک لوگوں کے کفن کے لئے دینا بہتر ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔(فتاوی رحیمیہ ص ۴۹۸ ج ۱۰)

''امداد الفتاوی'' کا جو فتوی اوپر نقل کیا گیا ہے اس پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تسامح کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

زمانۂ قدیم سے عرب وعجم کے تمام حجاج میں بلانکیر یہ عمل جاری ہے، لہذا حتی الامکان ان کے فعل کو صحیح محمل پر محمول کرنا بہتر ہے۔احقر کے خیال میں مجیب علیہ الرحمہ کے دلائل

قیاسیہ سے ''روح البیان'' کا مندرجہ ذیل جزئیہ اولی ہے: ولذا قال فی الاسرار، الخ۔

اور ماءِ زمزم سے غسل کرنے کا جواز تمام کتب فقہ میں مصرح ہے، اور غسل کے بعد پانی خشک ہوجاتا ہے، ایسے ہی تر کردہ کفن کا پانی بھی خشک ہوجاتا ہے، عین باقی نہیں رہتی۔ رہا تبرک تو وہ ایک امر معنوی ہے، فافهم فانه دقيق۔ (امداد الفتاوی ص ۴۷۸ ج ۱)

''امداد الفتاوی'' کے جواب پر حاشیہ میں ہے:

اس جواب پر بھی کلام کیا گیا ہے، جو ملحقات تتمۂ اولی ''امداد الفتاوی'' میں درج ہے، اور کلام صحیح ہے، یعنی کفن کو آب زمزم میں تر کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔

مزید تفصیل اصلاحات ملحقات میں دیکھو۔ تصحیح الاغلاط ص ۲۱۔ (حوالۂ بالا)

(۳)......سوال: آب زمزم سے دھوئے ہوئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:......آب زمزم سے دھوئے ہوئے کپڑے میں کفن دینا جائز ہے، البتہ اس طرح آب زمزم سے کفن دھونا سلف سے ثابت نہیں ہے۔ غالبا حصول برکت کے لئے لوگوں میں اس کا رواج ہوا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۰۲ ج ۳)

(۴)......جواب: برکت کے حصول اور عذاب سے نجات کے لئے کوئی متبرک اپنے پاس رکھنا یا اس کو استعمال کرنا مرخص ہے، اسی طرح آب زمزم سے تر شدہ کفن استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ (فتاوی حقانیہ ص ۴۶۳ ج ۳)

(۵)......جواب: آب زمزم متبرک پانی ہے۔ کپڑے یا بدن سے نجاست حقیقیہ زائل کرنے کے لئے اسے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں حصول برکت کے لئے اس میں کپڑا بھگوکر لانا درست ہے۔ (خیر الفتاوی ص ۲۰۷ ج ۴)

(۶)......مسئلہ: تبرک کے طور پر آب زمزم میں تر کیا کفن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں،

بلکہ باعث برکت ہے۔(احکام میت ص۴۳،کفن کا بیان)

(۷)......حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا کہ: میرے فلاں عزیز کا انتقال ہوگیا ہے، زمزم میں بھگویا ہوا کپڑا عنایت فرمائیے۔تو جواب میں فرمایا:''دادہ خواہد شد''یعنی تم کو دیدیا جائے گا،اس پر کچھ نکیر نہیں فرمائی۔

(ملفوظات فقیہ الامت ص۳۲ر قسط: سادس)

نوٹ:......حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ آپ کے پاس زمزم میں تر کیا ہوا کپڑا محفوظ رہتا ہوگا،تب ہی تو سائل نے سوال کیا،اور آپ نے دینے کا وعدہ فرمایا۔

''فضل ماء زمزم''میں ہے:

وعلى هذا المبدأ الايمان ببركة ماء زمزم حتى لما بعد الموت ما يفعله كثير من الناس منذ عهد قديم و حتى هذا اليوم ،حيث يَغْمِسون ثوباً من القماش بماء زمزم ، ثم يتركونه ليجفّ ، ويحتفظون به ليكون كفنا لهم ، راجين بركته و حسن عائدته ،

وفى حاشيته :

ذكر هذ الامر عمن قبله الامام الفقيه المالكى محمد بن عبد السلام المتوفى سنة ۷۴۹ ،كما فى مواهب الجليل لشرح مختصر خليل للحطاب ۱/ ۴۶، ومثله ايضا فى التزام مالا يلزم لابن طولون (مخطوطة) بل هو من زمن بعيد ، فقد قال الثعالبى المتوفى سنة ۴۲۹ فى ثمار القلوب ص ۵۵۹ : "وكم من غاسل ثيابه بمائه أى زمزم لما يرجوه من بركته ، وحسن عائدته۔(ماء زمزم ص۱۴۳)

علماء کی ان تحریرات اور فتاوی سے معلوم ہوا کہ کفن کو زمزم میں تر کر کے رکھنا جائز

ہے، البتہ اس میں غلو نہیں ہونا چاہئے ،بغیر کسی اہتمام کے ایسا کیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ویسے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''کفن میں کعبہ شریف کا غلاف تبرکاً رکھ دینا درست ہے''۔(دین کی باتیں ص۱۶۳)

کعبہ شریف کا غلاف بھی تو محترم شئی ہے، جب اس میں کوئی بے حرمتی نہیں تو ماءِ زمزم تو خشک ہو جاتا ہے اس میں بھی کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے۔

البتہ اس امر کا اہتمام زیادہ ہونے لگے تو یقیناً قابل نکیر ہو جائے گا۔امر مستحب اور مندوب پر اصرار کو فقہاء نے منع لکھا ہے۔(دیکھئے ص ۷۵)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات میں بھی ہے:''ہاں بغیر اہتمام کے ایسا کیا جائے تو کچھ حرج نہیں''۔(ملفوظات فقیہ الامت ص۳۲ رقسط: سادس)

(ماخوذ: تحفۂ حرم ص۔مرغوب المسائل ص ج۲)

جنازہ اور قبر کے چند مسائل

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

جنازہ کے ساتھ چلنے کا طریقہ

جنازہ کے ساتھ آگے چلنا چاہئے یا پیچھے ؟اور جنازہ کے آگے صف بنانا

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

جنازہ کے ساتھ آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟ اور جنازہ کے آگے صف بنانا

سوال:...... جنازہ لے جاتے وقت میت کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے، اور جنازہ اٹھانے کے لئے آگے صف بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:حامدا ومصلیا ومسلما:...... جنازہ کے ساتھ آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر طرف چلنا بالاتفاق جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ (درس ترمذی ص۲۹۳ ج۳)

مسئلہ:...... جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ومستحب ہے، اس لئے کہ جنازہ متبوع ہے اور متبوع تابع سے آگے ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:...... جنازہ کے دائیں بائیں نہ چلیں، کیونکہ اس میں مستحب یعنی پیچھے چلنے کا ترک لازم آتا ہے، پس یہ خلاف اولی ہے، لیکن اگر ایسا کریں تو مضائقہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ پیچھے اطمینان سے چلیں۔

مسئلہ:...... تمام لوگوں کا جنازہ سے آگے چلنا اور جنازہ کا اکیلا سب کے پیچھے ہونا مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر بعض لوگ جنازہ کے آگے چلیں تو جائز ہے، اور اس میں بھی فضیلت ہے، اور پیچھے چلنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ (مستفاد: عمدۃ الفقہ ص۵۱۲ ج۱)

(۱)......(تتمة) الأفضل للمشيع للجنازة المشي خلفها ويجوز أمامها الا أن يتباعد عنها أو يتقدم الكل فيكره ولا يمشي عن يمينها ولا عن شمالها۔

(فتح القدیر ص۱۴۳ ج۲، فصل فی حمل الجنازة ، کتاب الصلوة ، ط: دارالکتب العلمیہ ، بیروت)

(۲)......(وندب المشي خلفها) لانها متبوعة ،...ولا يمشي عن يمينها و يسارها (ولو مشى أمامها جاز) ...لكن (ان تباعد عنها أو تقدم الكل كره)۔

(الدرالمختار ص۱۳۷ ج۳، باب صلوة الجنازة ، کتاب الصلوة ، ط: مکتبہ دارالباز، مکۃ المکرّمہ)

جنازہ کے دائیں بائیں چلنے کے جواز کے دلائل

(۱)......قال انس رضی الله عنه : انتم مُشَيِّعُون ' فامشوا بين يديها وخلفها وعن يمينها وعن شمالها۔

(بخاری، باب السرعة بالجنازة ، كتاب الجنائز ، قبل رقم الحديث:۱۳۱۵)

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تم جنازہ کو رخصت کر رہے ہو' پس تم اس کے آگے چلو اور پیچھے چلو اور دائیں چلو اور بائیں چلو۔

(۲)......النبی صلی الله عليه وسلم قال : الرّاكب يسير خلف الجنازة ' والماشی يمشی خلفها وأمامها وعن يمينها وعن يسارها قريب [قريبا] منها ، الخ۔

(ابوداؤد، باب المشی أمام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۸۰۔ترمذی، باب ما جاء فی الصلوة علی الاطفال ، ابواب الجنائز ، رقم الحديث:۱۰۳۱۔نسائی، مكان الراكب من الجنازة رقم الحديث:۱۹۴۴۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی شهود الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۸۱)

ترجمہ:......نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے رہے، اور چلنے والا جنازہ کے پیچھے یا آگے یا دائیں یا بائیں (جہاں چاہے چلے) جنازہ کے قریب رہیں۔

(۳)......قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ' الراكب خلف الجنازه ' والماشی حيث شاء۔

(طحاوی ص۵ ج۲ (ط: دارالکتب العلمیہ ، بیروت) باب المشی فی الجنازة أين ينبغی أن يكون منها، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۲۶۹۲)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے چلے، اور چلنے والا جہاں چاہے چلے (آگے' پیچھے، دائیں یا بائیں)۔

جنازہ کے ساتھ آگے چلنے کے جواز کے دلائل

(۱)......عن سالم عن أبيه رضى الله عنهما قال : رأيت النبى صلى الله عليه وسلم وأبا بكر و عمر يمشون أمام الجنازة۔

(ابوداؤد، باب المشى أمام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۷۹۔ترمذی، باب ما جاء فى المشى امام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۰۰۷۔نسائی، مكان الماشى من الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۹۴۶۔ابن ماجہ، باب ما جاء فى المشى امام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۸۲)

ترجمہ:......حضرت سالم رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ ،حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(۲)......النبى صلى الله عليه وسلم قال : الرّاكب يسير خلف الجنازة ' والماشى يمشى خلفها وأمامها وعن يمينها وعن يسارها قريب [قريبا] منها ، الخ۔

(ابوداؤد، باب المشى أمام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۸۰۔ترمذی، باب ما جاء فى الصلوة على الاطفال ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۰۳۱۔نسائی، مكان الراكب من الجنازة كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۹۴۴۔ابن ماجہ، باب ما جاء فى شهود الجنائز ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۸۱)

ترجمہ:......نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے رہے، اور چلنے والا جنازہ کے پیچھے یا آگے یا دائیں یا بائیں (جہاں چاہے چلے) جنازہ کے قریب رہیں۔

(۳)......عن ربيعة بن هُدَير انه رأى عمر بن الخطاب رضى الله عنه يُقَدِّم الناس

امام جنازة زينب بنت جحش رضى الله عنها۔

(موطا امام محمد (مترجم) ص۱۵۱، باب المشى بالجنائز والمشى معها ، رقم الحديث:۳۰۶)

ترجمہ:......حضرت ربیعہ بن ہدیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں لوگوں کو آگے کرتے ہوئے دیکھا۔

(۴)......عن سالم ، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما انه كان يمشى أمام الجنازة ، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمشى بين يدى الجنازة ، و أبو بكر وعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهم ، وكذلك السنة فى اتباع الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت سالم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی جنازہ کے آگے چلتے تھے، اور جنازوں کے ساتھ چلنے کا یہی طریقہ ہے۔

(۵)......عن عبد الاعلى قال : سألت سعيد بن جبير عن المشى أمام الجنازة ، فقال : نعم رأيت ابن عباس رضى الله عنهما يمشى أمام جنازة۔

ترجمہ:......حضرت عبدالاعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے جنازہ کے آگے چلنے کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ہاں، (چل سکتے ہیں) میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(طحاوی ص۵ ج۲ (ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت) باب المشى فى الجنازة أين ينبغى أن يكون منها، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۲۶۸۱/۲۶۸۶)

(۶)......عن أبی حاتم قال : رأیت أبا هريرة والحسن بن علی يمشيان أمام الجنازة،

ترجمہ:......حضرت ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(۷)......عن صالح مولى التوأمة قال : رأیت أبا هريرة و أبا قتادة وابن عمر وأبا اُسيد يمشون أمام الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو قتادہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہم کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(۸)......كان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم يمشون أمام الجنازة ' حتى اذا تباعدوا عنها قاموا ينتظرونها۔

ترجمہ:......حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازہ کے آگے چلتے تھے، (پھر جب وہ حضرات آگے چلتے ہوئے) زیادہ آگے نکل جاتے تو وہاں کھڑے ہوکر جنازہ کا انتظار کرتے تھے۔

(۹)......عن ابراهيم قال : رأیت علقمة والاسود يمشيان أمام الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(۱۰)......عن ابن عون قال : سألت محمدا عن المشى أمام الجنازة ؟ فقال : لا أعلم به بأسا ، قال : وكان القاسم وسالم يفعلانه۔

ترجمہ:......حضرت ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت محمد رحمہ اللہ سے

جنازہ کے آگے چلنے کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اور حضرت قاسم اور حضرت سالم رحمہما اللہ ایسا کرتے تھے (یعنی جنازہ کے آگے چلتے تھے)۔

(۱۱)......عن ابی العالیة قال : خلفها قریب وأمامها قریب ' وعن یسارها قریب ' وعن یمینها قریب۔

ترجمہ:......حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جنازہ کے پیچھے چلنے والا بھی قریب ہے اور اس کے آگے چلنے والا بھی قریب ہے، اور بائیں چلنے والا بھی قریب ہے اور دائیں چلنے والا بھی قریب ہے۔

(۱۲)......عن عطاء قال : رأیت ابن عمر وعبید بن عمیر یمشیان أمام الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

(۱۳)......عن العَقّار بنِ المغیرة قال : کنتُ أمشی خلف الجنازة ' فجاء أبوهریرة فوضع فَقَاری بین اِصبعیه ' ثم دفعنی حتی تقدّمت أمام الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت عقار بن مغیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک جنازے کے پیچھے چل رہا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میری ریڑھ کی ہڈی کے درمیان انگلیاں رکھ کر مجھے دھکیلا یہاں تک کہ میں جنازے کے آگے پہنچ گیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۹/۲۱۰/۲۱۱ ج۷، فی المشی أمام الجنازة من رخص فیه ، کتاب الجنائز رقم الحدیث: ۱۱۳۳۸/۱۱۳۳۹/۱۱۳۴۰/۱۱۳۴۱/۱۱۳۴۳/۱۱۳۴۵/۱۱۳۴۶/۱۱۳۴۷/۱۱۳۴۸)

(۱۴)......عن سعد بن طارق الاشجعی قال : قلت لأبی حازم : هل حفظت جنازة

مشی معها قوم من الفقهاء امامها ؟ قال : نعم ، رأیت عبد الله بن عمر وحسن بن علی وابن الزّبیر یمشون أمامها حتی وضعت۔

(سنن کبری بیہقی ص۳۴۱ ج۷، باب المشی أمام الجنازة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۹۴۳)

ترجمہ:......حضرت سعد بن طارق اشجعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو حازم رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا آپ کو فقہاء میں سے کسی کا جنازے کے آگے چلنے کا واقعہ یاد ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حسن بن علی، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ حضرات جنازہ کے آگے چلتے تھے، یہاں تک کہ وہ رکھا جائے۔

جنازہ کے پیچھے چلنے کے جواز کے دلائل

(۱)......عن ابن مسعود قال : سألنا نبیّنا صلی الله علیه وسلم عن المشی مع الجنازة ، فقال :ما دون الخَبَبِ ، ان یکن خیرا تُعَجِّلُ الیه ، وان یکن غیر ذلک فبُعُداً لأهل النار ، والجنازة متبوعةٌ ولا تُتبَع ، لیس معها من تقدَّمها۔

(ابوداؤد، باب الاسراع بالجنازة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۱۸۴۔ترمذی، باب ما جاء فی المشی خلف الجنازة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۰۱۱۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی المشی امام الجنازة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۸۴)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ سے جنازہ کے ساتھ چلنے کے متعلق سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خبب سے کچھ کم، وہ جنازہ اگر نیک ہے تو اس کی طرف جلدی کرو، اور اگر اس کے علاوہ ہے تو دوری ہو دوزخ والوں کے لئے، اور جنازہ کو آگے ہی رہنا چاہئے نہ کہ پیچھے اور جو شخص جنازہ سے

آگے چلتا ہے تو وہ گویا کہ اس جنازہ کے ساتھ ہی نہیں ہے۔

تشریح:.......''خَبَب'' دوڑنے کی ایک قسم ہے، جنازہ میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

(۲)......النبی صلی الله علیه وسلم قال : الرّاکب یسیر خلف الجنازة ' والماشی یمشی خلفها وأمامها وعن یمینها وعن یسارها قریب [قریبا] منها ، الخ۔

(ابوداؤد، باب المشی أمام الجنازة ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۱۸۰۔ترمذی، باب ما جاء فی الصلوة علی الاطفال ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۰۳۱۔نسائی، مکان الراکب من الجنازة کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۹۴۴۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی شهود الجنائز ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۴۸۱)

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے رہے، اور چلنے والا جنازہ کے پیچھے یا آگے یا دائیں یا بائیں (جہاں چاہے چلے، سب) جنازہ کے قریب ہیں۔

(۳)......عن انس بن مالک رضی اللّٰه عنهما : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ' وأبا بکر و عمررضی الله عنهما کانوا یمشون أمام الجنازة وخلفها۔

(طحاوی ص۵ ج۲ (ط: دارالکتب العلمیہ ، بیروت) باب المشی فی الجنازة أین ینبغی أن یکون منها، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۲۶۹۰)

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (کبھی) جنازہ کے آگے اور (کبھی جنازہ کے) پیچھے چلتے تھے۔

(۴)......عن سهل بن سعد قال : رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یمشی خلف الجنازة۔

ترجمہ:......حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو جنازہ کے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا۔

(معجم طبرانی کبیر ص۱۶۱ ج۶، عبد الحميد بن سليمان اخو فليح عن أبى حازم ، رقم الحديث: ۵۸۵۳)

(۵)......عن ابن طاووس عن أبيه قال : ما مشى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة حتى مات الا خلف الجنازة۔

(مصنف عبد الرزاق ص۴۴۵ ج۳، باب المشى امام الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث: ۶۲۶۲)

ترجمہ:......حضرت ابن طاوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ وفات تک کسی جنازہ کے آگے نہیں چلے۔

(۶)......قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لكل امة قربان ' وان قربان هذه الامة موتاها ' فاجعلوا موتاكم بين ايديكم۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے لئے (نذر) اور قربانی ہے، اور اس امت کی قربانی ان کی موت ہے، پس تم اپنے مردوں کو (جنازے میں) اپنے آگے رکھو۔

(۷)......عن سويد بن غفلة قال : الملائكة يمشون خلف الجنازة ۔

ترجمہ:......حضرت سوید بن غفلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: فرشتے جنازہ کے پیچھے چلتے ہیں۔

(۸)...... قال ابو الدرداء : ان من تمام أجر الجنازة أن يُشيِّعَها من أهلها والمشى من خلفها۔

ترجمہ:......حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جنازے کا مکمل اجران کے اہل کو اس کی اطلاع دینے اور اس کے پیچھے چلنے میں ہے۔

(۹)......قال ابو مَعمر فی جنازة أبی میسرة ' امشوا خلف جنازة أبی میسرة ' فانّه کان مشّاءً خلف الجِنازة۔

ترجمہ:......حضرت ابو معمر رحمہ اللہ' حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں فرمارہے تھے کہ: حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پیچھے چلو، اس لئے کہ حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ جنازے کے پیچھے چلا کرتے تھے۔

(۱۰)......معتمر بن سلیمان عن أبیه قال : رأیت أبا قلابة غیر مرة یجعل الجنازة عن یمینه۔

ترجمہ:......حضرت معتمر بن سلیمان اپنے والد رحمہ اللہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ کو کئی بار دیکھا کہ: آپ جنازہ کو اپنی دائیں جانب رکھتے تھے۔

(۱۱)......عن أبی النعمان قال : سمعت ابا امامة یقول : لان لا اخرج معها احب من ان امشی امامها۔

ترجمہ:......حضرت ابو النعمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میں جنازے کے ساتھ نہ نکلوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے میں اس کے آگے چلوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۱۲/۲۱۴ ج ۷، من کان یحب المشی خلف الجنازة ، کتاب الجنائز ،

رقم الحدیث: ۱۱۳۵۵/۱۱۳۴۹/۱۱۳۵۰/۱۱۳۵۱/۱۱۳۵۲/۱۱۳۵۶)

جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت کی دلیل

(۱)......عن عمرو بن حريث قال : قلت لعلى بن أبى طالب رضى الله عنه : ما تقول فى المشى أمام الجنازة ؟ فقال على بن ابى طالب رضى الله عنه : المشى خلفها أفضل من المشى أمامها ' كفضل المكتوبة على التطوع ، قال : قلت : فانى رأيت أبا بكر وعمر يمشيان أمامها ، فقال : انهما يكرهان أن يُحرِجا الناس۔

ترجمہ:......حضرت عمرو بن حریث رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ جنازہ کے آگے چلنے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنازہ کے پیچھے چلنا آگے چلنے سے اتنا افضل ہے جتنی فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے، میں نے (آپ کے اس جواب پر دوبارہ) عرض کیا: میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو جنازہ کے آگے چلتے دیکھا ہے، اس سوال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ حضرات اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کو تنگی میں مبتلا کریں۔

(۲)......ابن أبزى عن أبيه قال : كنت أمشى فى جنازة فيها أبو بكر وعمر وعلى رضى الله عنهم ، فكان ابو بكر و عمر رضى الله عنهما يمشيان أمامها ، وعلى رضى الله عنه يمشى خلفها يدى فى يده ، فقال على رضى الله عنه : أما ان فضل الرجل يمشى خلف الجنازة ' على الذى يمشى أمامها كفضل صلوة الجماعة على صلوة الفذ ' وانهما ليعلمان من ذلك مثل الذى أعلم ، ولكنهما سهلان يسهلان على الناس۔

ترجمہ:......حضرت ابن ابزی اپنے والد رحمہ اللہ روایت نقل فرماتے ہیں: میں ایک جنازہ کے ساتھ چل رہا تھا اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے،

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چل رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو! آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلے، اور آگے چلنے والے کے مقابلے میں پیچھے چلنے والے کو اتنی فضیلت حاصل ہے جس قدر جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز پر فضیلت حاصل ہے، اور وہ دونوں حضرات اس بات کو جانتے ہیں جیسا کہ میں جانتا ہوں مگر لوگوں کے ئے سہولت پیدا کرتے ہیں۔

(طحاوی ص۹ ج۲ (ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت) باب المشي في الجنازة أين ينبغي أن يكون منها، كتاب الجنائز ، رقم الحديث: ۲۶۹۶/۲۶۹۷)

تشریح: ...... اس مضمون کی ایک تفصیلی روایت ''مصنف عبد الرزاق'' میں بھی آئی ہے:

ترجمہ: ...... حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ اس وقت اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، انہوں نے ان کے سلام کا جواب دیا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو الحسن! مجھے یہ بتائیے کہ جب جنازہ حاضر ہو تو اس کے پیچھے چلنا افضل ہے یا اس کے آگے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں کے درمیان اپنے ماتھے پر شکن ڈال کر کہا: سبحان اللہ! تم جیسا شخص اس مسئلہ کو پوچھ رہا ہے؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، مجھ جیسا شخص آپ جیسے شخص سے یہ مسئلہ معلوم کر رہا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، جنازہ کے پیچھے چلنے والے کی فضیلت جنازہ کے آگے چلنے والے پر ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل نماز پر ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے

ابوالحسن! یہ آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں یا آپ نے اس کو نبی کریم ﷺ سے سنا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ غضبناک ہوئے اور فرمایا: سبحان اللہ! اے ابوسعید! کیا اس قسم کی بات میں اپنی رائے سے کہوں گا؟ نہیں بلکہ میں نے اس کو نبی کریم ﷺ سے متعدد بار سنا ہے، ایک دفعہ یا دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ سنا ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں حاضر ہوا، اس کے جنازہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور تمام (بہت) صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ جنازہ کے آگے چل رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور پوچھا: تم نے خود ان کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہارے علاوہ کوئی اور مجھ سے یہ کہتا تو میں اس کی تصدیق نہ کرتا، لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ جھوٹ بولنا تمہاری شان نہیں ہے، اللہ تعالی ان دونوں کی مغفرت فرمائے، اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر بن قحافہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے، پھر اللہ تعالی ہی کو بہتر علم ہے کہ وہ اب کہاں ہیں، اور اگر میں ان کو اس طرح کرتے دیکھ لیتا تو ان کو منع کرتا، وہ دونوں خوب جانتے تھے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا جنازہ کے آگے چلنے سے اس طرح افضل ہے جس طرح فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے، اور ان دونوں نے اس بات کو رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا تھا جس طرح میں نے سنا تھا، لیکن انہوں نے اس کو ناپسند فرمایا کہ لوگ جمع ہوں اور تنگ ہوں، پس انہوں نے جنازہ کے آگے چلنے کو اختیار کیا تا کہ وہ لوگوں کو آسانی مہیا کریں، اور وہ جانتے تھے کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے، اس وجہ سے وہ جنازہ کے آگے چلے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن! یہ بتائیے کہ اگر میں جنازہ میں حاضر ہوں تو کیا

میرے لئے جنازہ کو اٹھانا واجب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، یہ بہتر ہے جو چاہے اس کو اٹھائے اور جو چاہے ترک کردے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۴۷ ج ۳، باب المشی أمام الجنازۃ ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۶۲۶۷۔نعمۃ الباری ص ۳۸۲ ج ۳)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(خلاصہ یہ ہے کہ:) جنازہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف چلنے کی اجازت ہے، اور اس پر اجماع ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے۔

اس مسئلہ میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، جو لوگ جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ کس غرض سے جاتے ہیں؟ احناف کے نزدیک رخصت کرنے کے لئے جاتے ہیں، اور رخصت کرنے والا مہمان کے پیچھے چلتا ہے، اس لئے احناف نے دوسرے باب کی (یعنی پیچھے چلنے والی) حدیث کو ترجیح دی۔اور شوافع کے نزدیک سفارش کے لئے جاتے ہیں اور سفارش کرنے والا آگے چلتا ہے، اس لئے انہوں نے پہلے باب کی (یعنی آگے چلنے والی) حدیث کو ترجیح دی۔

نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ تینوں حضرات امیر المؤمنین تھے، وہ اپنے اپنے زمانہ خلافت میں آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ اگر مجمع میں لوگوں کے ساتھ چلیں گے تو مجمع کو چلنے میں تکلف ہوگا، بڑے لوگوں کو یا تو آگے چلنا چاہئے یا پیچھے تاکہ لوگ بے تکلف جنازہ لے کر چلیں، جیسے کسی جنازہ میں طلبہ اور اساتذہ ہوتے ہیں تو اساتذہ پیچھے چلتے ہیں، کیونکہ وہ اگر طلبہ کے ساتھ چلیں گے تو ان کو

تکلف ہوگا ، اور دلیل حضرات ثلاثہ کی تخصیص ہے، اگر سبھی لوگ جنازے کے آگے چلتے ہوں تو راوی ان حضرات کی تخصیص نہ کرتا، معلوم ہوا کہ عام لوگ جنازہ کے پیچھے چلتے تھے اور یہ حضرات مذکورہ مصلحت سے آگے چلتے تھے۔

(تحفۃ الالمعی ص ۴۱۱،۴۱۲ ج ۳۔ رحمۃ اللہ الواسعۃ ص ۶۸۳ ج ۳)

الغرض اس مسئلہ میں وسعت ہے اور ہر طرح چلنا جائز ہے، البتہ احناف کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا آگے اور دائیں بائیں چلنے سے افضل ہے، اور اس کی فضیلت بھی وارد ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے ''مؤطا'' میں فرمایا ہے کہ: جنازہ کے آگے چلنا اچھا ہے، اور اس کے پیچھے چلنا افضل ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔'' قال محمد : المشی أمامها حسن ، والمشی خلفها أفضل ، وهو قول أبی حنيفة رحمه الله ''۔

(مؤطا امام محمد (مترجم) ص ۱۵۱، باب المشی بالجنازة والمشی معها ، ابواب الجنائز)

لیکن اس مسئلہ میں کسی ایک طرف چلنے پر شدت اختیار کرنا اور دوسرے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

اور احناف کے مسئلہ پر تنقید کرنا اور یہ کہنا کہ احناف کا مسلک احادیث اور آپ ﷺ وخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف ہے، یہ بھی صحیح نہیں، بلکہ احادیث سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک باب قائم فرما کر دونوں طرف کے دلائل دیئے ہیں، اور اپنے مسلک کے خلاف ہر دلیل کا مدلل جواب دیا ہے، اہل علم کو اس باب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

راقم نے اسی لئے اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا کہ ہر طرح کے عمل کی گنجائش ہے، اور احناف کا مسلک بھی احادیث وآثار سے مؤید ہے۔ واللہ تعالی أعلم وعلمہ أحکم وأتم

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۱۵/ذی الحجہ:۱۴۴۵ھ مطابق ۲۲/جون ۲۰۲۴ء، سنیچر

قبر صندوقی ہونی چاہئے یا بغلی؟

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

قبر صندوقی ہونی چاہئے یا بغلی؟

سوال:......قبر کھودنے کا سنت طریقہ کیا ہے، یعنی قبر کیسی ہونی چاہئے، صندوقی یا بغلی؟۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما :......قبر دو طرح کی ہوتی ہے: ایک: لحد جس کو اردو میں بغلی قبر کہتے ہیں۔ دوسری: شق جس کو صندوقی قبر کہتے ہیں۔ بغلی قبر بنانا سنت ہے، اس لئے جہاں زمین سخت ہو وہاں بغلی قبر بنانا چاہئے، اس لئے کہ بغلی قبر سخت زمین ہی میں بن سکتی ہے، نرم زمین میں بغلی قبر بیٹھ جاتی ہے، اور جہاں زمین نرم ہو وہاں صندوقی قبر بنانا ہی متعین ہو جائے گا۔ اگر سخت زمین میں صندوقی قبر بنائی جائے تو بھی مضائقہ نہیں، یعنی سخت زمین میں صندوقی قبر بنانا ناجائز نہیں۔

لحد اور بغلی قبر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ: پوری قبر کھودنے کے بعد قبلہ کی جانب کی دیوار نیچے سے ایک گڑھا قبر کی لمبائی کے برابر کھود کر ایک چھت والے کمرہ کی طرح بنایا جائے اور ایسا خلا بنالیا جائے کہ میت کو اس میں لٹایا جاسکے۔

اور صندوقی قبر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ: قبر کھودنے کے بعد اس کے بیچ میں لمبائی میں نہر کی مانند زمین میں ایک گڑھا بنایا جائے، اور زمین اتنی کھودی جائے اور صاف کردی جائے کہ میت کو اس میں لٹایا جاسکے۔

مدینہ منورہ میں دو آدمی قبر کھودنے میں ماہر تھے: ایک: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اہل مکہ معظّمہ کے دستور کے مطابق صندوقی یعنی شق قبر کھودتے تھے، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ منورہ کے طریقہ پر لحد یعنی بغلی قبر کھودتے تھے۔

آپ ﷺ کی قبر مبارک بغلی بنائی گئی تھی، آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب قبر

کھودنے کا مرحلہ پیش آیا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رائے ہوا کہ اہل مکہ کے دستور کے موافق شق (صندوقی) قبر بنائی جائے یا اہل مدینہ کے طریقہ کے مطابق لحد (اور بغلی قبر) بنائی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے وہ اپنے طریقہ کے مطابق قبر بنائے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے کو پسند فرمایا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہ تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اورانہوں نے مدینہ منورہ کے رواج کے مطابق لحد یعنی بغلی قبر کھودی۔

(مستفاد: مسائل میت ص ۱۱۶/۱۱۷۔ عمدۃ الفقہ ص ۵۳۰ ج ۱۔ احکام میت ص ۷۰/۷۱، ط: توصیف پبلی کیشنز)

(۱)......(ویلحد) لانه السنة وصفته أن يحفر القبر ثم يحفر القبر فى جانب القبلة منه حفيرة ، الخ..... (ولا يشق) وصفته أن يحفر فى وسط القبر حفيرة ، الخ۔

(شامی ص ۱۳۹ ج ۳، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبه دارالباز، مكة المكرمه)

(۲)......ويلحد للميت ولا يشق له ' وهذا مذهبنا ، وقال الشافعى : يشق ولا يلحد، وفى الطحاوى : والشق أن يشق له وسط القبر ، وفى الخانية : والسنة فى القبر عندنا اللحد ، فان كان الارض رخوة لا بأس بالشق.....وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه ثم تحفر منه فى جانب القبلة حفيرة فى وسط القبر۔

(فتاوی تاتارخانیہ ص ۷۶ ج ۳، الفصل فى القبر والدفن ، كتاب الصلوة ، رقم :۳۷۲۷/۳۷۲۸)

(۳)......عن أبى بن كعب ' عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :لمّا تُوَفِّيَ آدم عليه

الصلوة والسلام ' غسلته الملا ئكة بالماء وِتْرا ' ولُحِد له ' وقالت : هذه سنة آدم و ولَده۔

(معجم طبرانی اوسط ص۱۵۷ ج۸، باب فی اللحد ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۸۲۶۱۔ مجمع الزوائد ص۱۲۱ ج۳، باب فی اللحد ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۲۳۱)

ترجمہ:......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: جب حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا انتقال ہوا تو ملائکہ نے آپ کو پانی سے غسل دیا جس میں وتر (کا خیال رکھا گیا یعنی تین مرتبہ پانی بہایا گیا) اور آپ کی قبر لحد بنائی گئی، اور فرمایا: یہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی اولاد کی سنت ہے (یعنی قبر بنانے کا سنت طریقہ یہ ہے)۔

(۴)......عن جعفر بن محمد عن أبيه قال : الذى ألحد قبرَ رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو طلحة ، الخ۔

(ترمذی، باب ما جاء فی الثوب الواحد يلقى تحت الميت فى القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۰۴۷)

ترجمہ:......حضرت جعفر بن محمد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے لئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے لحد قبر کھودی۔

(۵)......عن انس بن مالک قال : لمّا تُوفِّى النبى صلى الله عليه وسلم كان بالمدينة رجلٌ يُلْحِدُ وآخر يَضْرح ' فقالوا : نَستَخِير ربّنا و نَبعث اليهما ' فأيُّهُما سُبِق تركناه ، فأرسل اليهما ' فسبق صاحب اللّحدِ ' فلحَدوا للنبى صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم ﷺ

کا وصال مبارک ہوا، (اس وقت) مدینہ منورہ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ لحد قبر کھودتے تھے اور دوسرے شق (صندوقی) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ہم رب تعالی سے استخارہ کرتے ہیں اور دونوں کی طرف آدمی بھیجتے ہیں جو پہلے آئے ہم اسے موقع دیں گے، تو لحد قبر کھودنے والے صحابی رضی اللہ عنہ پہلے آئے (سواس طرح) آپ ﷺ کے لئے لحد قبر بنائی گئی۔

(۶)......عن عائشة قالت : لمّا مات رسول الله صلى الله عليه وسلم اِخُتلفوا فى اللّحد والشق ، حتى تكلّموا فى ذلك ، وارتفعَتُ أصواتُهم ، فقال عمر : لا تَصُخَبوا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم حيا ولا ميتا –أو كلمة نحوها– فأرسلوا الى الشّقّاق واللاحِد جميعا ، فجاء اللاحد ، فلحد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ثم دُفِن صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا کہ لحد قبر بنائی جائے یا صندوقی ؟ دوران اختلاف آوازیں بلند ہوگئیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے قریب شور نہ کرو، نہ زندگی میں نہ وفات کے بعد- یا اس طرح کی کچھ بات فرمائی- پس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دونوں حضرات لحد والے اور شق والے کی طرف آدمی بھیجے تو لحد بنانے والے صحابی رضی اللہ عنہ پہلے آئے، اور آپ ﷺ کی قبر لحد بنائی گئی، پھر آپ ﷺ دفن کئے گئے۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فى الشق ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۵۵۷/۱۵۵۸)

(۷)......عن ابن عباس قال : لمّا أرادوا أن يحفِروا لرسول الله صلى الله عليه

وسلم بعثوا الی أبی عُبیدة بن الجرّاح ، وکان یَضرَح کضریح أهل مکة ، و بعثوا الی أبی طلحة ، وکان هو الذی یحفر لأهل المدینة ، وکان یَلحَد ، فبعثوا الیهما رسولین فقالوا : اللّهم خِر لرسولک صلی الله علیه وسلم ، فوجدوا أبا طلحة ، فجیء به ، ولم یُوجَدُ أبوعبیدة ، فلحَدَ لرسول الله صلی الله علیه وسلم ، الخ۔

(ابن ماجہ، باب ذکر وفاته ودفنه صلی الله علیه وسلم ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۶۲۸)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے لئے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا، اور وہ اہل مکہ کی طرح صندوقی قبر کھودتے تھے، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی آدمی بھیجا، اور وہ اہل مدینہ کی طرح لحد (اور بغلی) قبر کھودتے تھے، الغرض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں کی طرف آدمی بھیجے، پھر دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! آپ کے رسول ﷺ کے لئے بہترین صورت اختیار فرمائیے، تو قاصد حضرات کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ملے اور وہ ان کے ساتھ آ گئے، اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نہ مل سکے، اس طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے لحد قبر کھودی گئی۔

(۸)......عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال : لحد لرسول الله صلی الله علیه وسلم ولابی بکر و عمر۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لئے لحد (یعنی بغلی قبر) بنائی گئی۔

ایک روایت میں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ: میری قبر لحد بنائی جائے۔

(۸)......عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما : أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أوصی له ان یُلحَد له۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۱۴/۳۱۵ ج۷، فی اللحد للمیت من أمر به و کره الشق ، کتاب الجنائز' رقم الحدیث:۱۱۷۵۵/۱۱۷۵۹)

(۹)......عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اللّحد لنا والشّقُّ لغَیرنا۔

(ابوداؤد، باب فی اللحد ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۲۰۸۔ترمذی، باب ما جاء فی قول النبی اللحد لنا والشق لغیرنا ، ابواب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۰۴۵۔نسائی، باب اللحد والشق ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۲۰۰۹۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی استحباب اللحد ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۵۵۴)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: لحد (یعنی بغلی قبر) ہمارے لئے ہے،اورشق (یعنی صندوقی قبر) ہمارے غیر کے لئے ہے۔

(۱۰)......عن جریربن عبد اللہ رضی اللّٰہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : اللّحد لنا ' والشّقُّ لأهل الکتاب۔

(مسند احمد ص۵۴۶ ج۳۱، ومن حدیث جریر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، رقم الحدیث:۱۹۲۱۳)

ترجمہ:......حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: لحد (یعنی بغلی قبر) ہمارے لئے ہے،اورشق (یعنی صندوقی قبر) اہل کتاب کے

لئے ہے۔

تشریح:……حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی ہے، آنحضور ﷺ نے اپنے تعلق سے فرمایا ہے کہ: دوسروں کی قبر چاہے بغلی بناؤ چاہے صندوقی، مگر میری قبر بغلی بنانا۔ پس اس سے لحد کی فضیلت ثابت ہوئی۔

اس کی نظیر حدیث ''الائمة من قريش'' ہے، اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ایک پیشین گوئی ہے، خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رونما ہونے والا تھا، انصار کہیں گے: ''منا أمير ومنكم امير'' یعنی دو امیر المؤمنین منتخب کئے جائیں: ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے، اس سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ: امیر صرف ایک ہوگا، اور وہ مہاجرین میں سے اور قریش میں سے ہوگا۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں ان پر لازم ہے کہ قریشی ہی کو امیر بنائیں، اس لئے کہ وہاں قریشی امیر کہاں سے لائیں گے؟ دوسرے ملک سے قریشی امیر طلب کریں گے تو وہ اس ملک کی تہذیب سے واقف نہیں ہوگا پھر وہ حکومت کیسے چلائے گا؟

اور لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ:……بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے، کیونکہ بے ضرورت میت کے چہرے پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔

دوسری وجہ:……بغلی قبر میں میت مردار خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھودتا رہتا ہے، اور میت ایک طرف رہ جاتی ہے، اس کے ہاتھ نہیں آتی۔

(تحفۃ الالمعی ص ۴۵۶ ج ۳)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

اس روایت کا ایک مطلب یہ ہے کہ: ''لحد'' مسلمانوں کے لئے ہے، اور ''شق'' یہود و نصاری وغیرہ دوسرے کفار کے لئے، اس صورت میں روایت ''شق'' پر ''لحد'' کی فضیلت پر دال ہوگی۔

اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ''لحد'' اہل مدینہ کے لئے ہے، اور ''شق'' اہل مکہ کے لئے، اس صورت میں کسی ایک کی فضیلت کا بیان نہیں ہوگا، بلکہ بیان واقع ہوگا کہ مدینہ کی زمین سخت ہونے کی بنا پر ''لحد'' کی صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے اہل مدینہ ''لحد'' بناتے ہیں، اور مکہ معظّمہ کی سرزمین چونکہ ریتیلی ہونے کی بنا پر ''لحد'' کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس لئے وہاں ''شق'' کو اختیار کیا جاتا ہے۔

ان دونوں مطلبوں میں پہلا مطلب راجح ہے، چنانچہ جمہور ''لحد'' کی افضلیت کے قائل ہیں، البتہ اگر زمین نرم ہو اور اس میں ''لحد'' کی صلاحیت نہ ہو تو شق ہی درست ہے۔

(درس ترمذی ص ۳۲۱/۳۲۲ ج ۳)

یعنی لحد ہمارے لئے اولی اور بہتر ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے اولی اور بہتر ہے۔ اگر شق قبر بنانا ناجائز ہوتا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ نہ فرماتے جو پہلے آجائے اسی طریقہ پر قبر کھودی جائے۔ (بذل المجہود ص ۴۹۸ ج ۱۰)

''لنا'' سے مراد مؤمنین امت محمدیہ اور ''غیرنا'' سے مؤمنین امم سابقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ: ہم لحد کو اختیار کرتے ہیں، وہ ہمارے لئے اولی ہے شق کے مقابلہ میں، اس صورت میں اس سے مقصود فضیلت لحد کو بیان کرنا ہے، نہی عن الشق مقصود نہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اگر مراد ’’لنا‘‘ سے مسلمین اور’’ لغیرنا ‘‘ سے یہود ونصاری ہیں تب تو اس صورت میں لحد کی فضیلت بلکہ کراہیت شق پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے،اوراگرمراد’’لغیرنا‘‘ سے امم سابقہ ہیں تو اس میں صرف اشارہ ہے افضلیت لحد کی طرف۔

یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ’’لنا‘‘میں ضمیر جمع سے مراد خود متکلم کی ذات ہے،یعنی ’’لی‘‘یعنی آپ اپنے بارے میں فرمارہے ہیں کہ: میں اپنے لئے لحد کو پسند کرتا ہوں،اور ’’غیرنا‘‘ سے مراد دوسرے لوگ ہیں۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ:’’لنا‘‘ سے مراد معاشر الانبیاء یعنی ہم حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے لحد ہے،اور غیر انبیاء کے لئے شق جائز ہے۔

(الدر المنضود ص ۱۷۲ ج ۵)

ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ لحد شق کے مقابلہ میں افضل ہے اور مدینہ منورہ کی زمین لحد کی صلاحیت بھی رکھتی ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں لحد اور شق قبر بنانے میں اختلاف کیوں ہوا؟

اس اشکال کا جواب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ:

’’والجواب أنهم وان كانوا على ثقة واستيقان من كون اللحد أفضل‘ الا أن ما لزمه من العوارض جعل الشق مختارا عندهم و راجحا على اللحد ، لا لفضل فى نفسه على اللحد‘ بل لتلك العوارض ، منها ما وقع فى تكفينه صلى الله عليه و سلم ودفنه من تاخيرات ، فلو أنهم اشتغلوا باللحد لزاد ، والتراخى على التراخى‘‘

(الکوکب الدری ص ۱۹۳ ج ۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا یقین تھا کہ لحد

افضل ہے، لیکن کچھ عوارض ایسے پیش آ گئے تھے کہ اس نے شق کو لحد پر راجح بنا دیا، اور انہیں عوارض کی بنا پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت شق کو ہی بہتر خیال کیا، شق کا مشورہ اس لئے نہیں تھا کہ فی نفسہ اس کو لحد پر ترجیح حاصل ہے۔

اور وہ عوارض یہ تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں کافی تاخیر ہوگئی تھی اور تین دن ایسے گذر گئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف امور کی بنا پر آپ کی تدفین نہ کر سکے اور ظاہر ہے کہ لحد دیر طلب کام ہے لہذا اس صورت میں تراخی علی التراخی لازم آتی، اس لئے کچھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شق کا مشورہ کیا.....اب یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ صریح روایت کے ہوتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین لحد وشق کا مسئلہ کیسے پیدا ہوگیا اور لحد کی روایات ان پر کیسے مخفی رہ گئیں۔ (الطیب الذکی ص ۵۷۷ ج ۲)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ ذی الحجہ: ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/ جون ۲۰۲۴ء

منگل

قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟

سوال:......قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟۔

الجواب:حامدا و مصلیا و مسلما :......قبر کی گہرائی کم سے کم آدمی کے نصف قد کے برابر ہونی چاہئے ، یہ ادنی درجہ ہے،اور گہرائی پورے قد کے برابر ہوتو یہ بہتر ہے،اور یہ اعلی درجہ ہے، اور درمیانہ درجہ یہ ہے کہ سینہ تک ہو۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ بدبو اور درندہ کے اکھاڑنے کی مانع ہو۔قبر کی گہرائی آدمی کے قد سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

آپ ﷺ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ:...قبر کو گہری کرواتے۔

ہمارے علاقہ میں عامۃً صندوقی قبر بنانے کا رواج ہے،اوراس کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک وہ حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، اور ایک تختوں سے اوپر کا حصہ۔تو فقہی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تختوں سے اوپر کے حصہ کی گہرائی کم ازکم آدمی کے آدھے قد کے برابر ہونی چاہئے ، اور اندر کے حصہ کی گہرائی کم ازکم اتنی ہو کہ اس پر تختے رکھے جائیں تو وہ تختے میت کے بدن سے نہ لگیں۔

(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص۵۳۰ ج۱۔کتاب المسائل ص۹۵ ج۲،دفن کے مسائل۔احکام میت ص۱۰۷، ط:توصیف پبلی کیشنز)

(۱)......وحفر قبره مقدار نصف قامة فان زاد فحسن ' وان زاد الى مقدار قامة فهو أحسن.....والمقصود منه المبالغة فى منع الرائحة و نبش السباع۔

(شامی ص۱۳۸ ج۳، باب صلوة الجنازة ،كتاب الصلوة ،ط: مکتبہ دار الباز،مکۃ المکرّمہ)

(۲)......ينبغى أن يكون مقدار العمق الى صدر رجل وسط القامة ، قال : و كل ما ازداد فهو أفضل..... وان عمقوا مقدار قامة الرجل فهو أحسن ..... و روى

الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة قال : طول القبر علی قدر طول الانسان۔

(فتاوی تاتارخانیہ ص۷۶ ج۳، الفصل فی القبر والدفن ، کتاب الصلوة ، رقم :۳۷۵۰)

(۳)......یوضع فیھا المیت بعد ان یبنی حافتاه باللبن ' أو غیره ' ثم یوضع المیت بینھا ' ویسقف علیه اللبن ' أو الخشب ولا یمس السقف المیت۔

(حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص۶۰۷، فصل فی حملھا و دفنھا ،کتاب الصلوة ،ط:بیروت)

(۴)......عن ھشام بن عامر رضی اللّٰہ عنه قال : شکونا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم اُحد ، فقلنا : یا رسول الله ! الحفر علینا لکل انسان شدید ؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم : احفروا واعمقوا ، الخ ۔

(نسائی، باب ما یستحب من اِعماق القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۲۰۱۲۔ابوداؤد، باب فی تعمیق القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۲۱۶)

(۵)......عن الحسن قال : أوصی عمر رضی اللّٰہ عنه : أن یجعل عُمق قبره قامةً و بسطةً ۔

ترجمہ:......حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ:ان کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں گہری کھودی جائے۔

(۶)......أن أبا موسی أوصی حفرة قبره : ان یُّعمقوا له قبرَه۔

ترجمہ:......حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے قبر کھودنے والے کو وصیت فرمائی کہ:ان کی قبر گہری کھودی جائے۔

(۷)......عن الحسن ومحمد رحمھما الله : أنھما کانا یستحبان أن یعمّق القبر ... ویقولان : یعمق القبر۔

ترجمہ:...... حضرت حسن اور حضرت محمد رحمہما اللہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ قبر گہری ہو، اور فرماتے تھے کہ: قبر گہری کھودی جائے۔

(۸)...... عن ابراهيم : أنه قال : يحفر القمر الى السرة۔

ترجمہ:...... حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قبر ناف تک کھودی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۳/۳۲۴ ج ۷، ما قالوا: فی اعماق القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث :۱۱۷۸۴/۱۱۷۷۹/۱۱۷۸۰/۱۱۷۸۱/۱۱۷۸۲/۱۱۷۸۳)

(۹)...... روى عن عمر بن عبد العزيز أنه قال : لا تعمقوا قبرى ' فان خير الارض أعلاها و شرها أسفلها۔ (موسوعہ فقہیہ ص۲۴۶ ج ۳۲، مادہ: قبر)

ترجمہ:...... حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: میری قبر کو گہری مت بنانا، اس لئے کہ زمین کا بہترین حصہ اس کے اوپر کا حصہ ہے، اور اس کا بدترین حصہ اس کے نیچے کا حصہ ہے۔ (موسوعہ فقہیہ (مترجم) ص۲۹۳ ج ۳۲، مادہ: قبر)

(۱۰)...... وقال خلف بن ايوب : ينبغى أن يكون عمق القبر الى السرة۔

(فتاوی تاتارخانیہ ص۷۶ ج ۳، الفصل فى القبر والدفن ، كتاب الصلوة ، رقم :۳۷۵۰)

ترجمہ:...... حضرت خلف بن ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مناسب ہے کہ قبر کی گہرائی (میت کے) ناف تک ہو۔

(۱۰)...... وقال عمر بن عبد العزيز : الى السرة۔

ترجمہ:...... حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قبر ناف تک کھودی جائے۔

(۱۱)...... وقال الامام يحى : الى الثدى ، اقله ما يوارى الميت ويمنع السبع۔

ترجمہ:...... حضرت امام یحیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قبر سینے تک کھودی جائے، اور اس کی کم

سے کم مقدار یہ ہے کہ میت کی نعش چھپ جائے، اور درندوں سے حفاظت ہو جائے۔

(نیل الاوطار ص ۸۵ ج ۴، باب تعمیق القبور واختیار اللحد علی الشق، ابواب الدفن وأحکام القبور، کتاب الجنائز، تحت رقم الحدیث :۱۴۶۱۔شمائل کبری ص ۳۹۴ ج ۱۰، ط: زمزم پبلشرز)

نوٹ:...... یہ جو مشہور ہے کہ قبر اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے، یہ ضروری شرط نہیں ہے، ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ کچھ کم ہو تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۲۵۶/۲۶۲ ج ۵، ط: دارالاشاعت، کراچی)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲۹/ذیقعدہ: ۱۴۴۵ھ مطابق: ۷/جون ۲۰۲۴ء، بروز جمعہ

....

قبر کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے؟

سوال:......قبر کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے؟۔

الجواب: حامدا ومصلیا ومسلما:......قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر ہونی چاہئے۔

(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص ۵۳۰ ج ۱۔احکام میت ص ۷۰، ط: توصیف پبلی کیشنز)

(۱)......و طوله علی قدر طول المیت۔

(شامی ص ۱۳۸ ج ۳، باب صلوۃ الجنازۃ، کتاب الصلوۃ، ط: مکتبہ دارالباز، مکۃ المکرّمہ)

(۲)...... وروی الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة قال : طول القبر علی قدر طول الانسان۔(فتاوی تاتارخانیہ ص ۶۷ ج ۳، الفصل فی القبر والدفن، کتاب الصلوۃ، رقم: ۳۷۵۰)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ: ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء، منگل

قبر کی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟

سوال:......قبر کی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟۔

الجواب:حامدا ومصليا ومسلما:......قبر کی چوڑائی میت کے آدھے قد کے برابر ہونی چاہئے۔(مستفاد:عمدۃ الفقہ ص۵۳۰ ج۱۔احکام میت ص۱۷۰،ط:توصیف پبلی کیشنز)

(۱)...... و عرضه على قدر نصف طوله۔

(شامی ص۱۳۸ ج۳، باب صلوة الجنازة ،كتاب الصلوة ،ط:مکتبہ دارالباز،مکۃ المکرّمہ)

(۲)......وروى الحسن بن زياد عن أبى حنيفة قال :.....وعرضه قدر نصف قامته۔

(فتاوی تاتارخانیہ ص۶۷ ج۳، الفصل فى القبر والدفن ، كتاب الصلوة ، رقم :۳۷۵۰)

قبر کو بہت تنگ کھودنا درست نہیں،آپ ﷺ نے قبر کو کشادہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۳)......عن هشام بن عامر رضى اللّٰه عنه قال : شكونا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم اُحد ، فقلنا : يا رسول الله ! الحفر علينا لكل انسان شديد ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : احفروا وأوسعوا ، الخ ۔

(نسائی، باب ما يستحب من توسيع القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۲۰۱۳۔ابوداؤد، باب فى تعميق القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۲۱۵۔ترمذی، باب ما جاء فى دفن الشهداء ، ابواب الجهاد ، رقم الحديث:۱۷۱۳۔ابن ماجہ، باب ما جاء فى حفر القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث: ۱۵۶۰)

(۴)......عن الحسن قال : أوصى عمر رضى اللّٰه : أن يجعل عُمق قبره قامةً و بسطةً۔

ترجمہ:......حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی

کہ:ان کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں گہری کھودی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۴ ج۷، ما قالوا : فی اعماق القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۱۷۸۴)

(۵)......عن عاصم بن کُلَیب ، عن أبیه عن رجل من الأنصار قال : خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی جِنازة رجل من الأنصار– وانا غلام – مع أبی ، فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی حَفیرة القبر فجعل یوصی الحافر ویقول : أوْسِعُ مِن قِبَل الرأس ، وأوْسِعُ من قِبَل الرِّجْلین ، لَرُبَّ عَذْقٍ له فی الجنة۔

(مسند احمد ص۴۵۱ ج۳۸، حدیث رجل من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ، رقم الحدیث: ۲۳۴۶۵۔ سنن کبری بیہقی ص۲۸۲ ج۷، باب ما یستحب من اتساع القبر واعماقه ، کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۶۸۳۷)

ترجمہ:......حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے لئے نکلے- میں اس وقت بچہ تھا-اپنے والد کے ساتھ نکلا، رسول اللہ ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما ہوئے اور قبر کھودنے والے سے نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے تھے: قبر کو سر کی جانب سے چوڑا کرو، اور دونوں پاؤں کی جانب سے کشادہ کرو، اس کے لئے جنت میں بہت سے خوشے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے قبر کو کشادہ کھودنے پر نیک فالی لی:

(۶)......عن الأدْرَع السُّلمِیّ رضی الله عنه قال : جئتُ لیلةً اَحْرُس النبی صلی الله علیه وسلم ، فاذا رجل قِراء تُه عالیةٌ ، فخرج النبی صلی الله علیه وسلم فقلت : یا

رسـول الـلـه ! هذا مُراءٍ ، قال : فمات بالمدينة ، ففرغوا من جِهازِه ' فحملوا نَعْشه ' فقال النبى صلى الله عليه وسلم : اُرفُقوا به ' رفق الله به ' انه كان يحب الله ورسوله قـال : وحـفـر حُـفُـرتـه فـقـال : أوسعوا له ' أوسع الله عليه ، فقال بعض اصحابه : يا رسول الله ! لقد حَزِنتَ عليه ، فقال : أجل ، انّه كان يحب الله و رسوله۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فی حَفر القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۵۵۹)

ترجمہ:......حضرت ادرع سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک رات نبی کریم ﷺ کی چوکیداری (اورنگہبانی) کے لئے آیا تو ایک صاحب کی قرائت بہت اونچی تھی (یعنی وہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تھے)، نبی کریم ﷺ باہر آئے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ریاء کار (معلوم ہوتا) ہے۔(راوی) فرماتے ہیں کہ: پھران کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا تو لوگ ان کے (غسل و) کفن سے فارغ ہوئے اوران کا جنازہ تیار اٹھایا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے ساتھ نرمی کرو، اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ نرمی فرمائے، یہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے تھے،(راوی) کہتے ہیں کہ: لوگوں نے ان کی قبر کھودی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی قبر کو کشادہ کرو، اللہ تعالیٰ اس پر کشادگی فرمائیں گے،بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ تو ان کے انتقال پر غمگین ہیں؟ فرمایا: جی، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اوران کے رسول سے محبت رکھتے تھے۔

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ:۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء

منگل

قبر میں میت کو کتنے آدمی اتاریں؟

سوال:......میت کو قبر میں اتارنے کے لئے کتنے آدمی ہونے چاہئے؟ کیا اس کی کوئی تعداد مسنون ومنقول ہے؟۔

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما :......میت کو قبر میں اتارنے کے لئے جو لوگ قبر کے اندر داخل ہوں وہ خواہ طاق ہوں یا جفت، برابر ہیں، یعنی دو ہوں یا تین یا زیادہ جتنے مناسب ہوں کوئی مضائقہ نہیں، اور کوئی تعداد مخصوص نہیں ہے، اور طاق عدد یا جفت عدد کا ہونا ضروری نہیں، لیکن مستحب یہ ہے کہ وہ لوگ قوی یعنی اعتقاد میں پکے مسلمان اور امین اور صالح ہوں کہ کوئی نامناسب بات دیکھیں تو لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔

(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص۵۳۰ ج۱۔ کتاب المسائل ص۹۶ ج۲)

(۱)......ولا یضر عندنا کون الداخل فی القبر وترا أو شفعا ، واختار الشافعی الوتر۔

(شامی ص۱۴۱ ج۳، مطلب فی دفن المیت ، باب صلوۃ الجنازۃ ، ط: مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرّمہ)

(۲)......ولا یضر وتر دخل القبر أو شفع ، واختار الشافعی الوتر ' اعتبارا بعدد الکفن والغسل والاجمار ، ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما دفن أدخله العباس والفضل بن العباس وعلِی و صهیب ، کذا فی البدائع۔

(البحر الرائق ص۳۳۹ ج۳، فصل السلطان أحق بصلوته ، کتاب الجنائز ، ط: بیروت)

(۳)...... واذا انتهی بالمیت الی القبر فلا یضر وتر أدخله أو شفع ' لان المقصود وضع المیت فی القبر فانما یدخل قبره بقدر ما یحصل به الکفایة ، وفی السغناقی : والسنة هو الوتر ، وفی الحجة : ویستحب أن یکونوا أقرباء أمناء و صلحاء۔

(۴)...... و قد صح ان فی قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل أربعة : على و العباس وابنه فضل رضى الله عنهم، واختلفوا فى الرابع ، ذكر شمس الائمة الحلوانى : أن الرابع صالح مولى عتاقة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وذكر الشيخ المعروف بخواهر زاده : أنه صهيب ، وذكر السرخسى : انه مغيرة بن شعبة أو أبو رافع۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ص۶۴/۶۵ ج۳، نوع آخر من هذا الفصل فى القبر والدفن ، كتاب الصلوة ، رقم :۳۷۲۴/۳۷۲۵)

(۱)......عن عامر قال : غسّل رسولَ الله صلى الله عليه وسلم عَلِيٌّ والفَضل واُسامةُ بنُ زيدٍ، وهم أدْخَلُوه قبرَه ، قال : وحدّثنى مُرَحّبٌ أو ابنُ أبى مُرَحَّبٍ، أنّهم أدْخَلُوا معهم عبدَ الرحمن بن عوف، فلمّا فرغ قال عَلِيٌّ : انّما يَلِى الرّجل أهلُه۔

ترجمہ:......حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کو حضرت علیؓ حضرت فضل (بن عباس) اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے غسل دیا، اور ان ہی نے آپ ﷺ کو قبر میں اتارا۔ حضرت مرحب یا ابن ابی مرحب بیان کرتے ہیں کہ: ان تین حضرات نے اپنے ساتھ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو بھی شامل کرلیا تھا۔ جب یہ حضرات آپ ﷺ کے دفن سے فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میت کو ان کے اہل اور گھر والے ہی (غسل) دیا کرتے ہیں۔

تشریح:......اصل میں تو آپ ﷺ کو غسل دینے والے اور دفنانے والے تین حضرات ہی تھے، حضرت علیؓ حضرت فضل اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جو گھر کے افراد تھے، بعد میں ان حضرات نے کسی ضرورت سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی

اپنے ساتھ اس عمل میں شامل کرلیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان: ''میت کو ان کے اہل اور گھر والے ہی (غسل) دیا کرتے ہیں (اور دفن) کرتے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ: چونکہ آپ ﷺ کے تدفین میں بڑے بڑے جاں نثار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر تھے، مگر وہ عمل تدفین میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بطور معذرت کے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ''میت کو ان کے اہل اور گھر والے ہی دیا کرتے ہیں'' یعنی آپ رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ: اس کام کو کرنے والے ہم اس لئے نہیں ہیں کہ ہم اوروں سے افضل ہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم اہل بیت ہیں۔ دراصل یہ مقام' مقام تنافس تھا اور بڑے شرف کی چیز تھی جو اللہ تعالی نے ان کو نصیب فرمائی اہل بیت میں ہونے کی وجہ سے۔

(مستفاد: بذل المجہود ص ۴۹۹ ج ۱۰ ط: دار البشائر الاسلامیہ۔ الدر المنضود ص ۲۷۳ ج ۵)

(۲)......عن أبی مُرَحَّبٍ : أنّ عبدَ الرحمن بنَ عوفٍ نزل فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم ، قال : کأنِّی أنظُر الیهم أربعةً۔

(ابوداؤد، باب کم یدخل القبر ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۳۲۰۹/۳۲۱۰)

ترجمہ:......حضرت ابومرحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر میں اترے تھے، اور فرماتے ہیں کہ: گویا میں ان چار حضرات کو دیکھ رہا ہوں۔

تشریح:......بعض روایتوں میں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء بھی قبر اطہر میں اترنے کے بارے میں منقول ہیں، مثلاً ''مصنف ابن ابی شیبہ'' (ص ۳۲۰ ج ۷) کی ایک روایت میں ہے: ''وصالح مولی النبی صلی الله علیه وسلم''۔ (حدیث نمبر:۱۱۷۶۵)

اسی طرح ''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ کے غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہ شریک تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ: ایک انصاری صحابی حضرت خولی بن اوس رضی اللہ عنہ شریک تھے۔

کتب فقہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کے اسماء بھی مذکور ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ مجموعی طور پر تو چار حضرات ہی شریک تھے، مگر کسی وقت کسی ضرورت سے اور حضرات کو بھی شریک کیا گیا ہو۔ ایک وجہ یہ بھی منقول ہے کہ اس عظیم شرف والے کام میں صرف حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم شریک تھے، اس لئے ایک صحابی انصار میں سے بھی شریک کر لئے گئے، جن کا نام حضرت خولی بن اوس رضی اللہ عنہ تھا۔

(۳)......عن ابن عباس قال : نزل فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عَلِیٌّ والفَضل وشُقران۔

(۴)......أنہ نزل فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وا لفضل ' عَلِیٌّ ووَلِیَ عَلِیٌّ سَفُلَتَہ فی القبر ، ونزل معہم رجل من الانصار ، قالت الانصار : قد کان لنا حظ فی حیاتہ فاجعلوا لنا حظا فی موتہ ، فانزلوا ذلک الانصاری معہم ، وبلغنی انہ : خولی بن أوس۔

ترجمہ:...... نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر میں حضرت علی اور حضرت فضل رضی اللہ عنہما اترے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ قبر اطہر کے نیچے کے حصہ کے نگران تھے، ان حضرات کے ساتھ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ بھی اترے تھے، اس لئے کہ حضرات انصار رضی اللہ

عنہم نے کہا تھا کہ: نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمارا ایک حصہ تھا، اس لئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی (اس عظیم شرف والے کام میں) ہمارے لئے حصہ مقرر کیجئے! راوی کہتے ہیں کہ: اس لئے ان انصاری رضی اللہ عنہ کو بھی دوسرے حضرات کے ساتھ قبر اطہر میں اتارا گیا تھا۔ اوران کا نام حضرت خولی بن اوس رضی اللہ عنہ تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۹۵ ج۳، باب کم یَدْخُل القبر، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۶۴۵۴/۶۴۵۶)

(۵)......عن ابراهيم قال: ادخل القبر كم شئت۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مردے کو قبر میں جتنے لوگ چاہیں اتار سکتے ہیں۔

(۶)......عن الحسن (وعامر) قال: لا يضرُّك شفعٌ أو وِتر' لا باس ان يدخل القبر شفع او وتر۔

ترجمہ:......حضرت حسن اور (حضرت عامر) رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: مردے کو قبر میں اتارنے والے طاق (عدد میں) ہوں یا جفت (عدد میں) اس میں کوئی نقصان وحرج نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۰ ج۷، ما قالوا فی القبر کم یَدْخُله، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۱۱۷۶۶/۱۱۷۶۷/۱۱۷۶۸)

واللہ تعالی أعلم وعلمه أحکم وأتم

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۲/محرم الحرام: ۱۴۴۵ھ: مطابق ۸/جولائی ۲۰۲۴ء، پیر

میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ

سوال:......قبر میں اتارنے کا درست طریقہ کیا ہے؟۔

الجواب:حامدا ومصلیا ومسلما :......میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتاریں،اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے، اور اتارنے والے قبلہ رخ کھڑے ہوں، پھر میت کو اٹھا کر قبر میں اتار دیں۔

مسئلہ:......میت کو پائنتی کی طرف رکھ کر سر کی جانب سے داخل کرنا خلاف سنت ہے،اس لئے ایسا نہ کیا جائے۔

مسئلہ:......قبر میں میت کو داخل کرنے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، احناف کے نزدیک ترجیح قبلہ رخ رکھنے کو ہے، اور نبی کریم ﷺ کا عمل صحیح طور پر اسی طرح ثابت ہے، اور دوسری صورتیں عذر یعنی تنگئ جگہ کی وجہ سے ہیں، پس اگر قبلہ رخ جگہ تنگ ہو تو پائنتی کی طرف سے داخل کرنے کا طریقہ متعین ہو جائے گا،اور اگر پائنتی کی طرف بھی جگہ میں گنجائش نہ ہو تو قبر کے سرہانے کی طرف جنازہ رکھنا اور میت کو پاؤں کی طرف سے داخل کرنا متعین ہوگا، یہاں تک کہ پاؤں اپنی جگہ پہنچ جائیں اور سر اندر اپنی جگہ پر داخل ہو جائے۔(مستفاد:عمدۃ الفقہ ص۵۳۰ ج۱۔کتاب المسائل ص۹۶ ج۲)

(۱)......(و) ویستحب أن (یدخل من قِبَل القبلة) وفی الشامیة : أی فیکون الآخذ له مستقبل القبلة حال الأخذ۔

(شامی ص۱۴۰/۱۴۱ ج۳، باب صلوة الجنازة ، کتاب الصلوة ،ط: مکتبہ دار الباز،مکۃ المکرّمہ)

(۲)......(ویدخل المیت فی القبر من قبل القبلة) أی ندبا ، قوله : (ان أمکن) والا فبحسب الامکان ، قوله : (لشرف القبلة) علة لقوله ' و یدخل وقوله : مستقبلا (

قوله : (وهو أولى من السل) ورد أنه صلى الله عليه وسلم سل سلا ' وحمل على حالة الضرورة لضيق المكان۔

(حاشیۃ الطحاوی علی المراقی ص ۶۰۸ ، فصل فی حملها ودفنها ، كتاب الصلوة ، ط : بيروت)

حدیث......غزوۂ تبوک میں ایک صاحب کا انتقال ہوا، ان کی تدفین رات میں کی گئی اور ان کو قبر میں اتارنے کے لئے آپ ﷺ بذات خود قبر میں اترے، معلوم ہوا کہ رات میں تدفین جائز ہے، اور آپ ﷺ کے لئے چراغ جلایا گیا تاکہ میت کو قبر میں اتارنے میں آسانی ہو، معلوم ہوا کہ روشنی کے لئے بتیاں ساتھ لے جانا جائز ہے، اور آپ ﷺ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا: ''اللہ تعالی آپ پر مہربانی فرمائے، آپ اللہ تعالی کے خوف سے بہت زیادہ رونے والے تھے، بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے'' اور آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ (تحفۃ الالمعی ص ۱۷۴ ج ۳)

(۱)......عن عباس : ان النبى صلى الله عليه وسلم دخل قبرا ليلا ' فأُسرِج له سِراج ' فأخذه من قِبَل القبلة ، و قال : رحمك الله ان كنت لَأوّاهاً تَلاءً للقرآن ' و كبّر عليه اربعا۔(ترمذی، باب ما جاء فى الدفن بالليل ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۰۵۷)

(۲)......عن أبى سعيد : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اُخِذ من قِبَل القبلة وَاسْتُقْبِل استقبالا (واستل استلالا)۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فى ادخال الميت القبر ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۵۵۲)

ترجمہ:......حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ قبلہ کی طرف سے (قبر میں) لئے گئے (اور داخل کئے گئے)۔ اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف کیا گیا۔

(۳)......عن ابن عباس قال : كان النبی صلی الله عليه وسلم وابو بكر و عمر يدخلون الميت القبر من قِبَل القبلة۔

(مجمع الزوائد ص۱۲۲ ج۳، باب فی دفن الميت ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۴۲۳۳)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قبلہ کی طرف میت کو قبر میں داخل کرتے تھے۔

(۴)......عن عمر بن سعد : أن عليا اخذ يزيد بن المكفّف من قِبَل القبلة۔

ترجمہ:......حضرت عمر بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن مکفف کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا۔

(۵)......عن عمران بن أبی عطاء قال : شهدت محمد بن الحنفية حيث مات ابن عباس أخذه من نحو القبلة حين أدخله القبر۔

ترجمہ:......حضرت عمران بن ابوعطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) کے پاس موجود تھا جب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو انہوں نے کی میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑ کر قبر میں اتارا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۹۹ ج۳، باب من حيث يدخل الميت القبر ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۶۴۷۱/۶۴۷۲/۶۴۷۳)

(۶)......عن الشعبی قال : يوخذ من قِبَل القبلة۔

ترجمہ:......حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میت کو قبلہ کی جانب سے پکڑا (یعنی قبر میں داخل کیا) جائے گا۔

(۷)......عن ابراهيم : انه ادخل ميتا من قِبَل القبلة۔

ترجمہ:......حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۹/۳۳۰ ج ۷، من ادخل الميت من قبل القبلة ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۱۸۰۹/۱۱۸۱۳)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۱/محرم الحرام: ۱۴۴۵ھ: مطابق ۷/جولائی ۲۰۲۴ء

اتوار

قبر پر پانی ڈالنا

سوال:......میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر پانی ڈالنا کیسا ہے؟۔

الجواب:حامدا و مصليا و مسلما :......دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا مندوب و مستحب ہے۔اوراحادیث سے اس کا ثبوت ہے۔

(مستفاد:علم الفقہ ص۳۸۱ حصہ دوم۔مرغوب الفتاوی ص۲۰۴ ج ۳)

صاحب مرقاۃ نے ابن الملک رحمہ اللہ سے سنت ہونے کا قول نقل کیا ہے: ”قال ابن الملک ویسن “ الخ۔

(مرقاۃ ص۶۷ ج۴، باب دفن الميت ، الفصل الثانی ، تحت : حديث جعفر بن محمد)

حضرت ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جولوگ جنازے کے ہمراہ قبر پر جائیں ان کے لئے سنت ہے کہ جب لحد یاشق بند کردی جائے تو وہ مٹھی بھر کر مٹی قبر میں ڈالیں،اسی طرح قبر جب بھر جائے اوراوپر سے مٹی برابر کردی جائے تو قبر کے اوپر پانی چھڑکنا سنت ہے۔(مظاہرحق جدید ص۱۰۹ ج ۲،ط: دارالاشاعت،کراچی)

(۱)......(ولا بأس برش الماء عليه) حفظا لترابه عن الاندراس ، وفی الشامية : بل ينبغی أن يندب۔

(شامی ص۱۴۳ ج۳، مطلب : فی دفن الميت ، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ،ط :دار الباز)

(۱)......عن جابر قال : رُشَّ قبرَ رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رشّ الماء على قبره بلال بن رباح بقربة بدأ من قِبَل رأسه حتّى انتهى الى رِجْلَيه۔

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:رسول اللہ ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا تھا،اور وہ صحابی جنہوں نے آپ ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا تھا وہ حضرت بلال بن

رباح رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ انہوں نے مشک لے کر سر کی طرف سے (قبر پر) پانی چھڑکنا شروع کیا اور پاؤں تک (چھڑکتے ہوئے) لے گئے۔

(دلائل النبوۃ (بیہقی) ۴۲۱ ج ۸، باب جماع ابواب مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته کتاب جماع ابواب غزوۃ تبوک، رقم الحدیث: ۳۲۴۱)

بعض روایت میں ''من قبل رأسه من شقه الایمن'' الخ، کے الفاظ بھی ہیں۔

(اعلاء السنن ص ۳۱۵ ج ۸، باب رش الماء' الخ، رقم الحدیث: ۲۲۸۸)

(۲)......عن قتادة قال: مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرٍ قد رُشّ بالماء فقال: أكُنا قد صلّينا على هذا ؟ قالوا : لا ، فصلّى عليه۔

ترجمہ:......حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ کا گذر ایک قبر کے پاس سے ہوا جس پر پانی چھڑکا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا ہم نے اس کی نماز جنازہ ادا کی تھی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں، تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

(۳)......عن جعفر بن محمد والاسلمی قالا : عن أبيه قال : كان الرّش على عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ:......حضرت جعفر صادق بن محمد اور حضرت اسلمی رحمہما اللہ دونوں فرماتے ہیں کہ: (حضرت جعفر صادق کے) والد (حضرت باقر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ: قبر پر پانی چھڑکنا (یہ سنت) نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۵۰۱/۵۰۲ ج ۳، باب الرّشِ على القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۶۴۸۱/۶۴۸۲)

(۴)......عن جعفر بن محمد عن أبيه مرسلا : ان النبی صلی الله عليه وسلم حثی علی الميت ثلاث حثيات بيديه جميعا ' وانه رشّ علی قبر ابنه ابراهيم و وضع عليه حصباء۔

(شرح السنۃ ص۹۷ ج۳ (۴۰۱ ج۵)، باب الطاعون ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۵۱۵۔ مشكوة ص ۱۴۸، باب دفن الميت ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۴۱)

ترجمہ:......حضرت جعفر صادق بن محمد اپنے والد (حضرت باقر) رحمہما اللہ سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی بھر کر میت پر ڈالی، نیز آپ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر کے اوپر پانی چھڑکا (اور علامت کے لئے) قبر پر سنگریزے رکھے۔

(۵)......عن عائشة : ان النبی صلی الله عليه وسلم رش علی قبر ابنه ابراهيم۔

(معجم طبرانی (اوسط) ص ج ۱۸۷ ج ۶، رقم الحديث:۶۱۴۶۔ مجمع الزوائد ص ۱۲۵ ج ۳، باب رش الماء علی القبر ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۴۲۵۰)

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا۔

تشریح......ایک روایت میں ہے کہ: سب سے پہلے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں جن کی قبر پر پانی چھڑکا گیا'' وانّه أول قبر رُشَّ عليه ''۔

(مراسیل ابی داؤد ص ۳۰۵، ما جاء فی الدفن ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۴۲۴)

ایک اور روایت میں ہے: جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے جو مشکیزہ میں پانی لا دے، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ مشکیزے میں

پانی لائے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر چھڑک دو۔

(عمدۃ القاری ص۱۰۳ ج۸۔ شمائل کبری ص۴۰۶، ط: زمزم، کراچی)

(٦)......عن عامر بن ربيعة : ان النبی صلی الله عليه وسلم قام على قبر عثمان بن مظعون ' وأمر فرش عليه الماء۔

(مجمع الزوائد ص۱۲۵ ج۳، باب رش الماء على القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۴۲۴۹)

ترجمہ:......حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر کھڑے ہوئے اور حکم دیا تو ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا۔

(٧)......عن ابی رافع قال : سل رسول الله صلی الله عليه وسلم سعداً ورشّ على قبره ماء۔ (ابن ماجہ، باب ما جاء فی ادخال الميت القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۵۵۱)

ترجمہ:......حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سر کی جانب سے قبر میں داخل کیا اور آپ ﷺ نے ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔

(٨)......عن الحكم بن الحارث السلمی' انه غزا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم ثلاث غزوات ' قال : قال لنا : اذا دفنتمونی و رششتم على قبری الماء ' فقوموا على قبری ' واستقبلوا القبلة ' وادعوا لی۔

(مجمع الزوائد ص۱۲۴ ج۳، باب ما يقول عند ادخال الميت القبر ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث: ۴۲۴۵۔ معجم طبرانی کبیر ص۲۴۱ ج۳، باب الحكم بن الحارث السملی ، رقم الحديث:۳۱۷۱)

ترجمہ:......حضرت حکم بن حارث سلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین غزوات میں شرکت کی، انہوں نے (اپنے پیچھے والوں سے) فرمایا: جب تم مجھے دفن کرنے اور میری قبر پر پانی چھڑکنے کے بعد میری قبر پر قبلہ رخ ہو کر میرے لئے دعا کرنا۔

(۹)……عن الحسن : انه لم یکن یری بأسا برش الماء علی القبر۔

ترجمہ:……حضرت حسن رحمہ اللہ قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۰)……عن ابی جعفر قال : لا بأس برش الماء علی القبر۔

ترجمہ:……حضرت ابوجعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۱)……عن عبد اللہ بن بکر قال : کنتُ فی جنازۃ ومعنا زیاد بن جبیر بن حیۃ ، فلما سوَّوُا القبر صُبَّ علیہ الماء ، فذھب رجل یمَسُّہ ویُصلحہ ، فقال زیاد : یکرہ أن تمس الأیدی القبر بعد ما یرش علیہ الماء۔

ترجمہ:……حضرت عبد اللہ بن بکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں (ایک) جنازہ میں تھا، اور ہمارے ساتھ حضرت زیاد بن جبیر بن حیہ رحمہ اللہ بھی تھے، جب قبر برابر کر لی گئی، اور اس پر پانی ڈال دیا گیا، تو ایک صاحب آئے اور انہوں نے قبر کو چھو کر اسے درست کرنا شروع کیا، تو حضرت زیاد رحمہ اللہ نے فرمایا: قبر پر پانی ڈالنے کے بعد اسے ہاتھوں سے چھونا مکروہ (اور ناپسندیدہ) ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۶۸ ج۷، فی رش الماء علی القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۲۱۸۲/۱۲۱۸۳/۱۲۱۸۴)

شرح مشکوۃ میں پانی چھڑکنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ: اس سے مرحوم پر اللہ تعالی کی رحمت کے نزول اور گناہوں سے پاکی کی نیک فالی لینا ہے۔

اور یہ کہ قبر کی مٹی منتشر نہ ہو اور ایک جگہ جمی رہے۔

(مستفاد: مرعاۃ ص۵۴۵ ج۴۔ شمائل کبری ص۴۰۶ ج۱۰، ط: زمزم، کراچی)

قبر پر وضو کا پانی گرانا

سوال:......قبر پر وضو کا پانی گرانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:......وفی رد المحتار من الفتح : ویکرہ الجلوس علی القبر ' و وطؤہ ، وفی الدر المختار : آداب الوضوء والجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل ، وفی رد المحتار : لوقوع الخلاف فی نجاستہ ' ولأنہ مستقذر و لذا کرہ شربہ والعجن بہ علی القول الصحیح بطھارتہ وفیہ مکروھات الوضوء أو فی المسجد۔

(شامی ص۱۵۴ ج۳، مطلب : فی اھداء ثواب القراء ۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب صلوۃ الجنازۃ ، کتاب الصلوۃ ، ط : مکتبۃ دار الباز ، مکۃ المکرمۃ)

ان روایات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قبر بھی محترم اور ماء وضو مستقذر ہے،اس لئے قبر پر وضو کا پانی گرانا نہ چاہئے ،باقی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا۔

(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص۳۶۴ ج۲)

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ:۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء

منگل

دفن کے بعد قبر پر کیا پڑھے؟

سوال:......کیا دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کے اول وآخر کی آیتیں پڑھنا منقول ہے؟۔

الجواب: حامدا و مصليا و مسلما:......دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھیں، یعنی سرہانے ''الٓمٓ'' سے ''مفلحون'' تک اور پائنتی ''اٰمن الرسول'' سے ختم سورت تک پڑھنا مستحب ہے، (اور احادیث سے ان آیتوں کے پڑھنے کا ثبوت ہے)۔

مسئلہ:......ان آیات کے پڑھتے وقت شہادت کی انگلی کا سرہانے یا پائنتی پر رکھنا ثابت نہیں ہے، اس رواج کو چھوڑنا اور ختم کرنا چاہئے۔(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص۵۳۴ ج۱)

(۱)......وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة و خاتمتها۔

(شامی ص۱۴۳ ج۳، مطلب : فی دفن الميت ، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

(۲)......فقد ثبت أنّه عليه الصلوة والسلام قرأ اوّل سورة البقرة عند رأس مَيّت و آخِرها عند رِجْلَيه۔

(شامی ص۱۵۱ ج۳، مطلب : فی زيارة القبور ، باب صلوة الجنازة ، كتاب الصلوة ، ط: مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

(۱)......عن عبد الله بن عمر قال : سمعت النبی صلى الله عليه وسلم يقول : اذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به الى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة ۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ

فرماتے ہوئے سنا کہ: جب تم میں سے کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اسے محبوس نہ رکھو، بلکہ اس کی قبر تک اسے جلد پہنچادو، نیز یہ بھی چاہئے کہ (قبر پر کھڑے ہوکر) اس کے سر کے قریب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پاؤں کے قریب سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔(مظاہرحق جدید ص۲۱۱ ج۲، ط: دارالاشاعت، کراچی)

(مشکوۃ ص۱۴۹، باب دفن المیت ، الفصل الثالث ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۷۱۷۔

معجم طبرانی کبیر ص۴۴۴ ج۱۲، سالم عن ابن عمر ، رقم الحدیث:۱۳۶۱۳)

(۲)......عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج قال : قال لی أبی : یا بنی ! اذا مت فألحد لی لحدا ' فاذا وضعتنی فی لحدی ' فقل : بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' ثم شن التراب علیّ شنا ' ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة و خاتمتها ' فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک۔

(مجمع الزوائد ص۱۲۵ ج۳، باب ما یقول عند ادخال المیت القبر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۴۲۴۳۔ معجم طبرانی کبیر ص۲۲۱ ج۱۹، من اسمہ لجلاج ، رقم الحدیث:۴۹۱)

ترجمہ:......حضرت عبدالرحمٰن بن اللجلاج کہتے ہیں کہ: مجھ سے میرے والد صاحب نے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب میری وفات ہوجائے تو میرے لئے لحد قبر بنانا، پھر جب مجھے قبر میں رکھیں تو "بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھنا، پھر مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر (میری قبر کے) سرہانے سورۂ فاتحہ کی ابتداء اور (پاؤں کی طرف) آخری آیتیں پڑھنا، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۴/ذی الحجہ: ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۱/جون ۲۰۲۴ء، منگل

پوسٹ مارٹم کا حکم

پوسٹ مارٹم کا حکم، انسان کے تحفظ کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی گوارہ کی گئی، میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا، موت کے بعد ایذا دینا زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے، مردوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم، جنازہ کی عزت کا حکم ہے تو صاحب جنازہ کی توہین کیسے جائز ہوگی؟ قبر کی عزت کا حکم ہے تو صاحب قبر کی توہین کیسے جائز ہوگی، اضطرار میں حکم بدل جاتا ہے، وغیرہ امور اس مختصر رسالہ میں مع حوالہ جمع کئے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: زمزم پبلشرز، کراچی

پوسٹ مارٹم کا حکم

سوال:......میت کا پوسٹ مارٹم کرنا کیسا ہے؟ بعض مرتبہ مجبوراً پوسٹ مارٹم کروانا پڑتا ہے، بعض ممالک میں کسی حادثہ کی وجہ سے قانون بھی بلا اجازت میت کو دفنانے کی اجازت نہیں دیتا، اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ پوسٹ مارٹم کن کن وجوہ سے ہوتا ہے؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ اوران میں کونسی جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟

الجواب: حامدا و مصلیا و مسلما:......موت کے بعد مرنے والے کے جسم کو بلا عذر چیر پھاڑ کرنا عام حالات میں شرعا جائز نہیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہو پوسٹ مارٹم کے عمل سے بچے اور اپنے مرحومین کو بچائے۔

پوسٹ مارٹم صرف اسلامی نقطۂ نظر سے ہی معیوب نہیں، بلکہ یہ ایک عام انسانی مسئلہ ہے، اس لئے ارباب حل وعقد کو اپنی اپنی حکومتوں کو بھی اس سلسلہ میں متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

البتہ بعض مرتبہ کسی حادثہ کی وجہ سے مثلا: کسی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے، یا کوئی زہر کھا کر مر جائے، یا کسی کی نعش زخمی حالت میں ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کس وجہ سے ہوئی ہے یا اور کوئی بات ایسی پیش آگئی کہ اچانک موت ہوگئی، اور ملک کا قانون ان صورتوں میں پوسٹ مارٹم کے بغیر دفنانے کی اجازت نہیں دیتا، اور ہمارے پاس پوسٹ مارٹم کے بغیر دفنانے کی کوئی صورت نہ ہو تو یہ مجبوری ہے، اس صورت میں اللہ تعالی کی ذات عالی سے امید ہے کہ ورثاء گنہگار نہیں ہوں گے۔

جہاں موت کا سبب معلوم ہو، مجرم کو اقرار ہو، پوسٹ مارٹم مقدمہ کو حل کرنے میں معاون نہ ہو، خود میت کے ورثاء کی طرف سے بھی اس کا مطالبہ نہ ہو، اوران ورثاء کا اپنا

کردار اس جرم کے سلسلہ میں مشکوک ومبہم نہ ہو، تو ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم کرنا درست نہیں۔

آج کل صورت حال یہ ہے کہ ہر حادثاتی موت میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، حالانکہ ہلاکت کے اسباب بالکل واضح ہوتے ہیں، جیسے گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ میں، اور سانپ کاٹنے سے ہونے والی موت، یہ ایک فضول عمل ہے، اور اس سے بلا وجہ مردہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لئے ان مواقع پر پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں۔

جب ایسی کسی مجبوری میں پوسٹ مارٹم کروانا ہی پڑے تو بھی جہاں تک ہوسکے ایسی صورت اختیار کی جائے جس میں مردے کو کم سے کم تکلیف ہو، اور جلد سے جلد پوسٹ مارٹم کے معاملات مکمل ہوجائیں، اور حتی المقدور انسانی احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا جائے، خواہ مخواہ بے ستری نہ ہو، اور غیر متعلق اعضاء کی رعایت کے ساتھ مخصوص مواقع پر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے۔

اب تو ایسی مشینیں ایجاد ہوچکی ہیں کہ ان میں نعش کو سلا کر بلا کسی چیر پھاڑ کے اس کی موت کی وجہ معلوم ہوسکتی ہے، تو ایسی مجبوری میں اس طرح کی مشین کا استعمال کرنا چاہئے، چاہے اس میں کچھ مال خرچ ہوجائے۔ مال خرچ ہوجانے کے خوف سے مردے کو مشینی جانچ کے بجائے پوسٹ مارٹم کے عمل سے گذارنا درست نہیں ہوگا۔

فی نفسہ میت کا چیرنا ناجائز ہے، صرف کسی دوسرے زندہ انسان کی جان بچانے کے لئے، یا کسی کا مال محترم محفوظ کرنے کے لئے جبکہ اس کا اور کوئی بدل بھی نہ ہو بضرورت شدیدہ اس کی اجازت دی گئی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے مردے کی تعظیم کا حکم دیا ہے، اور اس کو بھی تکلیف پہنچانے سے منع

کیا ہے، پوسٹ مارٹم میں مردے کو ایذاء و تکلیف ہوتی ہے، اور یہ عمل اس کی تعظیم و تکریم کے بھی خلاف ہے، اس لئے بلاضرورت تو پوسٹ مارٹم کرانا جائز نہیں، اور بضرورت قانونی مجبوری میں گنجائش ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ۴۰۶ ج ۲۔ کفایت المفتی ص جدید ص ۲۱۰ ج ۴۔ کتاب الفتاوی ص ۲۵۰ ج ۳۔ فتاوی قاسمیہ ص ۱۰۸ ج ۱۰۔ کتاب المسائل ص ۶۴ ج ۲)

(۱)......والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته ، الخ۔

(شرح سیر الکبیر ص ۹۰ ج ۱ (وفی نسخة ص ۱۲۸) باب دواء الجراحة)

اور آدمی موت کے بعد بھی اسی طرح محترم ہوتا ہے جس طرح زندگی میں محترم تھا۔

(۲)......لان الآدمی مکرم غیر متبذل ' فلا یجوز أن یکون شیئا من أجزائه مهانا مبتذلا۔

(مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ص ۸۵ ج ۳، باب البیع الفاسد ، کتاب البیوع ، ط: بیروت اوجز المسالک ص ۵۸۷ ج ۴، باب ما جاء فی الاختفاء ، کتاب الجنائز ، ط: بیروت)

فقہ کی کتاب میں تو مردے کے دانت نکالنے و لگانے تک کی ممانعت آئی ہے:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۳)......فان لم یقلع حتی مات لم یقلع بعد موته ، لانه صار میتة کله، والله حسیبه، وکذلک سنه اذا ندرت فان اعتلت سنه فربطها قبل ان تندر فلا بأس لانها لا تصیر میتة حتی تسقط۔ (کتاب الام ص ۵۴ ج ۱، باب ما یوصل بالرجل والمرأة ، کتاب الطهارة)

اگر اس ہڈی کو اکھاڑے بغیر وہ مر گیا تو موت کے بعد وہ ہڈی نہ اکھاڑی جائے، اس لئے کہ اب وہ پورے کا پورا مردہ ہو گیا، اور اسی طرح اکھڑے ہوئے دانت کا حکم ہے۔

اور اگر دانت ہل رہا ہو اور اس کو اکھڑنے سے پہلے باندھ لے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ گرنے سے پہلے مردہ نہیں ہوتا۔

انسان کے تحفظ کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی گوارہ کی گئی

انسانی تحفظ کے لئے اہانت محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقاء کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لئے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱)......لو ان حاملا ماتت و فی بطنها ولد يضطرب ' فان كان غالب الظن انه ولد حی وهو فی مدة يعيش غالبا ' فانه يشق بطنها ' لان فيه احياء الآدمی' فترک تعظيم الآدمی أهون من مباشرة سبب الموت۔

(تحفۃ الفقہاء ص ۳۴۵ ج ۳، کتاب الحظر والاباحۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یعنی اگر کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو، اگر غالب ظن یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی بچانا ہے، اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلہ میں زیادہ آسان یہ ہے کہ آدمی کی تعظیم و تکریم کے تقاضہ کو چھوڑ دیا جائے۔

محقق ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۲)......ابطال حرمة الميت لصيانة حرمة الحي يجوز۔

(فتح القدیر ص۱۴۲ ج۲، باب الشهيد ، كتاب الجنائز)

مردہ کی حرمت کا ابطال زندہ کی حرمت کی حفاظت کے خاطر جائز ہے۔

(۳)...... ماں کی موت ہوجائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے، تو فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے، اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لئے ترک کیا جارہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لان ذلک تسبب فی احیاء نفس محترمة بترک تعظیم المیت فالاحیاء اولی''

(البحر الرائق ص۳۷۶ ج۹، فصل فی البيع ،كتاب الكراهية ، تحت قوله : وخصى البهائم)

علامہ ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لان ابتلینا ببلیتین ' فنختار اهونهما وشق بطن الام المیتة اهون من اهلاک الولد الحی''۔(بدائع الصنائع ص۱۳۰ ج۵ (ط:سعید) كتاب الاستحسان)

یعنی ایک طرف مردہ کی تعظیم وتکریم کا پہلو ہے تو دوسری طرف زندہ کی جان خطرہ میں ہے، تو اہون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے زندہ کی جان بچانے کی فکر کی جائے گی، اگرچہ مردہ کے کسی جز کا اتلاف لازم آئے۔

''الموسوعہ'' میں اسے جمہور فقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے:

'' ذهب جمهور الفقهاء الی ان الحامل اذا ماتت وفی بطنها جنين حی يشق بطنها ' و يخرج ولدها ، لان استبقاء حی باتلاف جزء من میت''۔

(الموسوعہ ص۱۲۰ ج۱۶ (ط:وزارة الاوقاف،کویت) بعنوان: جنين)

یعنی جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ حاملہ جب مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو

تو اس کا پیٹ چاک کر کے اس کا بچہ نکال لیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں مردہ کے ایک جزء کا تلف کر دینے سے ایک زندہ کی بقاء (وابستہ) ہے۔ (موسوعہ اردو ترجمہ، ص ۱۵۶ ج ۱۶)

پوسٹ مارٹم کے تین مقاصد

پوسٹ مارٹم بنیادی طور پر تین مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے:

(۱)...... تعلیم کے لئے۔

(۲)...... مرض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے۔

(۳)...... وفات کا سبب معلوم کرنے کے لئے۔

(پہلا)...... تعلیم کے لئے پوسٹ مارٹم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میڈیکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ انسان کے اندرون اعضا سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، تاکہ وہ علاج اور بالخصوص آپریشن میں ان معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔

علماء ہند کے اکثر علماء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن انسانی زندگی کی اہمیت' انسانی شرافت وحرمت سے بھی بڑھ کر ہے، اور اس سے ایک اجتماعی مصلحت متعلق ہے، کیونکہ اگر ڈاکٹر اندرونی اعضاء کی ساخت اور ان کے باہمی ارتباط سے واقف نہ ہو تو کیوں کر ممکن ہے کہ وہ امراض کا آپریشن کر سکے، اسی لئے علماء ہند میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی رحمہما اللہ نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی رابطہ عالم اسلامی کے سیمینار میں اس موضوع پر تحقیق کے بعد جو تجویز منظور کی وہ درج ذیل ہے:

بغرض تعلیم پوسٹ مارٹم میں درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(۱)...... لاش اگر کسی معلوم شخص کی ہو تو موت سے قبل حاصل کی گئی خود اس کی اجازت یا موت کے بعد وارثین کی اجازت ضروری ہے، معصوم الدم لاش کا پوسٹ مارٹم بغیر ضرورت کے نہیں ہونا چاہئے۔

(۲)...... پوسٹ مارٹم بقدر ضرورت ہی کیا جائے تا کہ لاشوں کے ساتھ کھلواڑ کی صورت نہ پیدا ہو۔

(۳)......خواتین کی لاشوں کا پوسٹ مارتم خواتین ڈاکٹروں کے ذریعہ ہی کرنا ضروری ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ نے ان شرائط پر بعض اور شرائط کا اضافہ فرمایا ہے:

(۴)...... یہ ضرورت انسانی جسم سے قریب تر خصوصیت رکھنے والے جانوروں جیسے بندر وغیرہ کے ذریعہ پوری نہیں ہوسکتی ہو۔

(۵)......آپریشن کی ویڈیوز یا آپریشن کے درمیان طلبہ کا آپریشن کو دیکھنا اس ضرورت کے لئے کافی نہ ہو۔

(۶)......آج کل ربڑ کے ایسے ماڈل تیار کئے جارہے ہیں، جن کو خارجی اور داخلی طور پر ہو بہو انسان کی طرح بنایا جاتا ہے، یہ ماڈل بھی اس کے لئے کافی نہ ہوں، واللہ اعلم۔

(مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۲۰،۲۱۹۔ جدید فقہی مسائل ص ۱۷۱ ج ۲)

(دوسرا)......کبھی پوسٹ مارٹم بیماری کی حقیقت کو جاننے اور اس کی تحقیق کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، جیسے بعض دفعہ مریض پر کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے، ڈاکٹر موجودہ میڈیکل تحقیق کے اعتبار سے اس کا ایک سبب متعین کر کے علاج کرتا ہے، لیکن مریض صحت یاب نہیں

ہو پاتا اور پوسٹ مارٹم کے ذریعہ یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے۔

موجودہ دور میں اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ نئے نئے امراض پیدا ہو رہے ہیں، پوسٹ مارٹم کے ذریعہ صحیح نتیجے تک پہنچنے اور اس کے لئے مناسب دوا وضع کرنے کی کوشش کارگر ہوتی ہے۔

پوسٹ مارٹم کی اس صورت کو بھی عام طور پر برصغیر کے علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن بیشتر عرب علماء کا رجحان اس کے جواز کی طرف ہے۔

(۱)...... پوسٹ مارٹم کے متقاضی امراض کی دریافت مطلوب ہوتا کہ اس کی روشنی میں ان امراض کے لئے مناسب علاج اور ضروری احتیاطی اقدامات کئے جاسکیں۔

(تیسرا)......جرم کی تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، بلکہ زیادہ تر اسی مقصد کے لئے پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے۔

()......تعزیراتی مقدمہ میں موت یا جرم کے اسباب کی دریافت قاضی کے لئے دشوار ہو اور پوسٹ مارٹم کے ذریعہ ہی اس کی دریافت ہوسکتی ہو۔

اس سلسلہ میں مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی رابطہ عالم اسلامی کا فیصلہ یہ ہے:

()...... ان ضرورتوں کی بنا پر جو پوسٹ مارٹم کا سبب بنتی ہیں اور جن کی وجہ سے اس کی مصلحت شرافت انسانی کے متأثر ہونے کے مفسدہ سے بڑھ جاتی ہے، مجلس طے کرتی ہے کہ: جن امراض کی تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم کی ضرورت ہو، ان کے لئے مردہ کا پوسٹ مارٹم کیا جاسکتا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں ان امراض سے بچاؤ کی احتیاطی تدبیروں اور مناسب علاج کو سمجھا جائے۔

(مستفاد: مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے ص ۲۲۰،۲۱۹۔جدید فقہی مسائل ص ۱۶۹ ج ۲)

میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا

میت کو ایذاء پہنچانے کی ممانعت کئی احادیث میں مختلف طریقوں سے آئی ہے:

(۱)......عن عائشة رضی الله عنها : انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : کسرُ عظمِ المیّتِ ککسره حیّا۔

(ابوداوَد، باب فی الحَفَّار یجدُ العَظْم هل یَتَنَکَّبُ ذلکَ المکان ؟ ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۳۲۰۷۔ابن ماجہ، باب فی النهی عن کسر عظام المیت ، رقم الحدیث:۱۶۱۶)

ترجمہ:......میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا۔

''مؤطا'' کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد بھی اسی طرح منقول ہے:

(۲)......کسرُ عظمِ المسلم میتاً ککسره وهو حی۔

(مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی الاختفاء وهو النبش ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۶۸)

موت کے بعد ایذا دینا زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے

(۳)......عن ابن مسعود رضی الله عنه قال:أذی المؤمن فی موته کأذاه فی حیاته۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۳۲ ج ۷، ما قالوا فی سبّ الموتی وما کُره من ذلک ،کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۱۲۱۱۵)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مؤمن کو موت کے بعد ایذا دینا اس کی زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے۔

مردوں کے ساتھ آزاد لوگوں کی طرح معاملہ کرنے کا حکم

(۴)......اصنعوا بمیتک کما تصنع بعروسک۔

(۵)......افعلوا بميتكم كما تفعلون بعروسكم۔

ترجمہ:......اپنے مردوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرو جس طرح تم اپنے دلہوں کے ساتھ کرتے ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۶ج۷، ما قالوا فيما يجزىء من غسل الميت كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۱۰۳۵۔ تلخیص الحبیر ص۲۱۸ج۲، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۷۴۱)

جنازہ کی عزت کا حکم ہے تو صاحب جنازہ کی توہین کیسے جائز ہوگی؟

شریعت مطہرہ نے جنازہ کی تعظیم کی ترغیب دی ہے، جب جنازہ کی عزت کا حکم ہے تو صاحب جنازہ کی توہین کیسے جائز ہوگی؟ شریعت نے جنازہ دیکھ کر قیام کو پسند فرمایا، حدیث شریف میں ہے:

(۱)......عن عامر بن ربيعة رضى الله عنه : عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : اذا رأيتم الجنازة فقوموا حتّى تُخَلِّفَكُم۔

(بخاری، باب القيام للجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۳۰۷)

ترجمہ:......حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ جنازہ تم کو پیچھے چھوڑ جائے۔

(۲)......عبد الرحمن ابن ابى ليلى قال : كان سهل بن حنيف و قيس بن سعد قاعدين بالقادسية ، فمرّوا عليهما بجنازةٍ فقاما ، فقيل لهما : انها من اهل الارض ، أى من اهل الذّمّة ، فقالا : انّ النّبى صلى الله عليه وسلم مرّتْ به جنازةٌ ، فقام ، فقيل له : اِنّها جنازة يهوديٍّ ، فقال: أَلَيسَتْ نفسًا ؟۔

(بخاری، باب من قام لجنازة يهودى ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۳۱۲)

ترجمہ:......حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت سہل بن حنیف اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما دونوں قادسیہ میں تھے، ان کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو وہ کھڑے ہوگئے، ان سے کہا گیا کہ: یہ تو ذمی کا جنازہ ہے، انہوں نے فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا، تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ: یہ یہودی کا جنازہ ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذی روح نہیں ہے؟

(۳)......عن سعيد المَقبُرِی عن ابيه قال : كنا فی جنازة فأخذ ابو هريرة رضی الله عنه بيد مروان فجلسا قبل ان توضع ، فجاء ابو سعيد رضی الله عنه فأخذ بيد مروان فقال : قُم ، فوالله لقد علم هذا انّ النّبی صلی الله عليه وسلم نهانا عن ذلک فقال ابو هريرة رضی الله عنه : صدق۔

(بخاری، باب متی يقعد اذا قام للجنازة ؟ ،كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۱۳۰۹)

ترجمہ:......حضرت سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم ایک جنازہ میں تھے، (اتنے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھ گئے، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور مروان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کھڑے ہوجاؤ! پس اللہ کی قسم ان کو (یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو) علم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو اس سے (یعنی جنازہ رکھنے سے پہلے) بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔

قبر کی عزت کا حکم ہے تو صاحب قبر کی توہین کیسے جائز ہوگی

شریعت مطہرہ نے مردہ کی نعش سے بڑھ کر اس کی قبر کی تعظیم بھی سکھائی اور اس کی توہین

کی اجازت نہیں دی، جب قبر کی عزت کا حکم ہے تو صاحب قبر کی توہین اور اس کو ایذاء پہنچانا کیسے جائز ہوگا؟ شریعت نے قبر پر بیٹھنے سے قبر پر چلنے سے اور جوتوں کے ساتھ روندنے سے منع فرمایا، حدیث شریف میں ہے:

(۱)......عن ابی مرثد الغنوی رضی الله عنه ، قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیها۔

(مسلم، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلوة علیه ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۲-۹۷۲)

ترجمہ:......حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھو۔

(۲)......عن ابی هریرة رضی الله عنه ، قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لان یجلسَ احدُکم علی جمرةٍ فتحرق ثیابه ، فتخلُص الی جلده ، خیر له من ان یجلس علی قبر۔

(مسلم، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلوة علیه ،کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۱-۹۷۱)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری پر بیٹھ جائے اور اس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کی کھال تک پہنچ جائے تو یہ اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

(۳)......عن جابر رضی الله عنه قال : نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یجصص القبر ، وان یقعد علیه، وان یبنی علیه۔

(مسلم، باب النهی عن تجصیص القبر والبناء علیه ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۰-۹۷۰)

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے قبر پر چونہ لگانے

اوراس پر بیٹھنے اوراس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔

(۴)......عن عمارة بن حزم رضی الله عنه قال : رآنی رسول الله صلی الله علیه و سلم جالسا علی قبر، فقال: یا صاحب القبر انزل من علی القبر، لاتؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک۔

(مجمع الزوائد ص ۱۴۶ ج ۳، باب البناء علی القبور والجلوس علیها وغیر ذلک ، کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۴۳۲۱)

ترجمہ:......حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا: اے قبر والے! قبر سے اتر جاؤ اور قبر والے کو ایذا نہ دو، وہ تمہیں ایذاء نہیں دیتا۔

(۵)......عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال : لان اطأ علی جمرة ، احب الیّ من أن أطأ علی قبر مسلم۔

(مجمع الزوائد ص ۱۴۷ ج ۳، باب المشی علی القبور ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۴۳۲۲)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں کسی انگارے پر چلوں یہ میرے لئے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں کسی مسلمان کی قبر کو روندوں۔

(۶)......عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : لان اطأ علی جمرة ، احب الیّ من أن أطا علی قبر۔

(کنز العمال ، زیارة القبور ، والموت واحوال تقع بعده ، رقم الحدیث:۴۲۵۶۹)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں کسی انگارے پر چلوں یہ میرے لئے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں کسی قبر کو روندوں۔

(۷)......عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان امشی علی جمرة او سیف ' أو اخصِفَ نعلی بِرِجْلی ، احب الیّ من أن امشی علی قبر مسلم، وما ابالی اوسط القبور قضیتُ حاجتی ، أو وسط السّوق۔

(ابن ماجہ، باب ما جاء فی النهی عن المشی علی القبور والجلوس علیها ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۱۵۶۷)

ترجمہ:......حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کسی انگارے یا تلوار پر چلوں، یا اپنے جوتے کو اپنے پاؤں کے ساتھ سی لوں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں، اور میں قبروں کے درمیان قضائے حاجت کروں، یا بازار کے درمیان مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

تشریح:......یعنی جیسے بازار کے درمیان قضائے حاجت کرنا شریف لوگوں کا کام نہیں، اس لئے کہ اس میں بے حیائی اور کشف ستر ہے، اسی طرح قبروں کے درمیان یہ فعل سرانجام دینا مناسب نہیں۔

(۸)......ثم حانت من رسول الله صلی الله علیه وسلم نظرة ، فاذا رجل یمشی فی القبور علیه نعلان ، فقال : یا صاحب السِّبْتِیَّتَیْنِ ! ویحک ألق سبتیتیک ، فنظر الرجل، فلما عرف رسول الله صلی الله علیه وسلم خلعهما فرمی بهما۔

(ابوداؤد، باب المشی بین القبور فی النعل ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۳۲۳۰۔نسائی، کراهیة المشی بین القبور فی النعال السبتیة ،کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۲۰۵۰۔ابن ماجہ، باب ما جاء فی خلع النعلین فی المقابر ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۱۵۶۸)

ترجمہ:......آپ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو قبروں کے درمیان جوتوں سمیت گذر رہا

تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے جوتوں والے! تجھ پر افسوس ہے، اپنے جوتے اتار لے، اس نے آپ ﷺ کی جانب دیکھا تو پہچان لیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں تو اس نے اپنے جوتے اتار کر پھینک دیئے۔

(۹)......عن عصمة رضی الله عنه قال : نظر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی رجل یمشی فی نعلیه بین المقابر ، فقال : یا صاحب السبتیة ! اخلع نعلیک۔

(مجمع الزوائد ص۱۴۷ ج۳، باب المشی علی القبور فی النعال ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث: ۴۳۲۳۔ معجم طبرانی کبیر ص۱۸۵ ج۱۷، من اسمه عصمة ، عصمة بن مالک الخطمی ، رقم الحدیث: ۴۵۹)

ترجمہ:......حضرت عصمہ بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ قبروں کے درمیان اپنے جوتوں کے ساتھ چل رہا ہے، تو فرمایا: اے جوتوں والے! اپنے جوتے اتار لے۔

دلیل عقلی

ایک شخص کی موت واقع ہوئی، اس کے گھر میں غم ہے' ماتم ہے، بیوی بچے رو رہے ہیں، ایسے وقت میں کوئی پوسٹ مارٹم کرکے اس کے جسم کو چیر پھاڑ کر رہا ہے، اور نہ جانے کس کس طرح اس کو تکلیف پہنچائی جا رہی ہے، تو مرحوم کے اہل خانہ پر کیا گذرتی ہوگی؟

اضطرار میں حکم بدل جاتا ہے

ہاں جب پوسٹ مارٹم کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو یہ ایک مجبوری ہے، اور مجبوری میں احکام میں تخفیف آجاتی ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہاء کے اقوال سے یہ امر مسلم ہے کہ اضطرار اور مجبوری میں حکم میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)......فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(پ:۲/سورۂ بقرہ،آیت نمبر:۱۷۳)

ترجمہ:......ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اوران چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہواور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے،تواس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ تعالی بہت بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں۔

(۲)......فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(پ:۶/سورۂ مائدہ،آیت نمبر:۳)

ترجمہ:......ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اوراس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بناپر ایسا نہ کیا ہو،تو بیشک اللہ تعالی بہت معاف کرنے والے، بڑے مہربان ہیں۔

(۳)......وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔(پ:۸/سورۂ،انعام آیت نمبر:۱۱۹)

ترجمہ:......اورتمہارے لئے کونسی رکاوٹ ہے جس کی بناپر تم اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پراللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جواس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قراردی ہیں،البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہوجاؤ (توان حرام چیزوں کی بھی بقدرضرورت اجازت ہوجاتی ہے)۔

(۴)......فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(پ:۸/سورۂ انعام،آیت نمبر:۱۴۵۔اور:سورۂ نحل،آیت نمبر:۱۱۵)

ترجمہ:......ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے

جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں۔

حدیث شریف سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے حرام سے انتفاع کا حکم دیا گیا۔

(۵)......عن انس رضی الله عنه قال : قدِمَ أُناس من عُكْلٍ او عُرَيْنة فَاجتَوَوُا المدينة فامرهم النبی صلی الله علیه وسلم بلِقاح وأن يشربوا من ابوالها والبانها ، الخ۔

(بخاری، باب ابوالِ الابل والدّوابِّ والغنم و مرابِضها ،کتاب الوضوء ، رقم الحدیث:۲۳۳)

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے، انہیں مدینہ موافق نہیں آیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ دودھ والی اونٹنیوں کے باڑے میں چلے جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں۔

(۶)......عن عبد الرحمن بن طَرفة رحمه الله : انّ جَدَّه عَرْفجة بن اسعدَ رضی الله عنه قُطِع انفُه يوم الكُلاب ، فاتخذ أنَفا من ورِقٍ ، فَأَنْتَنَ عليه ، فامره النبی صلی الله علیه وسلم ، فَاتَّخذ اَنْفا من ذهب۔

(ابوداؤد، باب ما جاء فی ربط الاسنان بالذهب ،کتاب الخاتم ، رقم الحدیث: ۴۲۳۲۔ترمذی، باب ما جاء فی شد الأسنان بالذهب ، کتاب اللباس عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ، رقم الحدیث: ۱۷۷۰۔نسائی، من اصیب انفه هل یتخذ انفا من ذهب ،کتاب الزینة ، رقم الحدیث: ۵۱۷۶)

ترجمہ:......حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی کلاب (کی جنگ) کے دن میں ناک کاٹی گئی، انہوں نے

چاندی کی ناک بنوائی، تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی، تو نبی کریم ﷺ نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا، اس پر انہوں نے سونے کی ناک بنوائی۔

مردوں کے لئے ریشم پہننا منع ہے۔

(بخاری، باب :لُبس الحرير و افتراشه للرّجال و قدر ما يجوز منه ، كتاب اللباس ، رقم الحديث :۵۸۲۸/۵۸۲۹/۵۸۳۰/۵۸۳۱/۵۸۳۲/۵۸۳۳)

مگر آپ ﷺ نے بیماری میں اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

(۷)......عن انس رضی اللہ عنه قال : رخَّص النبی صلی الله علیه وسلم للزبیر وعبد الرحمن فی لُبس الحریر لِحکَّةٍ بهما۔

(بخاری، باب ما يُرخّص للرّجال من الحرير للحِكّة ، كتاب اللباس ، رقم الحديث:۵۸۳۹)

ترجمہ:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے خارش کی وجہ سے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی اجازت دی'

حضرت مسروق رحمہ اللہ سے یہاں تک منقول ہے کہ:

(۸)......عن مسروق رحمه الله قال : من اضطُرّ الی المیتة والدّم ولحم الخنزیر' فلم یأکل ولم یشرب حتی یموتَ دخل النّار۔

ترجمہ:...... جو شخص حالت اضطرار میں مردار' خون اور خنزیر کے گوشت کو نہ کھائے یا نہ پیئے اور اس کی وجہ سے موت واقع ہوجائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(سنن کبری بیہقی ص۵۷۰ ج۱۹، باب مايحل من الميتة بالضرورة ، كتاب الضحايا ، رقم الحديث: ۱۹۶۷۴۔ مصنف عبدالرزاق ص۴۱۳ ج۱۰، باب الميتة ، كتاب الجامع ، رقم الحديث:۱۹۵۳۶)

''الاستشفاء بالمحرم انما لا یجوز اذا لم یعلم ان فیه شفاء ، اما اذا علم ان فیه

شفاء وليس له دواء آخر غيره ، فيجوز الاستشفاء به''۔

(المحيط البرهانی ص۸۲ ج۸، باب الفصل التاسع عشر فی التداوی ، الاستحسان)

یعنی حرام دواء سے شفا حاصل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس سے شفاء کا یقین نہ ہو، ہاں جب شفاء کا یقین ہو جائے اور اس بیماری کے لئے اور کوئی (حلال) دواء نہ ہو تو جائز ہے۔

بعض مرتبہ پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے مردوں کے اعضاء بھی نکال لئے جاتے ہیں، اس کی شریعت مطہرہ میں اجازت نہیں ہے۔اس لئے جہاں بدرجۂ مجبوری پوسٹ مارٹم کرنا بھی پڑے تو وہاں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مردے کے کسی عضو کو نکالا نہ جائے۔

پوسٹ مارٹم میں ایک قباحت: تجہیز وتکفین میں تاخیر

میت کے پوسٹ مارٹم کرنے کی وجہ سے اس کی تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، جب کہ شریعت مطہرہ میں تجہیز وتکفین میں عجلت مطلوب ہے۔احادیث مبارکہ میں میت کو جلد از جلد دفن کرنے کی بے حد تاکید آئی ہے۔

(۱)......اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ رضی الله عنه مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُهٗ ، فَقَالَ اِنِّی لَارٰی طَلْحَةَ اِلَّا وَقَدْ حَدَثَ فيه الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِی بِهٖ وَ عَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِی لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ اَهْلِهٖ۔

(ابوداؤد ص۹۴ ج۲، باب تعجيل الجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث:۳۱۵۹)

ترجمہ:......حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا: میرا گمان ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے، ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا اور ان کی تجہیز وتکفین میں جلدی کرنا، اس لئے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش

ان کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حکم کی خوب علت بیان فرمائی ہے، چنانچہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

''تدفین میں جلدی کرنے کے دوسبب ہیں:

پہلا سبب: تدفین میں دیر کی جائے گی تو اندیشہ ہے کہ میت کا جسم بگڑنے لگے۔

دوسرا سبب: تدفین میں دیر کی جائے گی تو اعزاء کی بے چینی میں اضافہ ہوگا، کیونکہ جب وہ میت کو دیکھیں گے تو ان کا صدمہ بڑھے گا اور میت نظروں سے اوجھل ہو جائے گی تو ان کی توجہ ہٹ جائے گی اور غم ہلکا پڑے گا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر جامع ارشاد میں دونوں سببوں کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ: مسلمان کی لاش کے لئے مناسب نہیں کہ اس کو اس کے اہل وعیال کے درمیان روکے رکھا جائے۔

جیفہ کے معنی ہیں: مردہ بدبودار جثہ۔ اس لفظ میں پہلے سبب کی طرف اشارہ ہے کہ تدفین میں دیر کی جائے گی تو میت جیفہ بن جائے گی اور ''اہل وعیال کے درمیان'' میں دوسرے سبب کی طرف اشارہ ہے۔ (رحمة الله الواسعة شرح حجة الله البالغة ص۶۷۲ ج۳)

مردہ کو قبر تک جلدی پہنچاؤ

(۲)......عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال : سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ : اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلاَ تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰی قَبْرِهٖ ، وَلْیُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَیْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ

فرماتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روکے مت رکھو، اور اسے اس کی قبر تک جلدی پہنچاؤ، اور (دفن کے بعد) اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الٓم سے مفلحون تک) اور پائنتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (اٰمن الرسول سے آخر تک) پڑھی جائیں۔

(سنن بیہقی ص۹۳ ج۴، باب ما ورد فی قراءۃ القرآن عند القبر، رقم الحدیث:۷۰۶۸۔ مشکوۃ ص۱۴۹، باب دفن المیت، الفصل الثالث)

تین چیزوں میں تاخیر مت کرو

(۳)......عن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: یَا عَلِیُّ! ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا: اَلصَّلٰوۃَ اِذَا اَتَتْ وَقْتُهَا، وَالْجَنَازَۃَ اِذَا حَضَرَتْ، وَالْاَیِّمَ اِذَا وَجَدَّتَ لَهَا کُفُوًّا۔

(ترمذی ص۴۲ ج۱، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، رقم الحدیث :۱۷۱)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر مت کرنا: ایک نماز جب اس کا وقت آجائے، دوسرا جنازہ جب حاضر ہو جائے، تیسرا بے نکاحی عورت، جب اس کا کفو مل جائے (تو فوراً نکاح کر دینا)

جنازہ جلدی لے چلو

(۴)......عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَۃِ، فَاِنْ تَکُ صَالِحَۃً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا الیه، وَاِنْ تَکُ سِوٰی ذٰلِکَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِکُمْ۔

ترجمہ:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازہ کو جلدی لے چلو، اگر وہ صالح ہے تو وہ خیر جس کی طرف تم اس کو لے جا رہے ہو اور اگر وہ صالح نہیں ہے تو تم شر کو اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔

(بخاری ص۱۷۶ ج۱ ، باب السرعة بالجنازة ، كتاب الجنائز ، رقم الحديث :۱۳۱۵۔ مسلم ص۳۰۶ ج۱، كتاب الجنائز ، باب الاسراع بالجنازة وفيه :" تقدمو نها اليه " رقم الحديث :۹۴۴)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

"حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے"۔

(معارف الحدیث ص۴۷۶ ج۳)

"بخاری شریف" کی ایک روایت میں ہے کہ:

" اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ ، فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُوْنِي " الخ۔

(بخاری ص۱۷۶ ج۱، باب قول الميت وهو على الجنازة قدمونی ، رقم الحديث :۱۳۱۶)

ترجمہ:...... جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اسے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اس وقت اگر وہ صالح ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے جاؤ۔ (گویا میت خود تقاضا کرتی ہے کہ میری تدفین میں تاخیر نہ ہو)۔

شریعت کے منشاء اور احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ نے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کی گہری بصیرت و فقاہت عطا فرمائی ہے' اس کی تاکید فرمائی ہے کہ میت کی تدفین میں تاخیر نہ کی جائے۔

(۱)......واذا تیقن موته (یعجل بتجهیزه) اکراما له ، لما فی الحدیث : عجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله۔

(مراقی الفلاح ص۴۶۵، باب احکام الجنائز۔وفی نسخۃ:ص۵۶۶)

یعنی جب موت کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے ،اسی میں اس کا اکرام واحترام ہے۔حدیث میں ہے کہ تجہیز وتکفین میں عجلت کرو، مسلمان کی نعش کو اس کے گھر والوں میں روکے رکھنا مناسب نہیں۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: تجہیز وتکفین میں جلدی کریں،تاخیر نہ کریں۔

(۲)......ویبادر الی تجهیزه ولا یؤخر۔

(عالمگیری ص۱۵۷، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الاول، اردوص۱/۲۵۰)

شامی میں ہے: موت کے بعد سے میت کے دفن تک تجہیز وتکفین ہر کام میں جلدی کرنا افضل ہے۔

(۳)......والافضل ان یعجل بتجهیزه کله من حین یموت۔

(شامی ص۱۳۶ ج۳، باب صلوة الجنازة ، مطلب : فی حمل المیت ، ط : دار الباز: مكة المكرمة)

احادیث نبویہ اور فقہاء کی عبارات صریحہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اولی اور بہتر صورت یہی ہے کہ تدفین میں عجلت ہونی چاہئے ،اور بلاضرورت تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

میت کو پوسٹ مارٹم کے لئے قبر سے نکالنا

آخر میں ایک اور اہم مسئلہ کی طرف بھی رہنمائی ضروری ہے، وہ یہ کہ پوسٹ مارٹم کے

جواز کی جو صورتیں بیان کی گئی ہیں وہ جب ہیں کہ مردہ کو دفنانے سے پہلے یہ عمل کیا جائے، اگر نعش کو دفن کر دیا گیا تو اب قبر کھول کر مردے کو نکال کر پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں۔

(مستفاد: کفایت المفتی ص۲۰۱ ج۴ ط: دارالافتاء فاروقیہ، کراچی۔ فتاوی محمودیہ ص۱۳۴ ج۹، ط: دار الافتاء فاروقیہ، کراچی۔ فتاوی قاسمیہ ص۱۰۶ ج۱۰)

(۱)......ولا یسع اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض مغصوبة ،

(خانیہ علی ھامش ہندیہ ص۱۲۱ ج۱ (۱۹۵ ج۱)، باب فی غسل المیتوما یتعلق به ، کتاب الجنازة)

(۲)......والنبش حرام حقا لله تعالی۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۶۱۴، فصل فی حملها و دفنها ، باب احکام الجنائز)

(۳)......لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم : المُختَفِی والمُختَفِیَة یعنی نبّاش القبور۔

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی کفن چور مرد اور کفن چور عورت پر۔

(مؤطا امام مالک ص۲۲۰، باب جاء فی الاختفاء وهو النبش ، کتاب الجنائز ، رقم الحدیث:۶۷۔ سنن کبری بیہقی ص۳۳۴ ج۱۷، باب النباش یقطع اذا اخرج الکفن من جمیع القبر ، کتاب السرقة رقم الحدیث:۱۷۳۲۵)

تشریح:......اللہ تعالی نے انسان کو مکرم ومحترم بنایا ہے، اور اس کا یہ احترام بعد وفات بھی باقی رہتا ہے، بنابریں مردے کی کسی بھی طرح بے حرمتی کرنا ممنوع ہے، اور اس پر تعزیری سزا ہے۔ (موطا امام مالک اردو مع شرح ص۴۲۶ ج۱)

پوسٹ مارٹم میں بھی قبر کو کھولنا پڑے گا، اور یہ عمل بھی مردے کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔

قبر کو کھودنے کی اجازت کی روایات کی صراحت

نوٹ:......بعض روایات سے قبر کھولنے کی اجازت و جواز معلوم ہوتا ہے، مگر ان سے عام قبروں کو بلا ضرورت کھولنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، ان روایات میں کسی ضرورت کی بنا پر قبر کھولنے کا حکم دیا گیا، وہ روایات درج ذیل ہیں:

(۱)......عن انس رضی الله عنه قال : قدِم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة و أمر بِناء المسجد ' فقال : یا بنِی النّجار ثامِنُونی ، فقالوا : لا نَطلب ثمنَه الا الی الله ، فأمر بقبور المشرکین فنُبِشَتْ ' ثمّ بِالْخِرَب فسُوِّیَتْ ' وبالنّخل فقُطِع ' فصفّوا النّخل قبلة المسجد۔

(بخاری، فی حرم المدینة ، کتاب فضائل المدینة ، رقم الحدیث:۱۸۶۸)

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا: اے بنی النجار! مجھے قیمت (سے مسجد کی جگہ کے لئے یہ باغ دے دو) انہوں نے عرض کیا: ہم اللہ تعالی کے علاوہ (کسی سے) اس کی قیمت مطالبہ نہیں کرتے، پھر آپ ﷺ کے حکم سے مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں، پھر گھنڈرات کو برابر کیا گیا اور کھجور کے درختوں کو کاٹ دیا گیا، پھر مسجد کے قبلہ کی دیوار میں ان درختوں کو قطار سے لگا دیا گیا۔

(۲)......عبد الله بن عَمْرٍو یقول : سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول حین خرجنا معه الی الطائف فمرَرْنا بقبرٍ ' فقال ُرسول الله صلی الله علیه وسلم : هذا قبر أبِی رِغالٍ ' وکان بهذا الحرم یُدْفَع عنه ، فلمّا خرج اصابَته النَّقْمَة الّتی اصابَتْ قومَه بهذا المکان ، فدُفِن فیه ، وآیة ذلک انّه دُفِن غُصْنٌ من ذَهَب ' اِنْ أنتم

نَبَشْتُم عنه أَصَبْتُموهُ معه ، فَابْتَدرهُ النّاس فاسْتَخْرَجُوا الغُصْن۔

(ابوداؤد، باب نبش القبور العادية ، كتاب الخراج ، رقم الحديث:۳۰۸۸)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب ہم آپ ﷺ کے ساتھ طائف کے سفر کے لئے نکلے اور ایک قبر پر ہمارا گذر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اس قبر کے بارے میں فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے، (اور حرم مکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) وہ یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا، اس خیال سے کہ (حدود حرم میں رہ کر) عذاب سے بچ جاؤں گا، (ایک زمانہ کے بعد) جب وہ حدود حرم سے باہر آیا تو اس کو بھی اسی عذاب نے پکڑ لیا، جو اس کی قوم کو پہنچا تھا، وہ یہیں دفن کیا گیا، اور اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ جس وقت دفن ہوا تھا تو اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ دفن کی گئی تھی، اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو اس کے ساتھ پاؤ گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (اس کو سن کر) اس کی قبر کی طرف دوڑے، اور اس قبر کو کھود کر اس شاخ کو نکالا۔

تشریح:......ابورغال قبیلۂ ثقیف کا جد اعلیٰ تھا اور قوم ثمود سے تھا، حضرت صالح علیہ الصلوۃ والسلام کا عامل تھا، اس کی تاریخ بہت تاریک ہے، حبشہ کی فوج جو ابرہہ کی امارت میں کعبہ شریف کو ہدم کرنے آئی تھی اس کا رہبر یہی تھا، یہ بھی کہا گیا کہ سب سے پہلے عشر اسی نے لیا، ظلم اور نحوست میں ضرب المثل تھا۔

بعد میں ابورغال کی مثال دی جاتی تھی، جیسے مشہور شاعر جریر نے ایک شعر میں کہا تھا ؎

اذا مات الفِرَزْدَق فارجُموه کما تَرْمون قبرَ أبی رِغال

(مستفاد: بذل المجھود ص ۳۳۸ ج ۱۰، ط: دار البشائر، بیروت۔ الدر المنضود ص ۲۰۲ ج ۵)

"ترمذی شریف" کی ایک روایت میں بھی ابورغال کا ذکر آیا ہے:

(۱)......انّ رجلا من ثقيفٍ طلّق نِسائه فقال له عمر : لَتُراجِعَنَّ نساء ک ' أو لأرْجُمَنَّ قبرک كما رُجِم قبرُ أبى رِغال۔

(ترمذی، باب ما جاء فى الرجل يسلم وعنده عشر نسوة ، كتاب النكاح ، رقم الحديث:۱۱۲۸)

ترجمہ:......قبیلۂ ثقیف کے ایک آدمی نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا تو ضرور آپ اپنی عورتوں کو نکاح میں واپس لیں یا میں ضرور آپ کی قبر پر پتھر ماروں گا جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔(یعنی مرنے کے بعد بھی تمہیں رسوا کروں گا)۔

تشریح:......غیلان ثقفی مسلمان ہوئے اس حال میں کہ ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں.. ...حضرت غیلان نے تبتل (بیویوں سے علیحدہ رہنے) کا ارادہ کیا تا کہ سارا وقت اللہ تعالی کی عبادت میں گذاریں، چنانچہ انہوں نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دے دی، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ سب بیویوں کو نکاح میں واپس لیں اور فرمایا: اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں مسلمانوں کو حکم دوں گا کہ جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں تمہاری قبر پر بھی پتھر ماریں چنانچہ انہوں نے بیویوں کو نکاح میں واپس لیا۔(بعد میں چار کا انتخاب کا مسئلہ آئے گا)

(تحفۃ الالمعی ص۵۶۰ ج۳)

یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ ہزاروں سال بعد آپ ﷺ نے اس کی قبر کی نشاندہی فرمائی اور اسی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی قبر کو کھودا اور سونا پایا۔

(۳)......ان زيدَ بن ثابتٍ استأذن عثمان فى نبش قبورٍ كانت فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم ' فأذن له ' فنبشها وأخرجها من المسجد ، قال : وانّما كانت تُرِكَت

فی المسجد لأنه کان فی أرَقّاءِ الناس قِلّة۔

ترجمہ:......حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ جو قبریں مسجد نبوی (ﷺ) میں ہیں ان کو اکھیڑ (کھود) دیا جائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی، تو انہوں نے ان قبروں کو کھود کر مسجد سے نکال دیا (اور کہیں اور دفنا دیا) اور وہ قبریں مسجد میں اس لئے چھوڑی گئی تھیں کہ لوگوں کی نرم زمینیں بہت کم تھیں۔

(۴)......قیس قال: رمی مروانُ طلحةَ یوم الجمل بسهُمٍ فی رُکبته، فمات فدفنّاه علی شاطیءِ الُکلاء، فرأی بعضُ أهله انّه قال: ألا تُریحونی من هذا الماء؟ فانِّی قد غَرِقْت – ثلاث مرّاتٍ یقولها – قال: فنبشوه فاشتروا له دارا من دور آل أبی بکرة بعشرة آلاف، فدفنّاه فیها۔

ترجمہ:......حضرت قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جنگ جمل میں مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئے اور وہ بصرہ میں دفن کر دیئے گئے، ان کے اہل میں سے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا: کیا تم مجھے اس پانی سے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟ بیشک میں ڈوب رہا ہوں، تین بار یہی فرمایا، پھر انہوں نے اس قبر کو کھودا اور ان کے لئے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے آل کے گھروں میں سے ایک گھر دس ہزار کا خرید کر اس میں ان کو دفن کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۸۷ ج ۷، فی نبش القبور، کتاب الجنائز، رقم الحدیث: ۱۲۲۲۰/ ۱۲۲۲۲)

مسئلہ:......دفن کے بعد (اور مٹی ڈالنے کے بعد) مردہ کو قبر سے نکالنا یا قبر کو کھولنا بالا جماع

درست وجائز نہیں ہے، مگر کسی کے حق کے لئے جائز ہے۔

مسئلہ:...... کسی نے کوئی زمین غصب کی اور اس میں کسی مردہ کو دفن کر دیا گیا ہو، اور مالک زمین اس مردہ کو اپنی زمین میں رکھنے کی اجازت نہ دے تو اس مردہ کو نکال کر دوسری جگہ دفنایا جائے گا۔

مسئلہ:...... کسی کی زمین میں بلا اجازت کسی مردہ کو دفن کر دیا گیا ہو، اور مالک زمین اس مردہ کو اپنی زمین میں رکھنے کی اجازت نہ دے تو اس مردہ کو نکال کر دوسری جگہ دفنایا جائے گا۔

مسئلہ:...... قبر میں کچھ سامان گر گیا، یا میت کے ساتھ مال دفن ہو گیا، یا غصب کئے کپڑے کا کفن دیا اور مٹی ڈالنے کے بعد معلوم ہوا تو اس کو نکالنے کے لئے قبر کو کھولنا جائز ہے۔

مسئلہ:...... اگر عورت کو کسی وارث نے زیور و مشترکہ سامان کے ساتھ دفن کر دیا اور بعض وارث مثلاً شوہر موجود نہ تھا تو وہ اپنے حق کے لئے قبر کو کھول سکتا ہے۔

مسئلہ:...... جب قبر پر پانی غالب آجائے (قبر پانی سے بھر جائے) تو بعض حضرات کے نزدیک نعش کو وہاں سے منتقل کرنا جائز ہے، جیسا کہ بعض اکابر کے متعلق روایات آتی ہیں۔

(مستفاد: عمدۃ الفقہ ص ۵۳۶/۵۳۵ ج ۲)

(۱)...... (ولا يخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمی، ك (أن تكون الارض مغصوبة أو أخذت بشفعة)، وفى الشامية: (الا لحق آدمی) احتراز عن حق الله تعالى، كما اذا دفن بلا غسل أو صلوة أو وضع على غير يمينه أو الى غير القبلة فانه لا ينبش عليه بعد اهالة التراب۔

(شامی ص ۱۴۵ ج ۳، باب صلوة الجنازة، كتاب الصلوة، ط: مكتبة الباز، مكة المكرمة)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ انہیں ان کے والد محترم حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ دفن کیا جائے، چنانچہ حسب وصیت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو مصر سے شام لے جا کر حضرت اسحٰق علیہ السلام و حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ''المنارۃ'' میں دفن فرمایا۔

(سیرۃ انبیاء ص ۳۲۵، تاریخ ابن کثیر ص ۳۵۵ ج ۱۔ ہر دو ترجمہ البدایۃ والنھایۃ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال

حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات سے پہلے اپنے خاندان والوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ مجھ کو مصر کی زمین میں دفن نہ کریں گے، بلکہ مصر سے لے جا کر حبرونؔ میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کریں گے، چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی لاش مبارک کو تابوت میں حنوط (چند خوشبودار چیزوں کا ایک مرکب جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس پر ملتے ہیں۔ فیروز اللغات) کر کے دفن کر دیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے خروج کیا تو اس تابوت کو بھی ساتھ لے لیا اور ان کے آبائی قبرستان میں لے جا کر سپرد خاک فرمایا۔ (سیرۃ انبیاء ص ۳۲۶۔ تاریخ ابن کثیر ص ۵۶ ج ۱۔ قصص القرآن ص ۳۳۶ ج ۱)

ان واقعات کی فقہاء نے تاویل فرمائی ہیں۔ بحر العلوم علامہ عبد العلی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو منتقل فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدن میں تغیر نہیں ہوتا، وہ اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی طیب ہوتے ہیں، لہذا ان کو منتقل کرنے میں حرج نہیں ہے ان کو منتقل کرنا جائز ہے۔ یہ ان

کی خصوصیت ہوسکتی ہے۔

وھذا بخلاف نقل یوسف یعقوب علیه السلام ، لان اجساد الانبیاء لا تنفسخ وھم طیبون حیا و میتا فلا خلل فی نقلھم ، وبالجملة ان عدم کراھة نقل اجساد الانبیاء لعله من خصائصھم لھذہ العلة۔

(رسائل الارکان ص۱۵۹/۱۶۰، کتاب الجنائز قبیل فی سجود التلاوۃ۔فتاوی رحیمیہ ص۳۳۷ ج ۷)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱)......ان واقعات کی صحت ہی میں کلام ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

(۲)......شرع من قبلنا جب تک قرآن یا حدیث میں منقول نہ ہو حجت نہیں ۔قرآن یا حدیث میں منقول ہونے کے باوجود اس کی حجیت کے لئے یہ شرط ہے کہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف حکم نہ ہو۔

(۳)...... یہ واقعات نقل بعد دفن سے متعلق ہیں جو باتفاق مشائخ رحمہم اللہ ناجائز ہے۔

(احسن الفتاوی ص۲۱ ج ۴)

والله تعالی أعلم وعلمه أحکم وأتم

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

یکم محرم الحرام: ۱۴۴۶ھ، مطابق ۷/جولائی ۲۰۲۴ء

اتوار